کلیات آغا حشر کاشمیری

6

(پراچین ایوم نوین بھارت، سنسار چکر، بھیشم پرتگیا، آنکھ کا نشہ)

مرتبین

آغا جمیل کاشمیری

یعقوب یاور

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل (حکومتِ ہند)

ویسٹ بلاک 1، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

Kulliyat-e-Agha Hashr Kashmiri-6
Edited by : Agh Jameel Kashmiri
&
Yaqoob Yawar

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت	:	اپریل، جون 2005 شک 1927
پہلا اڈیشن	:	1100
قیمت	:	-/180
سلسلۂ مطبوعات	:	1213

ISBN: 81-7587-082-6

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 1، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی-110066

طابع: فہمی کمپیوٹرز، جامع مسجد دہلی- 110006

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ایک قومی مقتدرہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ اس کی کارگزاریوں کا دائرہ کئی جہتوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں اردو کی ان علمی و ادبی کتابوں کی مکرّر اشاعت بھی شامل ہے جو اردو زبان و ادب کے ارتقاء میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اب دھیرے دھیرے نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ہمارا یہ ادبی سرمایہ محض ماضی کا قیمتی ورثہ نہیں، بلکہ یہ حال کی تعمیر اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں ہماری رہنمائی بھی کرتا ہے اور اس لیے اس سے کما حقہ واقفیت بھی نئی نسلوں کے لیے ضروری ہے۔ قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت عہدِقدیم کے شاعروں اور نثر نگاروں سے لے کر عہد جدید کے شاعروں اور نثر نگاروں تک تمام اہم اہلِ فکر و فن کی تصنیفات شائع کرنے کی خواہاں ہے تاکہ نہ صرف اردو کے اس قیمتی علمی و ادبی سرمائے کو آنے والی نسلوں تک پہنچایا جا سکے بلکہ زمانے کی دستبرد سے بھی اسے محفوظ رکھا جا سکے۔

عہدِ حاضر میں اردو کے مستند کلاسیکی متون کی حصولیابی، نیز ان کی کپوزنگ اور پروف ریڈنگ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن قومی اردو کونسل نے حتی الوسع اس مسئلے پر قابو پانے کی کوشش کی ہے۔ کلیات آغاحشر کاشمیری اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے کونسل قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔

اہلِ علم سے گزارش ہے کہ کتاب میں کوئی خامی نظر آئے تو تحریر فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں دور کی جا سکے۔

(ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ)

ڈائرکٹر

فہرست

دیباچہ 7

1۔ پراچین ایوم نوین بھارت 21

2۔ سنسار چکر 127

3۔ بھیشم پرتگیا 243

4۔ آنکھ نشہ 323

دیباچہ

ڈرامے کا تعلق تمثیل اور نقالی سے ہے یہی سبب ہے کہ اس کے ابتدائی نمونے ان علاقوں میں ملتے ہیں جہاں بت پرستی عام تھی ہندوستان اور یونان ایسے ہی خطے ہیں لیکن ان دونوں علاقوں میں ڈرامے کی روایت انفرادی طور پر پروان چڑھی۔ آگے چل کر جب دونوں میں تہذیبی روابط استوار ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ ہندوستان میں کالی داس کے ڈراموں کی فکری و فنی بلندی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی ابتدا ایک صدی قبل مسیح سے کافی پہلے ہوئی ہوگی۔ بدھ اقتدار میں آئے تو انھوں نے بھی اسے اپنے عقائد کی ترویج کے لیے مفید پایا۔ رفتہ رفتہ مختلف ناٹک منڈلیاں وجود میں آئیں جنھوں نے اس کی شکل ایسی بدلی کہ اس کا تعلق سماج کے نچلے طبقے سے رہ گیا۔

مسلمان ہندوستان آئے تو ان کا سابقہ ڈرامے کی اسی شکل سے پڑا۔ اول تو ان کا عقیدہ ایسی چیزوں کی سرپرستی کی اجازت نہیں دیتا تھا دوسرے اس عہد میں ڈرامے شرفا کے معیار پسند سے نیچے کی چیز ہو گئے تھے۔ اس لیے اس فن کی خاطر خواہ ترقی نہ ہوسکی۔ البتہ شاہان اودھ کے آخری دور میں اس جانب توجہ دی گئی اور یہی اردو ڈرامے کے آغاز کا زمانہ ہے، جب سید آغا حسن امانت لکھنوی نے اندرسبھا کی تخلیق کی جسے اسٹیج پر بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس عہد میں امانت کی نقل میں متعدد اندر سبھائیں لکھی گئی۔ حتی کہ یہ لفظ ڈرامے کے متبادل کے طور پر استعمال

ہونے لگا۔ یہ اندر سبھائیں ملک کے مختلف حصوں میں اسٹیج کی گئیں۔

اسی زمانے میں عروس البلاد بمبئی میں بھی اردو ڈراموں کی جانب لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ یہاں کی روایت کا سلسلہ اودھ کے بجائے انگریزی اور مراٹھی اسٹیج سے جڑا ہوا تھا۔ لوگوں کی غیر معمولی دلچسپی نے اسے ایک منافع بخش کارو بار کی شکل دے دی تھی۔ کارد باری مسابقت نے اسے پھلنے ، پھولنے اور نکھرنے کے وافر مواقع فراہم کیے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب اردو ڈراموں کے افق پر آغا حشر کاشمیری نمودار ہوئے۔

آغا حشر کی پیدائش بنارس میں 3/4 اپریل 1879 کی درمیانی شب میں ہوئی۔ ان کے اجداد کا تعلق ان کے والد آغا غنی شاہ تک کشمیر سے قائم رہا لیکن خود آغا حشر کا راست تعلق کشمیر سے نہیں تھا۔ والدین نے ان کا نام آغا محمد شاہ رکھا لیکن بعد میں انھیں شہرت آغا حشر کاشمیری کے نام سے ملی۔

جیسا کہ ان دنوں شرفا کے گھروں میں رواج تھا ،آغا حشر کو عربی، فارسی اور دینیات کی تعلیم مولوی حافظ عبد الصمد نے دی جو اس زمانے کے مشہور معلم تھے۔ آغا صاحب کے والد انھیں عالم دین بنانا چاہتے تھے لیکن خود آغا حشر کو انگریزی تعلیم سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ خاندان کے بعض افراد کے اصرار پر ان کا داخلہ جے نرائن اسکول میں کرا دیا گیا، جہاں انھوں نے درجہ چھ تک تعلیم حاصل کی۔جب تک وہ اس اسکول میں زیر تعلیم رہے، اپنی ذہانت سے اپنے اساتذہ کا دل جیتتے رہے۔ اسی زمانے میں انھیں شاعری کا شوق ہوا اور وہ فارسی اور اردو میں شعر کہنے لگے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آغا حشر کو ڈرامے سے دلچسپی ہوگئی تھی۔ فرصت کے اوقات میں وہ اپنے ہم جماعتوں کو ساتھ لے کر اسکول سے متصل قبرستان میں چادریں تان کر اندر سبھا اسٹیج کیا کرتے تھے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں جبلی تھیٹریکل کمپنی بنارس آئی۔ طلب علموں کو رعایتی داموں پر ٹکٹ فراہم کرنے سے انکار پر آغا حشر نے رفیع الاخبار میں اس کمپنی کے ڈراموں پر شدید نکتہ چینی کی۔

کمپنی کی طرف سے اس کا جواب شائع ہوا تو آغاحشر نے اور شدت سے حملہ کیا۔ اس اخبار بازی سے بچنے کے لیے کمپنی کے مالکوں نے حشر کو مفت ڈراما دیکھنے کی دعوت دے کر مصالحت کرلی اس طرح نہ صرف آغا حشر کو ڈراما دیکھنے کا موقع ملنے لگا بلکہ کمپنی کے ڈائریکٹر امرت لال اور ڈراما نویس مہدی حسن احسن لکھنوی سے بھی اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ایک دن کسی بات پر احسن صاحب سے بحث ہوگئی جس کے دوران حشر نے ان سے کہہ دیا کہ جیسا ڈراما آپ لکھتے ہیں، میں ایک ہفتے میں لکھ سکتا ہوں۔ احسن صاحب جیسے پختہ کار کے سامنے ایک نوجوان کا یہ دعویٰ تعلّی کے مترادف تھا تاہم اسے نبھانے کے لیے آغا حشر نے نہ صرف ڈراما ''آفتاب محبت'' لکھا بلکہ دوستوں کا ایک کلب بنا کر اسے اسٹیج بھی کر دکھایا۔ یہی آغا حشر کا پہلا ڈرامہ ہے جو 1897ء میں جواہر اکسیر پریس، بنارس میں چھپ کر شائع ہوا۔

ایک طرف آغا حشر کی دلچسپیوں کا یہ حال تھا ، دوسری طرف ان کے والد آبائی کاروبار میں ان کی دلچسپی نہ دیکھ کر ان کے مستقبل کی طرف سے فکر مند تھے۔ چنانچہ کافی غور و فکر کے بعد انھوں نے اپنے رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے بنارس میں میونسپل بورڈ میں ان کے لیے ایک معقول ملازمت کا انتظام کردیا۔ اس ملازمت کے لیے کچھ زر ضمانت مطلوب تھا۔ آغا غنی شاہ بیٹے کو ساتھ لے کر میونسپلٹی گئے لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے مطلوبہ رقم آغا حشر کے حوالے کر کے گھر چلے آئے۔ اتفاقاً کوئی ایسی صورت پیش آئی کہ یہ رقم اس دن میونسپلٹی کے خزانے میں جمع نہ ہوسکی۔ جب آغا حشر گھر لوٹ رہے تھے تو راستے میں انھیں کچھ دوست مل گئے جن کی خاطر مدارات میں اچھی خاصی رقم خرچ ہوگئی اس کے بعد والد کی جواب طلبی کے خوف سے ان کا رخ گھر کے بجائے اسٹیشن کی جانب مڑ گیا اور وہ بمبئی جا پہنچے۔

بمبئی آغا حشر کے لیے نئی جگہ تھی۔ ان کے علم میں تھا کہ ان کے ایک دوست عبداللہ بمبئی میں رہتے ہیں۔ وہ انھی کے پاس پہنچے اور ان کے ساتھ رہنے

لگے۔ عبداللہ شاعری کے دلدادہ تھے۔ اتفاق سے اسی دن بمبئی میں کوئی مشاعرہ تھا۔ وہ آغا حشر کو لے کر اس میں شریک ہوئے۔ یہاں کسی بات پر بمبئی پنچ کے ایڈیٹر مولوی فرخ سے ان کی جھڑپ ہوگئی۔ اور یہ جھگڑا بمبئی پنچ کے صفحات تک آگیا۔ اس طرح آغا حشر شہر کے ادبی حلقوں میں متعارف ہوگئے۔ کچھ دنوں بعد اپنے ایک دوست کے اصرار پر وہ الفریڈ کمپنی کے مالک کاوس جی پالن جی کھٹاؤ سے ملے۔ کاوس جی اس وقت چائے پی رہے تھے۔ حشر نے ان کے حسب فرمائش چائے پر ایک فی البدیہہ نظم کہہ کر سنائی۔ اس کے بعد انھوں نے حشر کو دوسرے دن ملنے کے لیے کہا۔ حشر یہ سمجھے کہ کاوس جی نے انھیں بڑے سلیقے کے ساتھ ٹال دیا ہے۔ یہ غلط فہمی دور ہونے کے بعد جب وہ کاوس جی سے ملے تو انھیں الفریڈ کمپنی میں ڈراما نویس کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا اور ۳۵ روپیہ ماہانہ مشاہرہ طے ہوا۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے سب سے پہلے مرید شک (1899) لکھا جو بے حد مقبول ہوا۔ اس کے چند ماہ بعد مار آستین (1899) تصنیف کیا۔ اس ڈرامے کو بھی اسٹیج پر غیرمعمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

حشر کی مقبولیت بڑھی تو مختلف ڈراما کمپنیوں کی طرف سے انھیں ملازمت کی پیش کش کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے ڈیڑھ سو روپے ماہوار پر نو روز بی پری کی کمپنی کی ملازمت قبول کر لی۔ یہاں انھوں نے اسیر حرص 1901 لکھا۔ یہ ڈراما بھی بے حد پسند کیا گیا۔ حشر کی اس روز افزوں مقبولیت کو دیکھ کر کاوس جی کھٹاؤ نے انھیں دو بارہ ساڑھے تین سو روپے ماہانہ پر اپنے یہاں بلا لیا۔ اس بار اُن کی کمپنی کے لیے انھوں نے شہید ناز 1902 لکھا جو حسب روایت کافی مقبول ہوا۔اس کے بعد انھوں نے اڈیسر بھائی ٹھوٹھی کی کمپنی کے لیے 1906 میں سفید خون اور 1907 میں صید ہوس اور سہراب جی اُگرا کی کمپنی کے لیے 1908 میں خواب ہستی اور 1909 میں خوبصورت بلا ڈرامے لکھے جنھیں خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

ڈراما نویس کے طور پر بے حد مقبول ہونے کے باوجود آغا حشر اپنی موجودہ

حیثیت سے ذہنی طور پر مطمئن نہیں تھے۔ انھیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی کہ مالکان کمپنی ان کی تحریروں میں اپنی صوابدید کے مطابق تحریف اور کاٹ چھانٹ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد کے ایک تعلقہ دار کے اشتراک سے 1909 میں انھوں نے دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف حیدرآباد کی بنیاد ڈالی اور سب سے پہلے سہراب جی اگرا کی کمپنی کے لیے لکھا گیا ڈرامہ خوبصورت بلا اسٹیج کیا۔ اس کے بعد اگلے سال 1910 میں اپنا پہلا مجلسی ڈرامہ سلور کنگ عرف نیک پروین لکھ کر پیش کیا۔ اسی سال یہودی کی لڑکی عرف مشرقی حور بھی اس کمپنی کے اسٹیج پر دکھایا گیا۔ حیدرآباد میں مقبولیت کے ڈنکے بجانے کے بعد یہ کمپنی سورت ہوتی ہوئی بمبئی پہنچی اور یہیں ختم ہو گئی۔ اس کے بعد آغا حشر نے 1912 میں جالندھر کے بھائی گیان سنگھ کی نو تشکیل کمپنی میں پانچ سو روپے ماہ وار پر ڈرامہ نویس کی حیثیت سے ملازمت کر لی۔ لیکن جلد ہی امرتسر میں یہ کمپنی بھی بند ہوگئی۔

1913 میں آغا حشر نے اپنے ڈراموں کی اداکارہ حور بانو سے لاہور میں شادی کرلی۔ اسی زمانے میں انھیں دہلی میں ایک عوامی استقبالیہ دیا گیا جس میں انھیں انڈین شیکسپیر کے خطاب سے نوازا گیا۔ لاہور پہنچ کر انھوں نے اپنی دوسری کمپنی انڈین شیکسپیر تھیٹریکل کمپنی کی بنیاد ڈالی۔ یہ کمپنی مختلف شہروں کا دورہ کرتی ہوئی کلکتہ پہنچی۔ یہاں آغا حشر ریلوے پلیٹ فارم سے نیچے گر گئے جس کے نتیجے میں ان کے دائیں پیر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ انھیں کافی عرصے اسپتال میں رہنا پڑا۔ اسی علالت کے دوران انھوں نے بستر پر لیٹے لیٹے اپنا پہلا ہندی ڈرامہ بھگت سور داس عرف بلوا منگل لکھوایا جو ان کے چھوٹے بھائی آغا محمود شاہ کی ہدایت میں پہلی بار 1914 اسٹیج ہوا۔ اس کے بعد کمپنی کھڑگ پور، مظفر پور اور پٹنہ ہوتی ہوئی بنارس آئی۔ قیام بنارس کے دوران آغا حشر کے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی جو صرف تین ماہ زندہ رہ کر لکھنؤ میں اللہ کو پیارا ہوگیا۔ کمپنی یوپی اور پنجاب کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی لاہور ہوتے ہوئے سیالکوٹ پہنچی۔ یہاں آغا حشر اپنی زندگی کے ایک اور بڑے حادثے سے ہم کنار ہوئے۔ ان کی اہلیہ جن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی ایک طویل علالت کے بعد

1918میں لاہور میں انتقال کر گئیں۔ شریک حیات کی اس مفارقت نے آغا صاحب پر کچھ ایسے نفسیاتی اثرات مرتب کیے کہ وہ کمپنی کا سارا سامان سیالکوٹ میں چھوڑ کر بنارس چلے آئے۔ اور بہت دنوں تک یہیں آرام کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ رستم جی کی دعوت پر کلکتہ گئے اور جے ایف۔ مدن کمپنی میں ایک ہزار روپے ماہانہ پر ملازم ہوگئے۔ اس کمپنی کے لیے انھوں نے مشرقی ستارہ عرف شیر کی گرج لکھا (1918) چونکہ کلکتے کے مارواڑی عوام ہندی ڈراموں کے شوقین تھے، اس لیے آغا حشر نے اس زمانے میں بطور خاص ہندی میں لکھنا شروع کیا اور مدھر مرلی (1919) بھارت رمنی (1920) بھگیرتھ گنگا (1920) ایوم پراچین اور نوین بھارت (1921) جیسے ڈرامے لکھے اس کے بعد اردو میں ترکی حور (1922) اور ہندی میں سنسار چکر عرف پہلا پیار (1922) لکھا۔ اسی زمانے میں کلکتہ کی اسٹار تھیٹریکل کمپنی کے لیے انھوں نے بنگلہ زبان میں اپرادھی کے (1922) اور مصر کماری (1922) بھی لکھے۔ اسی کے ساتھ (1919اور 1923 کے درمیان انھوں نے مدن کمپنی کی خاموش فلموں میں اپنی اداکاری کے فن کا بھی مظاہرہ کیا۔ مدن کے لیے انھوں نے ترکی حور اور سنسار چکر عرف پہلا پیار کے بعد بھیشم پرتگیا (1923) اور آنکھ کا نشہ (1924) لکھے جنھیں زبردست عوامی مقبولیت ملی۔

شہرت اور مقبولیت کی اس بلندی پر پہنچنے کے بعد آغا حشر کے دل میں ایک بار پھر یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی کمپنی قائم کریں۔ چنانچہ 1925 میں بنارس میں دی گریٹ الفریڈ تھیٹریکل کمپنی آف کلکتہ کی بنیاد پڑی۔ اسے لے کر آغا حشر دورے پر نکلے۔ یہ کمپنی جب بہار اور یوپی کے مختلف اضلاع کا دورہ کرتی ہوئی الہ آباد پہنچی تو مہا راجہ چرکھاری نے جو ان دنوں الہ آباد آئے ہوئے تھے۔ آغا حشر سے سیتا بن واس کے موضوع پر ہندی میں ڈراما لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا حشر نے وعدہ کر لیا اور بنارس آکر اس ڈرامے کی تکمیل کی (1928) یہ ڈراما مہا راجہ کو بے حد پسند آیا چنانچہ انھوں نے اسے آٹھ ہزار روپے خرید لیااور آغا صاحب کو مع اپنی کمپنی کے چرکھاری آنے کی دعوت دی۔ وہاں انھوں نے نہ صرف آغا حشر کی

شاگردی اختیار کی بلکہ پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم کے عوض ان کی کمپنی بھی خرید لی اور آغا صاحب کو ہی اس کا نگراں مقرر کر دیا۔ یہاں سیتا بن واس کا پہلا دیوناگری ایڈیشن جس کی تعداد اشاعت صرف دو جلد تھی (ایک آغا حشر کے لیے اور ایک مہاراجہ چرکھاری کے لیے) ولسن پریس چرکھاری سے مئی 1929 میں شائع ہوا۔ کچھ ہی دنوں کے بعد کسی بات پر خوش ہو کر مہا راجہ نے کمپنی آغا حشر کو واپس لوٹا دی اور وہیں سے یہ معمول کے دورے پر کانپور کے لیے روانہ ہو گئی۔

اسی درمیان مدن تھیٹرز لیمٹڈ نے آغا صاحب کو کلکتے بلایا۔ چنانچہ وہ کمپنی کو آغا محمود شاہ کے حوالے کر کے کانپور ہی سے کلکتے چلے گئے۔ وہاں رہ کر انھوں نے مدن کی بمبئی شاخ دی امپیریل تھیٹریکل کمپنی آف باہبے کے لیے اردو میں رستم سہراب (1929) لکھا جو اسی سال اسٹیج کیا گیا۔ اس کے علاوہ کلکتے میں قیام کے اس زمانے میں انھوں نے مدن کے لیے ہندی کے تین ڈرامے دھرمی بالک عرف غریب کی دنیا (1929) بھارتی بالک عرف سماج کا شکار (1930) اور دل کی پیاس (1931) لکھے جو ہندی ڈرامے کی روایت میں ایک گراں قدر بلکہ انقلاب۔ آفریں اضافے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آغا حشر نے 1931 میں مدن کی ملازمت چھوڑ دی اور بنارس آگئے۔ یہاں ان کے پیر میں چوٹ آگئی۔ دیسی دواؤں سے کوئی افاقہ نہ ہوا تو وہ علاج کے غرض سے کلکتے پہنچے۔ اس درمیان وہ اور بھی کئی امراض میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ ماہر امراض قلب ڈاکٹر سنیل بوس کا علاج شروع ہوا۔ یہ دور سخت پرہیز کا تھا۔ ان دنوں کلکتے میں بولتی فلموں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ مدن تھیٹرز کے مینیجنگ ڈائرکٹر فرام جی نے جو پائنیر فلم کمپنی کے مالک بھی تھے، آغا حشر سے فلمی ڈرامہ لکھنے کی فرمائش کی۔ آغا صاحب نے ان کے لیے شیریں فرہاد لکھاجس میں ماسٹر نثار اور مس کجن نے بنیادی کردار ادا کیے۔ اس فلم کی مقبولیت نے دوسری فلم کمپنیوں کو آغا حشر کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ چاروں طرف سے فرمائشوں کی یلغار ہونے لگی جن کی تعمیل میں انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے فلمی ڈراما عورت کا پیار لکھا جو کافی مقبول

ہوا۔ اسی زمانہ میں انھوں نے فرام جی کے لیے مزید دو ڈرامے دل کی آگ (1931) اور شہید فرض (1931) لکھے جو مختلف وجوہ سے فلمائے نہیں جا سکے۔ ان کے علاوہ نیو تھیٹرز کے لیے یہودی کی لڑکی اور چنڈی داس ڈرامے لکھے ان کا تیار شدہ فلمیں کافی مقبول ہوئیں۔ اسی دوران مڈنس نے بھگت سورداس (1914) شرون کمار (1931) اور آنکھ کا نشہ (1924) پر ہندی میں اور ترکی حور (1922) اور قسمت کا شکار پر اردو میں فلمیں بنائیں جنھیں عوام میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔

آغا حشر کی بیماری کا سلسلہ دھیرے دھیرے طول پکڑتا جا رہا تھا لیکن وہ حوصلہ ہارنے والے شخص نہ تھے۔ اسی عالم میں انھوں نے 1934 میں اپنی فلم کمپنی بنائی اور رستم سہراب کو فلمانے کا ارادہ کیا۔ کرداروں کا انتخاب ہونے کے بعد ریہرسل ہورہی تھی کہ ایک مقدمے کے سلسلے میں انھیں لاہور جانا پڑا۔ یہاں انھوں نے اپنے دوست حکیم فقیر محمد چشتی کا علاج شروع کیا اور یہیں چند دوستوں کے مشورے پر حشر کلچرز کی بنیاد ڈال کر بھیشم پتامہ کی شوٹنگ شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انھیں کئی بار جموں اور سری نگر کا سفر بھی کرنا پڑا۔ اس مسلسل تگ ودو نے ان کی صحت پر مزید برا اثر ڈالا اور مصروفیات کے سبب حکیم صاحب کا علاج بھی باقاعدگی سے جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ اسی بیماری میں 28/اپریل 1935 کو شام کے چھ بجے ان کا انتقال ہوگیا۔ حکیم فقیر محمد چشتی نے آغا محمود شاہ کو کلکتے فون کرکے ان سے لاہور ہی میں تدفین کی اجازت لے لی اور آغا صاحب مرحوم کی وصیت کے مطابق اگلے دن یعنی ۲۹/اپریل کو دن میں میانی صاحب کے قبرستان چار برجی میں انھیں ان کی اہلیہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اس کلیات میں شامل ڈراموں کے مطالعے سے پہلے مندرجہ ذیل بنیادی باتوں کا جان لینا ضروری ہے تاکہ دوران مطالعہ پیدا ہونے والے سوالات کا تشفی بخش جواب مل سکے۔

ا۔ 'مار آستین' (1899) آغا حشر کا واحد ڈراما ہے جسے بہ ظاہر انھوں نے

اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنا کوئی ڈراما اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا۔ ان کا معمول یہ تھا کہ وہ برجستہ مکالمات بولتے جاتے تھے اور بہ یک وقت کئی منشی انھیں قلم بند کرتے رہتے تھے۔ منشیوں کے لکھے ہوئے ان مسودوں کو وہ شاید ہمیشہ دیکھتے بھی نہیں تھے۔ اور ان منشیوں کی اردو بس واجبی سی تھی اور املا ناقص۔ چنانچہ ان مسودوں میں جگہ جگہ املا کی غلطیاں موجود ہیں، جنھیں مرتبین نے درست کیا ہے۔ آغا حشر کی نظر میں ان مسودوں کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے سنسر کے لیے مقرر حاکم مجاز کہانی کو سمجھ لے کہ اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے اور کردار ادا کرنے والے ایکٹر ان کی مدد سے اپنے مکالمے یاد کرلیں۔ انھوں نے ان مسودوں کی تیاری کے دوران کبھی یہ سوچا بھی نہ ہوگا کہ ان کا استعمال انھیں شائع کرنے کے لیے بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ آغا حشر چونکہ اپنے بیش تر ڈراموں کے ہدایت کار بھی خود ہی ہوتے تھے اس لیے اکثر حالات میں انھیں مسودوں میں ہدایات اور مناظر کی تفصیل تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ جن ڈراموں میں ہدایات موجود نہ تھیں، ان میں مرتبین نے ان کا اضافہ کیاہے۔ جہاں ایسا کیا گیا ہے، اس کی نشان دہی کردی گئی ہے۔

۳۔ ایک ہی ڈارمے کے ایک سے زائد مسودے موجود ہونے کا سبب یہ ہے کہ کسی بھی شہر یا ریاست میں ڈراما اسٹیج کرنے سے پہلے اس شہر یا ریاست کے حاکم مجاز سے اسے سنسر کرانا ضروری ہوتا تھا۔ اس غرض سے ہر بار ڈرامے کی نئی نقل تیار کر کے حکام کے سامنے پیش کی جاتی تھی۔ جہاں سے مسودے پر checked and found nothing objectionable کا نوٹ لکھوا لینے کے بعد ہی اسے اسٹیج کیا جا سکتا تھا۔ بیش تر مسودوں پر یہ نوٹ موجود ہے۔

۴۔ عوامی مقبولیت حاصل کر لینے والے کسی ڈرامے کے چند شو مکمل ہوجانے کے

بعد اس میں نیاپن پیدا کرنے اور ناظرین کو اپنی طرف متوجہ رکھنے کی غرض سے اس میں کبھی بعض نئے مناظر جوڑ دیے جاتے تھے اور کبھی بعض مناظر نکال دیے جاتے تھے۔ ان مناظر کو ڈرامے سے نکال دینے کا سبب ان کی خامیاں یا کمزوریاں نہیں ہوتی تھیں بلکہ ایسا محض تبدیلی یا نیا پن پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ آغا حشر کبھی یہ کام ڈراما کمپنیوں کے مالکان کی فرمائش پر کرتے تھے اور کبھی اپنے طور پر۔ اپنے طور پر عموماً اس وقت جب وہ خود ہی کمپنی کے مالک بھی ہوتے تھے۔

۵۔ آغا حشر کا مرکز نگاہ (Target) وہ عام لوگ تھے جو اپنا پیسہ خرچ کر کے ان کے ڈرامے دیکھنے آتے تھے، وہ نہیں جو ادب کو فن لطیف کی حیثیت سے قبول کر کے اپنے اپنے گھروں میں اس کا لطف لینے کے عادی تھے۔ ڈراموں کی تخلیق کے دوران ادب ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے ان کی پوری توجہ ڈرامے کو دیکھے جانے اور ان ناخواندہ اور کم سواد ناظرین کے نقطہ نظر سے پسندیدہ اور دلچسپ بنانے پر صرف ہوتی تھی، جن کے لیے یہ ایک سہل الحصول اور سستا وسیلہ تفریح تھا۔ شعر و سخن کے شائقین اور ادب کے سنجیدہ قارئین کی خاطر اس کی نوک پلک سنوارنے سے انھیں چنداں دلچسپی نہ تھی۔ وجہ ظاہر ہے کہ تھیٹر دیکھنے آنے والوں کی اکثریت پہلے طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور انھی کی پسند پر مالی اعتبار سے کسی ڈرامے کی کامیابی کا دار و مدار ہوتا تھا۔ ناقدین کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ وہ ڈراموں میں اپنی بھرپور ادبی صلاحیت کا استعمال نہیں کر سکے۔

۶۔ اکثر ایک ہی ڈرامے کے دو مسودوں میں کرداروں کے نام بدلے ہوئے ہیں۔ بعض اوقات کرداروں کے ناموں کے ساتھ ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل کر دیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر 'آنکھ کا نشہ'' (1924) کے ایک مسودے میں کردار کالی داس، گوری ناتھ، سوہن اور کامنی ہیں۔ اس کا پس منظر بنارس ہے۔ جب کہ اسی ڈرامے کے ایک دوسرے مسودے میں

کرداروں کے نام جنگل کشور، بنی پرساد، مادھو اور کام لتا ہیں اور اس کا پس منظر کولکتہ ہے۔ ان صورتوں میں مرتبین نے بعد میں لکھے جانے والے مسودوں کو بنیاد بنایا ہے۔

۷۔ کلیات کی ترتیب میں مسودوں میں مستعمل قدیم املا کو جدید املا میں بدل دیا گیا ہے۔

۸۔ ایک ڈرامے کے ایک سے زائد ناموں سے موسوم ہونے کا سبب یہ ہے کہ آغا حشر ڈرامے میں معمولی تبدیلیاں پیدا کر کے عوام کو باور کرانے کی کوشش کرتے تھے کہ یہ ڈراما اس ڈرامے سے مختلف ہے جو وہ پہلے کسی اور نام سے دیکھ چکے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ بھی اسے دوبارہ دیکھنے آئیں جو پہلے دیکھ چکے ہیں۔ اس طرح کی تبدیلی صرف آغا حشر نے نہیں کی ہے بلکہ اس عہد کی تمام ڈراما کمپنیاں یہی کرتی تھیں۔

۹۔ آغا حشر کی ہندی اپنے معاصر اردو فن کاروں کے مقابلے میں کافی بہتر تھی۔ لیکن اردو ان کی فطری اور مادری زبان تھی۔ چنانچہ ان کے ہندی ڈراموں کو پڑھتے وقت بار بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہندی میں مکالمے لکھواتے لکھواتے یک بہ یک اردو بولنے لگتے تھے۔ پھر جیسے ہی انھیں خیال آتا تھا کہ جو ڈراما لکھوایا جا رہا ہے وہ اردو میں نہیں ہندی میں ہے تو وہ پھر ہندی کی طرف آجاتے تھے۔ لیکن یا تو اپنی عدیم الفرصتی کے باعث یا محض تساہل کی بنا پر اتنی اردو رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کچھ ناقدین کا خیال ہے کہ وہ مکمل ڈراما پہلے اردو میں لکھاتے رہے ہوں گے اور بعد میں اس کا ہندی میں ترجمہ کرتے ہوں گے۔ اس کا امکان کم ہے کیوں کہ ایسا ہوتا تو بے خیالی میں جہاں وہ فارسی آمیز اردو لکھوا گئے ہیں اسے درست ہوجانا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لیے غالب امکان اسی بات کا ہی ہے کہ وہ فی البدیہہ اور براہ راست ہندی میں ہی ڈراما لکھواتے تھے۔ یہ بات تو اب سب ہی جانتے ہیں کہ وہ ڈرامے ٹہل ٹہل کر منشیوں کو لکھوایا

کرتے تھے۔

۱۰۔ آغا حشر کے ڈرامے بلا اجازت چھاپنے والے پبلشروں نے ان ڈراموں کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ہے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ جو مکالمے یا حصے ان کی سمجھ میں نہیں آئے، ان کو اپنی طرف سے لکھ دیا ہے بلکہ اکثر ان کے ہندی ڈراموں کو کسی اچھے ہندی جاننے والے سے مشکل اور سنسکرت آمیز ہندی میں منتقل کروا کر چھاپا ہے۔ اس تعلق سے بنارس کے ٹھاکر پرساد اینڈ سنز کی مثال پیش کی جاسکتی ہے جو آغا حشر کی ناک کے نیچے یہ کام دھڑلے سے کر رہے تھے۔ آغا حشر نے ذاتی طور پر کبھی اس جانب توجہ نہیں دی۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاحشر کے جعلی ایڈیشن چھاپنے والے پبلشرز اپنے منشیوں کو آغا حشر کے لکھے ڈرامے دیکھنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، جہاں سے وہ اس کے مکالمات نوٹ کر لاتے تھے۔ یہ کام ایک ساتھ ایک سے زائد منشیوں سے کروایا جاتا تھا۔ بعد میں ان کی تحریروں کو ترتیب دے کر اور جو حصے ان کی سمجھ میں نہیں آتے تھے ان میں حسب ضرورت اصلاح کر کے یا انھیں اپنی طرف سے ازسرنو لکھ کر ڈراما شائع کردیا جاتا تھا۔ اصلاح و ترمیم کا یہ کام عموماً وہی منشی انجام دیتے تھے جنھیں نمائش کے دوران ان ڈراموں کی نقل کے کام پر مامور کیا جاتا تھا۔

۱۱۔ آغا حشر نے اپنے ہندی ڈراموں کے لیے جو گانے لکھے ہیں ان میں بیش تر فارسی وزن اور بحروں کا استعمال کیا ہے۔ البتہ جہاں جہاں انھوں نے لوک گیتوں، دوہوں یا موسیقی کی لوک دھنوں کو اپنایا ہے وہاں فطری طور پر عروضی ڈھانچہ بھی ہندوستانی ہوگیاہے۔ انھوں نے بعض ہندی الفاظ کو ان کے رائج عوامی تلفظ کے مطابق استعمال کیا ہے۔

۱۲۔ یہ معاصر ماحول میں رچی بسی انگریزی زبان کے اثرات کا نتیجہ ہے یا پھر شعوری طور پر ایسا کیا گیا ہے کہ عمومی بات چیت کے مکالموں میں، آغا حشر

نے حال استمراری (Present Imperfect) کی بجائے حال قریب (Present Indefinite) کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ اردو میں انگریزی کے اس صیغے (Tense) کا استعمال کم ہی ہوتا ہے۔ اردو میں عام طور پر 'وہ جاتا ہے' کے بدلے 'وہ جا رہا ہے' کا پیرایہ بیان زیادہ مقبول ہے۔ اور جب 'وہ جاتا ہے' کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے عادت کے اظہار کا کام لیا جاتا ہے۔ یعنی ایسی جگہوں پر اس کا مفہوم 'وہ جایا کرتا ہے' ہو جاتا ہے۔ اس کا امکان ہے کہ آغا حشر نے ڈرامے میں ایک مصنوعی فضا قائم کرنے کے لیے یہ انداز بیان اختیار کیا ہو۔

اس کلیات کی ترتیب کے دوران ہمیں مسلسل اردو کے معتبر محقق پروفیسر حنیف نقوی صاحب، سابق صدر، شعبہ اردو، بنارس ہندو یونیورسٹی کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ ہم ان کے احسان مند ہیں۔ اگر ان کی خاص توجہ نہ ہوتی تو شاید یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ ہی نہ پاتا۔ مسودوں کی تلاش، چھان بین اور انھیں ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں خانوادہ حشر کی تیسری نسل سے تعلق رکھنے والے جناب آغا نہال احمد شاہ کاشمیری نے جس طرح ہماری مدد کی ہے، اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

آغاحشر نے اردو ڈرامے کو کیا دیا اس کا تجزیہ خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انھوں نے اپنے ڈراموں کی اشاعت یا مسودوں کے تحفظ میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ وہ اسٹیج کے عاشق تھے اور ہر ڈرامے کو اسٹیج تک پہنچا کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بازاری و کاروباری نوعیت کی بعض غیرمصدقہ اشاعتوں سے قطع نظر یہ ڈرامے اپنی اصل شکل میں کبھی منظر عام پر نہیں آسکے۔ اب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔ نئی دہلی انھیں باضابطہ طور پر شائع کر رہی ہے تو یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اکیسویں صدی میں اردو ڈرامے کو آغا حشر

کی دین پر خاطر خواہ گفتگو ہو سکے گی۔ اس کام کے لیے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ صاحب اور دیگر اراکین بالخصوص ڈاکٹر روپ کرشن بھٹ اور ڈاکٹر جمیل صدیقی کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہر طرح سے تعاون کیا۔

بنارس　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　مرتبین

31/اکتوبر 2003

پراچین ایوم نوین بھارت

پراچین ایوم نوین بھارت (1921)

آغا حشر ہندی میں پہلی بار اس ڈرامے کے ذریعے اپنے اصل موضوع یعنی سماجیات کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔ انھوں نے اس میں ہندستان کی تاریخ کے تین ادوار قائم کیے ہیں اور عہد قدیم، عہد وسطی اور عہد جدید کی ایک ایک جھلک پیش کرکے تیزی سے بدلتی ہوئی معاشرتی اقدار اور تہذیبی و تمدنی بحران کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ اس کے لیے انھوں نے متقدمین میں سے شرون کمار اور راجا دشرتھ کے قصے، متوسطین میں سے شہنشاہ اکبر کی شخصیت اور متاخرین میں سے انگریزی تہذیب سے متاثر ہندستانی سماج کی ایک جھلک کو بہ طور مثال پیش کیا ہے۔

مرتبین کو اس ڈرامے کے پہلے حصے یعنی 'شرون کمار' کا ایک اور تیسرے حصے یعنی 'آج' کے دو مسودے ملے ہیں۔ اس کا درمیانی حصہ یعنی 'اکبر' آغا حشر کے دستیاب ذخیرے میں موجود نہیں اور کوشش کے باوجود اس کا کوئی معتبر یا غیرمعتبر نسخہ بھی کہیں سے دستیاب نہیں ہوسکا۔ اس لیے کلیات میں یہ درمیانی حصہ شامل نہیں ہے۔ عبدالقدوس نیرنگ نے ہندی میں شائع کردہ اپنی کتاب 'آغا حشر اور ناٹک' میں اس ڈرامے کے بارے میں مختصراً جو کچھ لکھا ہے وہ یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ اس کا خاکہ قارئین کے سامنے آجائے۔

اکبر:

(اس میں آغا صاحب نے دکھایا ہے کہ ایک آگیا کاری پتر اپنے پتا پر کیے گئے اپکار کا بدلہ کس طرح اتارتا ہے)

بادشاہ ہمایوں شیر شاہ سے ہارنے کے بعد اپنی بیگم کے ساتھ بھاگتا ہے۔ راستے میں انھیں پیاس معلوم ہوتی ہے، مگر نہ پانی پاس ہے اور نہ کہیں تلاش میں ملتا ہے۔ پیاس کی تیزی اور تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ اتنے میں ایک برہمن اپنی پتنی کے ساتھ ملتا ہے۔ جس

کے پاس کیول اپنی ضرورت بھر پانی ہے۔ برہمن اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ انھیں پانی پلاؤ۔ وہ کہتی ہے کہ پانی بہت کم ہے، ہم کیا کریں گے۔ برہمن کہتا ہے کہ اتتھی کو پانی پلانا ہمارا دھرم ہے۔ جو بھی ہو انھیں پانی پلاؤ۔ بادشاہ بیگم اور نوکر پانی پیتے ہیں۔ ہمایوں برہمن اور اس کی بیوی کا شکریہ ادا کرکے آگے بڑھتا ہے۔ کچھ زمانے کے بعد ہمایوں دوبارہ راجیہ جیت لیتا ہے مگر جلدی ہی مرجاتا ہے اور کم عمر اکبر بادشاہ بنتا ہے۔

اس وقت وہی برہمن اکبر کے دربار میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کے راج میں سب سکھی ہیں سوائے ایک بے زبان کے۔ اکبر (جو برہمن کے پانی پلانے کے اپکار سے پریچت ہے) کے پوچھنے پر کہ وہ کون ہیں، برہمن ایک بچھیا پیش کرتا ہے کہ یہی ہے وہ غریب اور اس بے زبان گئو ماتا کی ہتیا آج بھی ہورہی ہے۔ اکبر ترنت حکم جاری کرتا ہے کہ میرے راجیہ میں گو ہتیا بند۔ برہمن دھنیہ واد دیتا ہے اور جے جے کار مناتا جاتا ہے۔

(نوٹ:اس سین کا پرتیکش پربھاؤ یہ تھا کہ ہندومسلم زندہ باد، انقلاب زندہ باد کے نعروں سے تھیٹر ہال گونج اٹھتا تھا) اس طرح بیٹا اپنے پتا پر کیے گئے احسان کا بدلہ چکاتا ہے۔

'شرون کمار' کا واحد مسودہ فولز کیپ سائز کے کاغذ پر ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ مسودہ صاف اور خوش خط لکھا ہوا ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر (قدیم و جدید) ہندستان یعنی ہند گذشتہ و حال کے مذہبی، تاریخی، معاشرتی، تین دلکش نظارے۔ از آغا حشر کاشمیری اور دوسرے صفحے پر (قدیم و جدید) ہندستان، پہلا ڈراپ، شرون کمار، از آغا حشر کاشمیری لکھا ہوا ہے۔ اس میں کسی جگہ کاتب کا نام یا کتابت کی تاریخ درج نہیں ہے۔ مشمولہ متن اسی نسخے کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ اس ڈرامے کا دوسرا حصہ (اکبر) دستیاب نہیں ہوسکا۔ تیسرے ڈراپ کے دو مسودے ملے ہیں۔ ایک تو پہلے حصے کے تسلسل میں اسی کاتب کا لکھا ہوا ہے جس نے شرون کمار کا مسودہ لکھا ہے۔ یہ مسودہ بھی اچھی حالت میں ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر '(قدیم و جدید) ہندستان، تیسرا ڈراپ، آج' لکھا ہوا ہے۔ اشاعت کے لیے تیار متن اسی نسخے پر مبنی ہے۔ دوسرا مسودہ مجلد کاپی کی شکل میں ہے جس کے پہلے صفحے پر سرخ روشنائی میں 1921 لکھا ہوا ہے۔ مسودے کو دیکھنے سے لگتا ہے کہ اسے تین الگ الگ کاتبوں نے مکمل کیا ہے لیکن ان میں کسی کاتب کا نام کہیں درج نہیں۔

پراچین ایوم نوین بھارت

پہلا حصہ

شرون کمار

ناٹک کے پاتر

پُرش پاتر:

سانتنو	ایک رشی
شرون کمار	سانتنو رشی کا پُتر
جے دیو	وِدیاوتی کا بہنوئی
دشرتھ	ایودھیا کے مہاراجا

اِستری پاتر:

رشی کی پتنی	شرون کی ماں
ودیاوتی	شرون کمار کی پتنی

پہلا سین

رشی آشرم

(شرون کمار اور ودیاوتی ماتا پتا کی آرتی اُتار رہے ہیں)

ودیاوتی: جے جے ہے آنند پرکاشی۔ جے جے ہے سُکھ راشی۔

شرون کمار: تم ہی ہمرے یمنا گنگا، تم ہی پراگ اور کاشی۔

ودیاوتی: وید پاٹھ، سندھیا، تپ، بھکتی، مات پتا کی پوجا۔

شرون کمار: ایش تمھیں، جگدیش تمھیں، میں اور نہ جانوں دوجا۔

ماتا: جب تلک شرتی دھونی سے آتما رس کھان ہو۔

سانتنو: جب تلک رگ، یجُر، سام اور اَتھرو کا گن گان ہو۔

ماتا: دس دشاؤں، چار یگ، نوکھنڈ، ساتوں دویپ میں۔

سانتنو: پُتر اور پُتری تمھارا مان اور کلیان ہو۔

(جے دیو آتا ہے)

جے دیو: کنکروں میں ہیرا، کیچڑ میں موتی۔ جو اپورو سندری اِندرانی بننے کے یوگیہ تھی، وہ ایک بھکشو پُتر کی پتنی بن کر اس کے نیتر ہین ماتا پتا کا دَاسَتو کر رہی ہے اور مورکھا اسی داستو میں سنتشٹ ہے۔ (آگے بڑھ کر) سانتنو جی۔ پرنام۔

سانتنو: کون ہو بندھو؟

جے دیو: میں ہوں ودیاوتی کی بڑی بہن کا سوامی جے دیو۔

سانتھو: تم ہو۔ آؤ پُتر آؤ۔ بیٹھو— بڑا انوگرہ کیا۔

جے دیو: شرون جی۔ کیا بہرے ہو۔ پرنام کا اُتر بھی نہیں دیتے۔

شرون کمار: پریہ بندھو۔ جے جے۔ شما کرنا۔ میری چت ورتی ماتا پتا کی چرن بھگتی میں لین تھی۔ اَت ایو تمھاری آواز نہ سن سکا۔

جے دیو: بھکتی اور سیوا کی بھی سیما ہوتی ہے۔ برہما کی سرشٹی میں تمھارے سمان اور بھی تو پُتر ہیں۔ وہ اتنی سیمو پرانت پتر آرادھنا کو پاکھنڈ کہتے ہیں۔

شرون کمار: کہتے ہوں گے۔ کارن کہ جگت کے پرانی اپنے جنم داتا کو کیول ماتا پتا سمجھتے ہیں۔ کِنتو میں اپنے ماں باپ کو ساکشات لکشمی اور وشنو بھگوان کا سوروپ سمجھتا ہوں۔

بھول گیا سارا سار، بھول گیا گُن وچار، بھول گیا رنگ، روپ، گندھ، رس، آکار کو
بھول گیا بھائی متر، بھول گیا جگ چرتر، بھول گیا گھر، ساج، ریت، سنسکار کو
بھول گیا وید پُران، بھول گیا دھیان گیان، بھول گیا دھرم، کرم، پریم پراُپکار کو
بھول گیا بھوگ شوک، بھول گیان تینوں لوک، یاد رکھا ماتر پتر چرن نمسکار کو

جے دیو: تمھارے ماتا پتا تو دیو اِچھا سے اندھے ہوئے ہیں۔ کِنتو تم سویم بُدھی اَندھ بن رہے ہو۔ ودیاوتی تم کیسی ہو؟

ودیاوتی: جیجاجی جس سوبھاگیہ وتی کو ایسا پوتر سنسار، ایسے دیوتا سوروپ ساس سسر، ایسے سمست گن ندھان سوامی پراپت ہوں۔ اس سے اَدھک اور کون اِستری سکھی ہوسکتی ہے۔

ویر، دھیر، بَل ساہس مانگے، کایر چھل اور یکتی
اگیانی دھن شکتی مانگے، گیانی سورگ اور مکتی
راجا مانگے راج ساج اور بھکشو جل، پھل میوا
میں مانگوں جگدیش سے کیول ان چرنوں کی سیوا

جے دیو: ودیاوتی۔ آج پندرہ دن سے تمھاری ورِدّھ ماتا جی روگ شیّا پر پڑی ہوئی گھور یَنترنا بھوگ رہی ہیں۔ میں اُن کے انورودھ سے تمھیں بلانے کے لیے آیا ہوں۔

تمھارے واسطے ہے پران ویاکُل ہر سمے اُن کا
چلو چھاتی سے لگ جاؤ کہ ہو شیتل ہردے اُن کا

ودیاوتی: جیجاجی۔ ماتا جی کی سیوا کے لیے آپ ہیں، آپ کے کرم چاری ہیں۔ بہن ہیں۔ پڑوسی ہیں۔ کِنتو میرے ان ماتا پتا کی سیوا کے لیے میرے اَتی رکت اور کوئی نہیں ہے۔ اس لیے میں ان کے چرن چھوڑ کر کہیں نہیں جاسکتی۔

سانتنو: بیٹی۔ یدی تمھاری ماتا جی بیمار ہیں تو تمھیں جانے میں چھن ماتر بھی ولمب نہ کرنا چاہیے۔ تم ان کی سنتان ہو اور روگ شوک میں ماتا پتا کی سیوا شوشروشا کرنا سنتان کا پرتھم کرتویہ ہے۔

کرو سیوا سے سنتشٹ اپنے جیون دینے والی کو
وہی شبھ ورکش ہے جو پھول پھل دیتا ہے مالی کو

ودیاوتی: سوامی۔ پتا جی کا اُپدیش سنا۔ آپ کی کیا آگیا ہے؟

شرون کمار: پریتمے۔ پتا جی اس لوک میں ترلوکی ناتھ کا سوروپ ہیں، اس لیے تمھیں پتا کی اِچھا کو ایشوری اِچھا سمجھ کر شِردھاریہ کرنا چاہیے۔

شیگھر دینا کان کو آنند شبھ سمواد سے
جاؤ اور گودی بھرو ماتا کے آشیرواد سے

(ودیاوتی پتی اور ساس سسر کے چرن رج لے کر جے دیو کے ساتھ جاتی ہے۔ چوبدار کا پرویش)

چوبدار: رگھوکل دیپک، پرجا پال، دھرما وتار شری دشرتھ مہاراج پدھارتے ہیں۔

(دشرتھ کا سبھا سدوں اور انگ رکشکوں کے ساتھ پرویش)

دشرتھ: منی راج۔ اپنے تُچھ داس دشرتھ کا پرنام سویکار کیجیے۔

سانتنو: دھرمیشور ایودھیا نریش کا کلیان ہو۔

شرون کمار: راج اور مہاراج کی جے ہو۔

دشرتھ: شری یُت سانتنو دیو، جیسے سوریہ سے آکاش اور شیو سے کیلاش پرکاش مان ہے، ویسے ہی آپ کے لیش تیج سے میری ایودھیا نگری شوبھا مان ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ آپ اس نگری کو شونیہ کرکے پنیہ شالی تیرتھوں کی یاترا کو جارہے ہیں؟

سانتنو: ہاں ویریندر۔ اس چکشو ہین ورِدّھ کا جیون سوریہ سدیو کے لیے است ہونے کے نکٹ آپہنچا ہے۔ اَت ایو اس کی اَنتم کرنوں کے اُجالے میں مُکتی کا مارگ ڈھونڈھنے جارہا ہوں۔ ؎

ورِدّھ ہوئے وِرِدّھ ہوئے اب پران شریر میں میل نہیں ہے
دیہہ میں تیج، نہ نین میں جیوتی، دیپک میں اور تیل نہیں ہے
پگ تھر تھر کر کمپت ہو، ہر انگ اُمنگ بسار رہا ہے
کے پتھ جیون بیت گیا، یہ جُھک جُھک سیس نہار رہا ہے

دشرتھ: کِنشو مُنی ور۔ جب آپ کے داس دشرتھ کے بھنڈار میں گھوڑے، ہاتھی، پالکی، نالکی، رتھ، سپاہی، نوکر، چاکر سب پرکار کے سیوک اُپستھت ہیں، تب پھر آپ اس ورِدّھ اوستھا میں اتنی دیرگھ اور کٹھن یاترا کو بنا سواری اور ساتھی کے اکیلے کیوں جارہے ہیں؟

آپ ہی کے دان ہے سب، جو ہو اِچھا چاہیے
دھن، سواری، داس، سیوک بولیے کیا چاہیے

شرون کمار: راجیندر، ہم کسی راجا سے یُدھ کرنے، کسی دیش کی سوتنترتا چھیننے، کسی میلے یا رنگ منچ میں سوانگ بھرنے نہیں جارہے ہیں۔ میری بھکتی اُن کا دَھن، میری سیوا ان کی سیوک، میرے کندھے ان کی سواری کا رتھ اور میرے پاؤں اس رتھ کو کھینچنے والے گھوڑے ہیں۔ ؎

میں اس جیون کو ان کے پریم کا مندر بناؤں گا
میں ان کی مورتی ہردے سنگھاسن پر بٹھاؤں گا
میں ہاتھوں کے عوض پلکوں سے ان کے پگ دباؤں گا
جہاں یہ پاؤں رکھیں گے، وہاں پلکیں بچھاؤں گا

نہ دُکھ کی مجھ کو چنتا ہے، نہ سُکھ کی موہ مایا ہے
کہ کیول ان کی سیوا کے لیے یہ جنم پایا ہے

دشرتھ: رشی کمار، تمھاری پتر بھکتی کی جے ہو۔ جس پرکار دیوتاؤں میں اندر، نکشتروں میں سوریہ، پربتوں میں ہمالے، سمدروں میں شیر ساگر، ہاتھیوں میں ایراوت، ناگوں میں شیش ناگ، پکشیوں میں گروڑ، گوؤں میں کام دھینو اُتم ہے، ویسے ہی جگت کے سُپتروں میں تم سب سے اُچ اور شریشٹھ ہو۔

دھنیہ ہے وہ پُتر، جو ماتا پتا پر پران دے
ایشور ہر باپ کو تم جیسی ہی سنتان دے

شرون کمار: پوجیہ پتا جی۔ مہورت کے انوسار پرستھان کا سے آگیا، آگیا ہو تو شبھ یاترا آرمبھ کی جائے۔

سانتو: تتھاستو۔

(گانا)

(شرون کمار ماتا پتا کو کانور میں بٹھا کر کندھے پر اُٹھاتا ہے۔
سب لوگ بدھائی گاتے ہیں)

(گانا)

جے جے سپھل ہو جانا۔

دوسرا سین

جنگل

(آگے آگے ودیاوتی اور اُس کے پیچھے جے دیو بھاگتا ہوا
آتا ہے۔ ودیاوتی دھرتی پر گر جاتی ہے)

ودیاوتی: بچاؤ، بچاؤ، بھگوان، نس سہائے ابلا کو بچاؤ۔

جے دیو: گرگئی۔ ادسن ہوگئی، بھاگ دوڑ، دیکھو اس ایکانت بَن میں تو اپنے کومل شریر کو کتنی دور گھسیٹ کر لے جاسکتی ہے۔

ودیاوتی: ارے نرادھم۔ کیا اسی اتیاچار کے لیے ماتا جی کی بیماری کا جھوٹا سماد سنا کر اور میرے سرل ہردے سوامی اور ساس سسر کو سمجھا کر مجھے اپنے سنگ لایا تھا۔ کیا اسی وشواس گھات کے لیے وشواس روپی دیوتا کا روپ دھارن کرکے آیا تھا۔

جے دیو: ودّیا۔ سُن۔ شروَن سے وواہ ہونے کے پشچات جس دن تو پرتھم بار میرے گھر اپنی بڑی بہن سے ملنے آئی۔ اُسی دن سے تو میرے ہردے مندر کی دیوی اور میرا روم روم تیرے اپورو سوندریہ کا اُپاسک بن گیا ہے۔ اب تجھے اپنے ہردے سے کھرچ کر پھینک دینا تیرے پریم داستو سے مکت ہونا پورو جنم کی گھٹناؤں کے سمان تجھے بھی اس جنم میں بھول جانا میرے لیے اسمبھو ہے۔

ودیاوتی: کیا تم ایشور اور دھرم کو بھول گئے؟

جے دیو: اس ہردے میں تجھے دیکھنے سے پہلے ایشور، دھرم، سورگ، نرک، آشا، نراشا سب کچھ تھا۔ کِنتو اب تیری تیج مئی مورتی اور اگادھ پریم کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ تیرا روپ میرا ایشور، تیرا پریم میرا دھرم، تیرا درشن میرا تیرتھ، تیری مسکراہٹ میرا سورگ اور تیرا ویوگ میرا نرک ہے۔

نہ لوک کا ہے نہ پرلوک کا وچار مجھے
جگت میں چاہیے اب صرف تیرا پیار مجھے

وِدیاوتی: دیکھو دیکھو۔ تم میری بڑی بہن کے پتی ہو۔ بڑی بہن کا پتی پتا کے سمان ہوتا ہے۔

مت کرو اپنی چتا تیار اپنے پاپ سے
آگ لگ جاتی ہے دنیا میں ستی کے شراپ سے
ستیہ سے یہ پرتھوی ہے، ستیہ سے سنسار ہے
ستیہ جو بیٹی کا لے اُس باپ پر دھکار ہے

جے دیو: ودّیا۔ جس پرکار بھوجن کا سواد دانتوں کے ہونے تک ہے، ویسے ہی سنسار کے سکھوں اور بھوگ ولاس کا آنند جوانی رہنے تک ہے۔ تو اس امولیہ جوانی کو ایک بھکاری کی داسی بن کر دُکھ اور دریدرتا میں کیوں نشٹ کررہی ہے۔

اِدھر آ میں بھکارن سے تجھے رانی بناؤں گا
میں ایک ایک انگ میں سو رنگ کے زیور پنہاؤں گا
جگت جگ مگ کرے گا تیرے آبھوشن کی جیوتی سے
میں تجھ کو لاد دوں گا سونے چاندی ہیرے موتی سے

وِدیاوتی: پاپی۔ سونے چاندی کے آبھوشن کیا۔ یدی تو کُبیر کا بھنڈار بھی لاکر اِن چرنوں کے آگے ڈھیر کردے تو ایک پتی ورتا اِستری اس پر تھوک کر ٹھوکر مار دے گی۔ سُن! پتی کی بھکتی میرے شیش کا جھومر، پتی کی بانی میرے کان کا کرن پھول، پتی کا پریم میرے سینے کا چندر ہار، پتی کا وشواس میرے باہو کا اننت، پتی کی چرن سیوا میری کلائیوں کا کنگن۔ ارتھات پتی ہی میری شوبھا

اور پتی ہی میرا آبھوشن ہے۔ ـ

لالچ مت دے ستی بھلا کب پاپ کنڈ میں پھاندی ہے
نرک کا انگارا ہے سونا، کوڑھ کا دھبہ چاندی ہے

جے دیو: اری مورکھا۔ جس پتی کا وستر مرگ چھالا، جس کا جیون پر سیوا اور جس کی ورتّی بھکشا ہے۔ جس کے پاس دھن نہیں، مان نہیں، سُکھ نہیں، شانتی نہیں، سنسار کے بھوگ ولاس کی ایک بھی سامگری نہیں۔ اُس کا اتنا پریم، اس کا اتنا آدر۔ ـ

اپنا جیون اور جوانی کھو رہی ہے پیار میں
کون سا سُکھ تجھ کو دے سکتا ہے وہ سنسار میں

دریاوتی: اس سنسار میں ایک پتی ورتا استری کا سمست سُکھ اس کا پتی ہی ہے۔ پتی دھنی ہو، نردھن ہو، گیانی ہو، اگیانی ہو، پروپکاری ہو، دُراچاری ہو، راستے کا بھکاری ہو۔ کنتو استری کے لیے دیوتا کے سمان ہے۔ بلکہ ساکشات بھگوان ہے۔ ـ

تن من کا آدھار پتی ہے، جیون کا کلیان پتی
جگ کا آشیرواد پتی ہے، دیوتا کا وردان پتی
اَنّ پتی ہے، وستر پتی ہے سُکھ سمپت سمّان پتی
دھرم پتی ہے، کرم پتی ہے، جب تپ بھگتی گیان پتی
ناری کا سُکھ سوامی دیوتا جو کچھ ہے وہ پران پتی

جے دیو: کیا ایک ایشور روپی پتی کی پرشنسا کرتی ہے، یہ ہندو سماج کا گھور انیائے ہے کہ تیرے جیسی شچی اور رتی سمان سندری اِندر اور مدن سے بیاہی جانے کے بدلے ایک بدصورت کنگال سے بیاہی گئی۔ ـ

سنگ کیسا، اک بھکاری اور اک سمراٹ کا
سی دیا ہے قیمتی مخمل میں ٹکڑا ٹاٹ کا

تو جسے سوبھاگیہ کہتی ہے، ترا دُربھاگیہ ہے
تو کہاں اور وہ کہاں، اک ہنس ہے، اک کاگ ہے

ودیادتی: بس کر، بس کر، ہندو استری پربت سے کود سکتی ہے، آگ میں پھاند سکتی ہے، چھاتی پر آکاش کا وجراگھات سہہ سکتی ہے، کنتو اپنے لوک پرلوک کے سوامی، اپنے پران پتی کی نندا کبھی نہیں سُن سکتی۔

مری نظروں میں سب کچھ ہے وہ تیاگی اور جتی میرا
بھکاری ہے، بُرا ہے، جو ہے لیکن ہے پتی میرا
مرے جیون کا آبھوشن مرے دل کا نگینہ ہے
اُسی کے ساتھ مرنا ہے، اُسی کے ساتھ جینا ہے

جے دیو: مجھے آشچریہ ہے کہ سرشٹی کرتا نے تجھے چندرما کا تیج دیا، اپسراؤں کا سوندریہ دیا، پھولوں کی ہنسی دی۔ لتاؤں کی کوملتا دی، مرگ کی آنکھیں دیں، مور کی گردن دی، چیتے کی کمر دی، ہنس کی چال دی۔ پھر بدھی اور سمجھ کیوں نہیں دی۔ آرمنی آ۔ پشپ لتا کی بھانتی میری چھاتی سے چمٹ، کمل کے سمان میرے ہردے سرور کی ترنگوں میں کھیل اور بسنت سمیر کی طرح اپنے آلنگن سے میرے جیون کو سگندھت اور پرپھلت کر۔

اپنے یوون کی چھٹا اک بار میرے من میں دیکھ
کون ہے اور کیا ہے تو، آ، اس ہردے درپن میں دیکھ

ودیادتی: آہ، تو کیسا مورکھ ہے۔ ہاڑ، مانس اور رکت پر منڈھے ہوئے چمڑے کی سفیدی اور لالی کو روپ سمجھ رہا ہے۔ اِس جوانی کی بھاگتی ہوئی چھایا، اِس برسات کی دھوپ، اِس پانی کے بلبلے، اس برف کے کھلونے کے لیے اپنا انت اور امولیہ سکھ دے کر نرک مول لینا چاہتا ہے۔

جے دیو: ناری، میں اس ایکانت اور نرجن بھومی میں تجھ سے گیان بھکشا نہیں پریم بھکشا مانگ رہا ہوں۔

دیکھے گی نہ پھر آنکھ سے سورج کا اُجالا
ہوجائے گا اندھیر جو کہنا مرا ٹالا
ٹھنڈا کرو اب اس دل کو جو برسوں ہی جلا ہے
ورنہ یہ سمجھ لے، یہ چُھری ہے، یہ گلا ہے

ودیاوتی: رہنے دے، رہنے دے، یہ دھمکی رہنے دے، بھارت کی للنائیں چھری اور مرتیو سے نہیں ڈرتیں۔ ان کی رچنا اور شریر دُربل ہے کِنتو ان کی آتما اور دھرم دُربل نہیں ہے۔

کرم ویر جوناری ہے، کب مرتیو کا بھے کرتی ہے
جو جینے کا ارتھ نہ سمجھے، وہ مرنے سے ڈرتی ہے

جے دیو: اپنے ستیہ کا اتنا گرو۔ میری کامناؤں کا اتنا ترسکار — تب اپنے رکشک اور سہایک کو پکار۔

آگیا اب انت، دو میں ایک کا بلیدان دے
یا تو مجھ کو پریم دے، یا اس چھری کو پران دے

ودیاوتی: بچاؤ بھگوان۔

(زمین پر گرا کر مارنے کے لیے چھری نکالتا ہے۔ اچانک سینکوں کے ساتھ مہاراجا دشرتھ آپہنچتے ہیں۔)

دشرتھ: گھاتک، ساودھان۔

وڈیاوتی: بچاؤ۔ بچاؤ مہاراج، مجھے پران نہیں چاہیے، اس پاپشٹ سے میرا دھرم بچاؤ۔

دشرتھ: دیوی، تم کون ہو؟

ودیاوتی: ایودھیا نریش، میں سادھو رشی کی پتر ودھو ہوں۔

دشرتھ: پتا بھگت شرون کمار کی پتنی؟

ودیاوتی: ہاں مہاراج۔

دشرتھ: اور یہ نرادھم کون ہے؟

ودیاوتی: نریندر، مجھے اس کا پریچے دیتے ہوئے لاج آتی ہے۔ یہ میری بڑی بہن کا سوامی ہے۔ ماتاجی کی بیماری کا جھوٹا بہانہ بنا کر مجھے اپنے ساتھ لایا اور یہاں آکر اپنی آتما کا یہ بھیشن روپ دکھایا۔

دشرتھ: (جے دیو سے) کامی کتے، نرک کے کیڑے، کیا تو نے من میں یہ سمجھ لیا تھا کہ رگھوونشیوں کا راج نشٹ ہوگیا۔ نیائے، دھرم اور دشرتھ مر گئے۔ ایودھیا کی پرجا اناتھ ہوگئی، یدی ایسا نہیں سمجھتا تھا، تب تجھے دشرتھ کے راجیہ میں دشرتھ کی پرجا پر ایسا گھور اتیاچار کرنے کا کیسے ساہس ہوا؟

جب تلک باہو میں بل، چٹکی میں میری بان ہے
کشٹ دے میری پرجا کو، کس میں اتنی جان ہے
یہ سُکھی تو میں سُکھی ہوں، یہ دکھی تو میں دُکھی
میں پتا ہوں اور پرجا میری، مری سنتان ہے

جے دیو: (گھٹنے ٹیک کر اور ہاتھ جوڑ کے) شما، دیا اوتار، شما۔

دشرتھ: شما، شما، شما، منشیہ کے لیے ہے پشاچ کے لیے نہیں، تیرے جیسے مہادُراچاری کو شما کرنا دوسروں کو پاپاچار سکھانا ہے۔ (ایک سینک سے) اُڑا دو گردن۔

ودیاوتی: نہیں نیائے مورتی نہیں، اس پاپی کا وَدھ نہ کیجیے۔

دشرتھ: کارن؟

ودیاوتی: کارن، یہ میری بڑی بہن کا پتی ہے، اس کا جیون سماپت ہوتے ہی اُس نر پرادھنی ابلا کے بھی جیون کا انت ہوجائے گا۔

دشرتھ: کنتو۔ دیوی پاپی کو پاپ کا دنڈ دینا، یہ راجا کا کرتویہ ہے۔

ودیاوتی: ستیہ ہے راجن۔ کنتو پاپ کے پرائشچت کا اوسر دینے کے لیے پاپی پر دیا کرنا یہ بھی راجا کا دھرم ہے۔

دشرتھ: (کچھ سوچ کر) چھوڑ دو دُشٹ کو اور سانتو رشی کو کھوج کر وہ جس تیرتھ دھام میں ہوں، وہاں اس دیوی کو پہنچا دو۔

ودیاوتی: (جے دیو سے) جاؤ، پرائشچت اور پشچاتاپ سے اپنا اُدّھار کرو اور جتنا اب

تک ادھرم کو چاہتے تھے، آج سے دھرم کو پیار کرو۔
یاد رکھو دھتکار سدا سکھ چین نہیں ورابھی چاری کو
منش وہی ہے جو سمجھے ماں اور بہن پر ناری کو

(گانا)

(ودیاوتی سینکوں کے ساتھ ایک طرف اور دشرتھ اِتیادی دوسری اور جاتے ہیں)

تیسرا سین

بدری دھام

(شرون، اس کے ماتا پتا، ودیاوتی اور یاتری گن پوجا پاٹھ کرر ہے ہیں)

(گانا)

الکھ نرنجن نارائن......

یاتری گن: شری بدری دھام کی جے۔ شری بدری نارائن کی جے۔

(سب یاتری جاتے ہیں)

سانتنو: بٹیا۔ تیرے یش کیرتی کی ورڈھی ہو۔ تو نے اپنے چکشو ہین مات پتا کو اپنے کندھوں پر چڑھا کر نرجن ونوں، وشال پروتوں، بھیشن کندراؤں، پرچنڈ ندیوں، کنٹک ے مارگوں سے پری بھرمن کراتے ہوئے آریہ ورت کے پرتیک مہما ے تیرتھ کے درشن کا پنیہ پراپت کرا دیا، بٹیا تو نے اپنی سیوا اور بھکتی سے ہمارے پالن پوشن کا سمست پتری رن چکا دیا۔

شرون کمار: پتا جی، آپ کہتے ہیں، یدی میں اس کرم بھومی میں ایک لاکھ بار جنم لوں اور ہر جنم میں لاکھ لاکھ بار آپ کی سیوا کروں، تب بھی آپ کے اُپکاروں کے لاکھویں بھاگ کا بھی پرتی وان نہیں کرسکتا۔

مجھ کو چھاتی پر سُلایا اور کھلایا آپ نے
مجھ کو ہنسنا، بولنا، چلنا بتایا آپ نے

مجھ کو سونا، جاگنا، جینا سکھایا آپ نے
مجھ کو دھرم اور کرم کا رستہ بتایا آپ نے
آپ کی سیوا ہی میرا موکش اور اُدھار ہے
جو پتا سیوک نہ ہو اُس پُتر پر دھکار ہے

سادھو: پُتر۔ جس پرکار تونے پنیہ مئی نربدا، گنگا، یمنا، سرسوتی، آدی شیتروں کے پاپ ناشک جل سے ان اندھ نیتروں کو پوتر کیا، اُسی پرکار اِس اُتر کھنڈ کا پوتر جل بھی ان آنکھوں سے لگا دے۔ کداچت اس جل کا پرتاپ ان چکشوؤں کو پرکاش مان کردے۔

شرون کمار: پتا جی، سامنے ہی برف کا جھرنا بہہ رہا ہے۔ میں ابھی جل بھر کر لاتا ہوں۔

(کمنڈل لے کر جانا چاہتا ہے۔ ودیاوتی روکتی ہے)

ودیاوتی: پربھو، اس داسی کے ہوتے ہوئے آپ کیوں کشٹ سہن کرتے ہیں۔ یہ سیوا میرا دھرم ہے۔

شرون کمار: پریے۔ پانی کا جھرنا بہت اونچے استھان پر ہے۔ برف پر چل کر وہاں تک پہنچنے میں تمھیں بہت کٹھنتا ہوگی۔

ودیاوتی: سوامی، یدی میں کٹھنتا کے بھے سے پتا اور پتی کی سیوا نہ کرسکی تو پھر استری روپ میں دھرتی پر جنم لینے کا کیا لابھ ہوا۔ ابھی لائی۔

(جل لینے کے لیے جانا چاہتی ہے)

شرون کمار: ٹھہرو، میں کہتا ہوں کہ تم نہ جاؤ۔

ودیاوتی: نہیں پربھو، سیوا میرا کرتویہ ہے، آپ میرے کرتویہ سے مجھے ونچت نہ کیجیے۔

شرون کمار: اچھا جاؤ، تمھارے انورودھ سے میری چھوا آگیا دیتی ہے، کنتو میرا من آگیا نہیں دیتا۔

(ودّیاوتی جل لینے جاتی ہے)

سانگو: بٹیا، کیا تمھارے بدلے بہو جل لینے گئی۔
شرون کمار: ہاں پتا جی، وہ ہی ہٹھ کر کے گئی ہے، کیا کروں، وہ اپنی اپستھتی میں مجھے کوئی کام کرنے نہیں دیتی۔
ماتا: بٹیا، تم اس کے سیوا اُتساہ کو ہٹھ کہتے ہو۔۔

سوامی کی جو داسی ہے وہی دھرم وتی ہے
ایشور بھی ہیں پرسن جو پرسن پتی ہے

(ودیاوتی جل لے کر لوٹتے سے برف میں دھنس جاتی ہے)

ودیاوتی: ہا، ہا، ایشور، پتا جی، پران ناتھ، دھاؤ، بچاؤ، میں چلی، میں برف میں گلی۔
شرون کمار: یہ کیا، یہ کیا، پتا جی، ماتا جی، آپ کی پتر ودھو برف میں گلی جارہی ہے۔
سانگو: نارائن، نارائن، تمھارے نیائے استھان میں یہ کیا انیائے ہورہا ہے؟
ماتا: رکشا کرو نارائن۔ اَبلا کی رکشا کرو۔
ودیاوتی: سوامی، شما کرنا، میرا دُربھاگیہ ہے کہ میں آپ کی اَدھک سیوا کا سوبھاگیہ پراپت نہ کرسکی، پرنام، پران ناتھ، انتم پرنام۔

ایشور سے ہے پرارتھنا، بھوشیہ میں بھی ہو ساتھ
جب جب میرا جنم ہو، آپ ہوں میرے ناتھ

(برف میں گل جاتی ہے)

شرون کمار: ہا۔۔ وکرال مرتیو۔ دھرتی کی شوبھا اور سوندریہ کو نگل گئی، پریم پرتما برف کی بنی ہوئی مورتی کے سمان ہمالے میں گل گئی۔

یوں گئی چمن میں کہ مانو جھٹ بجے کی دھوپ تھی
اب کہاں دیکھوں گا وہ صورت جو لکشمی روپ تھی

سانگو: پربھو، پربھو، میری سُشیلا، پتنیہ مئی، نردوش ودھو کو یمراج چھینے لیے جاتے ہیں۔ کیوں اُن کے ہاتھ سے چھڑاتے نہیں۔ کہاں ہو تم کہاں ہو؟ کیوں

ساکشات روپ میں سہایتا کے لیے آتے نہیں۔

(بدری نارائن پرگٹ ہوتے ہیں)

شرون کمار: کون؟ ترلوکی ناتھ، ماتا جی، پتا جی، اپنے ہردے چکشو سے ساکشات بھگوان کے درشن کیجیے۔ بولیے شری بدری نارائن کی جے۔

بدری نارائن: بھکتو، تمھاری یاترا سپھل ہوئی، کہو کیا کامنا ہے؟

سانتنو: ترلوکی ناتھ، میری پتر ودھو نے کبھی پر پُرش کو کو درشٹی سے نہیں دیکھا جھوٹ نہیں بولا، ستی دھرم اور پتی سیوا کا پری تیاگ نہیں کیا، پھر ایسی پروپکارنی اور سداچارنی دیوی کی اکال مرتیو کس کارن ہوئی؟

جگ میں ہر جھوا یہ جس کے ستیہ کا گُن واد تھا
اُس ستی کی یہ گتی، کیا دوش، کیا اَپرادھ تھا

بدری نارائن: پتی کے روکنے اور آگیا نہ دینے پر بھی وہ ہٹ کرکے جل لانے چلی گئی، یہی پتی آگیا کا اُلنگھن کرنا اُس کا اَپرادھ تھا، اور اسی اَپرادھ کے لیے اُسے مرتیو دنڈ دیا گیا۔

شرون کمار: سرشٹی ناتھ، جب ایک نشپاپ دیوی کو بھول سے پتی آگیا کا اُلنگھن کرنے کے لیے پران دنڈ بھوگنا پڑا، تو وہ استریاں، جو اپنے کرتویہ کو وِسرجن کرکے رات دن پتی آگیا کا اُلنگھن کرتی رہتی ہیں۔ اُن کی کیا دشا ہوگی؟

بدری نارائن: اُن کے لیے یہاں دھتکار اور وہاں نرک ہے۔

موکش کی یہ لوک کیا ترلوک میں یُکتی نہیں
دھرم پتنی کی، پتی سیوا بنا مُکتی نہیں

سانتنو: بھگون، جیسے آپ کی مہما کا انت نہیں، ویسے ہی آپ کے اس پوتر تیرتھ استھان کے پنیہ پرتاپ کی بھی سیما نہیں ہے، جب اس تیرتھ کے درشن سے پاپ میں ڈوبا ہوا آتما بھوساگر سے پار ہوجاتا ہے۔ اَدھم سے اَدھم اور پاپشٹ سے پاپشٹ کا جنم ماتر میں اُدھار ہوجاتا ہے، تب میری پرارتھنا ہے

کہ میری ودھو کو بھی سورگ دھام پراپت ہونا چاہیے۔
بدری نارائن: اوشیہ ہوگا، جن پرانیوں کی کسی تیرتھ اتھوا دیو استھان میں مرتیو ہوتی ہے وہ بڑے بھاگیہ شالی ہیں، شریر تیاگتے ہی سمست پاپ بندھنوں سے مکتی پاتے اور سیدھے سورگ دھام کو جاتے ہیں۔

چھوڑ کر دھرتی پہ اس دھرتی کے سُکھ اور شوک کو
وہ چلی دیکھو ستی کی آتما اُس لوک کو

(وِمان میں ودیاوتی آکاش کو جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے)

چوتھا سین

ایودھیا پُری کے پاس ایک جنگل

(مہاراجا دشرتھ کا پردھان اور سینکوں سہت پرویش)

دشرتھ: نشچے، میری راجیہ سیما کے اندر نواس کرنے والے منشیہ اور پشوپکشی دونوں ہی میری پرجا ہیں، اس نمت دونوں میں سے دُربل اور اہنسک میری دیا کے پاتر اور دُراچاری تتھا ہتیا کاری میرے ونڈ کے یوگیہ ہیں۔ آج ایک ماس سے ان جنگلی جیلوں نے اپنے اُتپات اور پران گھات سے اس اور کے پتھکوں اور گرام واسیوں کو بھے بھیت کررکھا ہے۔ ان دشٹوں کا دَمن کیے بنا پرجا سُکھی نہیں ہوسکتی اور جہاں کی پرجا سُکھی نہیں وہاں کا راجا بھی سکھی نہیں ہوسکتا۔

پردھان: نشچے۔ انّ داتا۔

دشرتھ: میں آج اِن نرہنسک پشوؤں میں سے ایک کو بھی جیوت نہ چھوڑوں گا۔ چلو پُنہ آکرمن کرو۔

جہاں تک اُن کے بدن سے نہ ہوں گے پران الگ
نہ ہوگا کرسے دَھنُش اور دھنش سے بان الگ

(سب جاتے ہیں، شرون اپنے اندھے ماتا پتا کے ساتھ آتا ہے)

شرون کمار: ماتاجی، پتاجی، پرم پتا ایشور کا دُھن واد کیجیے، آریہ ورت کے سمست مہاشالی تیرتھوں کا درشن کرکے ہم اپنی جنم بھومی میں آگئے۔

سانتھو: بٹیا، ہم اس سمے کہاں ہیں؟

شروَن کمار: ایودھیا نگری سے بیس کوس اُدھر سریوندی کے تٹ پر — آہا، ایک اور مہاراجا دشرتھ کی راجدھانی کا مارگ نظر آرہا ہے اور دوسری اور بہتی ہوئی چاندی کے سمان ماتا سریو کا نِرمل جل لہرا رہا ہے۔

ماتا پتا: پرنام جننی جنم بھومی، تمھیں کوٹ کوٹ پرنام۔

شروَن کمار: ہے شرومنی ایودھیا، ہے پنیہ شالی نگری، ہے مانیہ ورما تر بھومی، شروَن اپنے ماتا پتا کے سوا کسی کو اپنی بھکتی کے یوگیہ نہیں سمجھتا، کنتو تیرے چرنوں پر اپنا شیش نواتا ہے، کارن کہ تو اس کے جنم داتاؤں کی جنم داتا اور اس کے ماتا پتا کی بھی پوجیہ نیہ ماتا ہے۔

دَھنیہ وہ ہر روم سے کرتا ہے جو سمرن ترا
تیرتھوں میں سب سے اُتّم تیرتھ ہے درشن ترا
جب تلک جیون ہے اس جیون میں تیرا پیار ہو
میری جننی، ماتر بھومی، تیری جے جے کار ہو

ماتا: وَتس۔ بہت دیر سے پیاس لگی ہوئی ہے، سریو سمیپ ہے تھوڑا جل لا دے۔

شروَن کمار: ماتا، آپ اِس ورکش کے نیچے وشرام کیجیے۔ میں دوڑا ہوا جاتا اور جھاری میں جل بھر کر لاتا ہوں۔

سانتھو: کنتو بٹیا شیگھر لوٹنا۔ کارن، تم کو نکٹ نہ پانے سے پنجرے میں پھنسے ہوئے پکشی کے سمان میرے پران دیہہ میں پھڑکنے لگتے ہیں۔

شروَن کمار: پتا جی، آپ کو ایک چھن سے اَدھک پرتیکشا نہ کرنی پڑے گی۔

(ماتا پتا کو ورکش کے نیچے بٹھا کر جل لانے جاتا ہے)

گانا

پرتھم دھرم ماتا پتا کی پوجا....

پانچواں سین

سریو ندی کا تٹ

(راتری کا سمے، شرون سریو کے تٹ پر جھاری میں جل بھرتا ہے۔ مہاراجا دشرتھ پانی بھرنے کی کل کل دھونی سن کر یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی پشو پانی پی رہا ہے۔ شبد بھیدی بان مارتے ہیں شرون گھایل ہوکر گر پڑتا ہے۔)

شرون کمار: آہ، ایشور، یہ کون تھا ہتیارا، جس نے ایک نردوش کو بان مارا۔

(مہاراجا دشرتھ کا دھنش بان لیے پرویش)

دشرتھ: میرا شبد بھیدی بان نشچے لکشیہ پر پہنچا ہوگا، کدھر ہے شکار؟

شرون کمار: ہائے مرتیو، تو نے اتنی بھی دیا نہ کی کہ میں اپنی ماتا کی انتم سیوا کرلیتا۔

مات کردینا شما اَپرادھ اپنے داس کا
موت کے دُکھ سے اَدِھک دُکھ ہے تمھاری پیاس کا

دشرتھ: یہ کس کی ہردے وِدارک دھونی ہے؟ کون بولا؟ (شرون کو گرا ہوا دیکھ کر) ہے ایشور، یہ میں نے کیا اتیاچار کیا، پشو کے دھوکے میں منشیہ کا شکار کیا۔

نہ کچھ بھی دیکھ سکا نیتر ایسے پھوٹ گئے
یہ ہاتھ جن سے چلا بان کیوں نہ ٹوٹ گئے

(نکٹ جاکر پہچانتا ہے)

دشرتھ: کون؟ یہ کون؟ رشی کمار شرون۔

شرون کمار: کون؟ ایودھیا نریش مہا راجا دشرتھ، نریندر پرنام۔

دشرتھ: گیا، گیا، دھرم، کرم، پنیہ، یش، پرتاپ، ایک نردوش کی ہتیا کے کارن سب گیا۔ ایودھیا کا راجا اپنے جیون کے سمست پنیہ رتن کھوکر آج بھکاری ہوگیا۔ شرون، رشی پتر، مجھے شما کرو۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی ہنسک پشو سریو کے تٹ پر پانی پی رہا ہے، جل کی کل کل دھونی پر شبد بھیدی بان چلایا۔ جس کا یہ بھیشن پرینام نظر آیا۔

نہ کیوں نرنے کیا پہلے نہ پاگل تھا، نہ بچہ تھا
میں اس پران ہتیا سے پورو مرجاتا تو اچھا تھا

شرون کمار: مہاراج برہما کی لیکھنی نے میری مرتیو اسی پرکار لکھی تھی، مجھے اپنی مرتیو کا نہیں، کیول اس بات کا شوک ہے کہ میرے ورِدّھ ماتا پتا کے دیہہ میں شکتی اور نیتروں میں اُجالا نہیں ہے، میرے پشچات اُن کا کوئی سنبھالنے والا نہیں ہے۔

کانپتے باہو کا بل ٹوٹے ہردے کی آس تھا
میں ہی بٹیا، میں ہی بندھو، میں ہی اُن کا داس تھا
وہ بھی مرجائیں گے جب جاتا رہا میں پران سے
تین ہتیائیں ہوئی ہیں آپ کے اک بان سے

دشرتھ: سچ کہتے ہو رشی پتر، سچ کہتے ہو۔ جس ہاتھ اور جس بان سے میں نے دھرم کی، دیش کی، برہمنوں کی، گئوؤں کی، اناتھوں کی، دُربلوں کی رکشا کی۔ آج اُسی ہاتھ اور اُسی بان سے وہ پاپ کیا جس سے سینکڑوں ہَوَن، ہزاروں یگیہ، لاکھوں برس کا تپ بھی دنڈ سے نہیں بچا سکتا۔

گنوایا جنم بھی اور موکش کا سہارا بھی
ڈبو دی ناؤ بھی اور کھو دیا کنارا بھی
رہا للاٹ یہ میرے کلنک کا ٹیکا
نہ دھو سکے گی یہ دھبہ سمدر دھارا بھی

شرون کمار: آہ، اندھیرا پھیلتا جاتا ہے۔ سانسارک وستوئیں دھندلی ہوکر اندھکار میں لین

ہوتی جاتی ہیں، مہاراج میں اپنے ترشت ماتا پتا کے لیے سریو سے جل بھرنے آیا تھا۔ وہ تھوڑی دور پر ایک ورکش کے نیچے بیٹھے ہوئے پاؤں کی آہٹ پر کان لگائے میرے جل لے کر لوٹنے کا راستہ دیکھ رہے ہوں گے، انھیں تھوڑا جل لے جاکر پلا دیجیے اور ساتھ ہی میرے مرتیو کا سمواد اور میرا انتم پرنام پہنچا دیجیے۔ ؎

کہہ دینا اُن سے جنم مرن کیول اک کھیل کہانی ہے
اک لہر اُٹھی، اک لہر مٹی، یہ دنیا بہتا پانی ہے
سب پُنیہ پراپت کیا اُس نے ترلوک کا لیش وہ جیت گیا
نج مات پتا کی سیوا میں جس پُتر کا جیون بیت گیا

ہا— ایشور— پتا ماتا— پرنام۔ پرنام۔

دشرتھ: مرگیا—ہا—چلا گیا۔ سورگ کا دیوتا جو شرون کا روپ دھارن کرکے جگت کو پُتر دھرم اور پتر بھکتی کی شکشا دینے آیا تھا، اپنے آدرش جیون کا اُچ اُداہرن چھوڑ کر چلا گیا، دھرم کی گود خالی ہوگئی، کرتویہ سنسار شونیہ ہوگیا۔ شرون۔ شرون۔ ؎

یہ پہلا دن ہے جب تم کو وِنکھ سیوا سے پاتے ہیں
اُٹھو ہے بھکت اُٹھو تم کو پتا ماتا بلاتے ہیں
نہ پشچاتاپ ہو دیکھو ہے سیوا کا کھوتے ہو
بتاؤ کب کے جاگے تھے جو ایسی نیند سوتے ہو

سانتنو: (نیپتھیہ سے) شرون، بٹیا شرون۔

دشرتھ: نیتر ہین ماتا پتا اپنا کھویا ہوا ہردے رتن ڈھونڈھ رہے ہیں، اُٹھوں، چلوں، انھیں سانتونا دوں، سانتونا— سانتونا— پاپی ہتیارے دشرتھ، ان کے پران کی جیوتی، ہردے کا بل، جیون کا سُکھ اُپہرن کرکے، انھیں سانتونا دے گا— کس پرکار دے گا؟ کن شبدوں میں دے گا؟...... کیا کروں...... شرون کی اِچھا نوسار جل لے کر جانا ہی ہوگا— پَیرو بڑھو، کیوں، کیوں...... کیوں...... رکے کیوں؟ دیکھو...... دیکھو دیو، نر، کنّر، گندھرو، پشو، پکشی، اگنی، جل، وایو، دیکھو،

پاپ منشیہ کی آتما کو کیسا شکتی ہین کردیتا ہے۔ دشرتھ کے وہ پاؤں جو تلواروں کی جھنکار، بانوں کی بھرمار، مرتیو کی بوچھار میں بھی سرشٹی نیم کے سمان درڑھ اورنش کمپ رہے۔ وہی آج پاپ کے بھے سے ترن کی بھانتی کانپ رہے ہیں۔ ـ

اب میں سمجھا ہے وہیں شکتی جہاں ست کرم ہے
دیہہ کا بل پران ہے اور پران کا بل دھرم ہے

(شرون کے ماتا پتا شرون کو ڈھونڈھتے ہوئے آتے ہیں)

سانتنو: سریو تو سمیپ ہی ہے، پھر شرون ابھی تک جل لے کر کیوں نہیں لوٹا۔ آہ یہ کیا؟ مانو کسی نے چھاتی پر گھونسا مارا۔

ماتا: سوامن، میرا ہردے بھی آندھی میں کانپتے ہوئے پتے کے سمان دھڑدھڑ کررہا ہے، ایسا ودِت ہوتا ہے کہ چھن ماتر میں کلیجہ اُچھل کر مُکھ سے باہر نکل پڑے گا۔

سانتنو: نہیں سہن کرسکتا، اُدھک ویوگ نہیں سہن کرسکتا، کہاں ہو؟ کہاں ہو؟ میرے دلارے شرون...... میرے پیارے شرون کہاں ہو؟ ـ

مرے بچے، مرے لال آ، کہیں دُکھ سے نہ مرجاؤں
نہ شکتی ہے، نہ جیوتی ہے، کہاں ڈھونڈوں، کدھر جاؤں

دشرتھ: ہردے میں پرلے مچا ہوا ہے۔ پہاڑ سے رُکی ہوئی ندی کے سمان، نہ آگے بڑھ سکتا ہوں۔ نہ پیچھے ہٹ سکتا ہوں۔

سانتنو: کس کے پیروں کی آہٹ، بٹیا شرون، کیا تو آگیا؟

ماتا: بچے، اتنی دیر کیوں کی؟— ہیں۔ تو بولتا کیوں نہیں۔

دشرتھ: (کانپتے کانپتے آگے بڑھتے ہیں) جل اُپستھت ہے۔ پیجئے۔

ماتا: یہ کس کا کنٹھ سور— یہ تو میرے شرون کی آواز نہیں ہے۔

(دشرتھ جل دیتے ہیں۔ سانتنو جل لے کر دشرتھ کا ہاتھ ٹٹولتے ہیں)

سانتنو: یہ ہاتھ بھی میرے پُتر کے نہیں ہیں۔

دشرتھ: (آنسو پونچھ کر) ترشنا بجھایئے۔

سانتنو: (ایک گھونٹ پی کر) یہ کیا؟۔ یہ کیا؟ تو ہمیں کیا پلانے لایا ہے؟ منشیہ کا رکت؟ جل کے بدلے لہو (جل پاتر پھینک کر) پاپی۔ ادھمی، سچ بول، تو کون ہے؟

دشرتھ: ستیہ ہی بولوں گا، پریکشا میں، بھے میں، سنکٹ میں، یتر ناؤں میں بھی سوریہ ونشی جھوٹ نہیں بولے، میں بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ منی ور، میں تمھارا پتر نہیں، تمھارا داس دشرتھ ہوں۔

ماتا: کون؟ ایودھیا کے سمراٹ دشرتھ؟ مہاراج آپ جل لے کر کیوں آئے؟ میرا پتر شرون تو کشل ہے؟

سانتنو: بولیے، بولیے، ایودھیا نریش شیگھر بولیے۔ میرے سمست آشیرواد کا ادھیکاری میرا آگیا کاری پتر کہاں ہے؟

دشرتھ: رشی ور مجھے شما کرو، اٹھو اپنی کرودھ اگنی سے بھسم کردو، پشو کے بھرم میں میرے شبد بھیدی بان سے تمھارے نردوش پتر کی......

دونوں: (گھبرا کر) کیا ہوا؟

دشرتھ: ہتیا ہوگئی۔

ماتا: ہائے میرا بچہ۔

(مورچھت ہوجانا)

سانتنو: ہائے میرا شرون۔

(مورچھت ہوکر گر جانا)

دشرتھ: آنکھو، تم کیسی نردئی اور پاشانی ہو، یہ دُکھ دایک درشیہ دیکھ رہی ہو، پھر بھی آنسو بن کر بہہ نہیں جاتیں۔

سانتنو: (دھیرے دھیرے چیتن ہوکر) دشرتھ، دشرتھ، سوریہ ونش کے راکشس، رگھوکل کے کلنک، تم نے یہ کیا کیا، کیا تم نہیں جانتے تھے کہ جوانی کی آشا، بڑھاپے کا

سہارا، روگ کی دوا، ہردے کی ٹھنڈک، پران کی شانتی، جیون کا سمست سکھ اور سمست آشیرواد وہی ایک ماتر پُتر تھا۔ تم نے ڈاکو کی طرح ہمارا سب کچھ ہم سے کیوں چھین لیا؟ تم نے مہاماری کی طرح، دُربھکش کی طرح، مرتیو کی طرح، پرلے کی طرح نردئی اور نشٹھر بن کر ہمارا سروناش کس لیے کردیا۔ لو — لو — جس کٹھورتا سے، جس ہاتھ سے، جس بان سے، میرے بچے کا پران لیا ہے اُسی سے اندھی اندھے کا بھی پران لے لو۔

اسی سینے کا تھا وہ رتن، لو برماؤ سینے کو
انگوٹھی بھی نہ چھوڑو، توڑ ڈالا جب نگینے کو

دشرتھ: رشی ور۔ میں جانتا ہوں کہ آگ پھینکتے ہوئے جوالا مکھی پروت کے سمان پُترشوک سے جلتا ہوا ماتا پتا کا ہردے کسی پرکار شانت نہیں ہوسکتا، پھر بھی میں ہاتھ جوڑ کر ونتی کرتا ہوں کہ شانت ہوجیے اور آج سے دشرتھ کو اپنا شرون سمجھیے۔ میں اپنا سامراجیہ، مان، دھن، سکھ، سب کچھ تیاگ کر پُتر کے سمان آپ کے جوٹھے برتن مانجوں گا، دھوتیاں نچوڑوں گا۔ چرن دباؤں گا۔ اپنا سمست جیون آپ کی پگ سیوا میں بتاؤں گا۔

ماتا: سیوا — سیوا — پترگھاتک اتیاچاری، جو ہاتھ پیارے شرون کے لہو سے بھرے ہوئے ہیں تو انھیں ہاتھوں سے ہماری سیوا کرے گا، انھیں رکت رنجت ہاتھوں سے ہمارے اشانت ہردے کو شانتی دے گا۔

جب پُتر نہیں کچھ بھی نہیں مات پتا میں
ہم تینوں کو تُو پھونک دے آج ایک چِتا میں

سانتو: دشرتھ — دشرتھ — کیا یہی تمھارا گورو ہے، یہی تمھارا راجیہ کرتویہ، یہی تمھارا مانسک دھرم تھا؟ کیا میرے بچے کی ہتیا کیے بنا تمھارا نام ترلوک میں اجرامر نہیں ہوسکتا تھا؟ کیا ہمارے سنسار کو نرک بنائے بنا تم سورگ پراپت نہیں کرسکتے تھے؟ ہائے تو راجا میں بھکاری، تو بلوان میں دُربل، تو دھنی میں نردھن، تیرے پاس سب کچھ تھا اور ہمارے پاس ایک ماتر پُتر کے سوا اور

کچھ نہ تھا، وہ بھی چھین لیا، راجا روپی لٹیرے تو نے وہ بھی چھین لیا۔ لے چل، لے چل، میرے پُتر کے مرت شریر کے پاس مجھے لے چل، ہم دونوں اندھی اندھے انتم بار اُسے چھاتی سے لگائیں گے اور اُس کا سر اپنی گود میں لے کر بھڑکتی ہوئی چتا میں اُسی کے ساتھ بھسم ہوجائیں گے۔

دشرتھ: کیسا آشچریہ، اتنا دُکھ، اتنی یتنا، پھر بھی میں نہ مرتا ہوں اور نہ پاگل ہوتا ہوں، رشی در آیئے، دیوی چلیے، یہ ہے۔

ماتا: دو، دو، وہ کومل شریر ایک بار میری گود میں دو، (شرون کی لاش کو گود میں لے کر) میرا لال، میرا بچہ، میرا شرون۔

سانتو: بٹیا۔

ہمیں آشا تھی مرنے پر مرتک کریا کرو گے تم
خبر کیا تھی کہ ہم جیتے رہیں گے اور مرو گے تم
پربھو تھا کون سا اَپرادھ مجھ قسمت کے ہیٹے کا
کہ گودی میں لیے بیٹھا ہوں سر آج اپنے بیٹے کا

دشرتھ: آہ، کیسا سنتاپ؟ کیسا ولاپ؟ کیا کروں؟ ان کے ٹوٹے ہوئے ہردے کو کیسے جوڑوں؟ ان کی آنکھوں سے بہتی ہوئی جل دھارا کو کس طرح سکھاؤں۔ روکو، روکو منی ور، اس دکھ کی آشرو ورشا کو روکو، نہیں تو ان آنسوؤں میں دشرتھ، دشرتھ کا راجیہ، دشرتھ کا ونش، سب ڈوب جائے گا۔ دیا کرو دَیا کرو۔

کردیا دُربھاگیہ اور اُنماد نے اندھا مجھے
تم دیالو، میں بھکاری دو شما بھکشا مجھے

سانتو: ایک نردوش برہمن اور برہمنی کو پُتر ہین، آشاہین، شانتی ہین کرکے شما مانگتے ہو، ہم دکھیوں کے دُکھ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہو، دشرتھ تمھارے گھر میں بھی کوئی کل دیپک ہوتا، تمھاری گود میں بھی کوئی بٹیا ہوتا، تب تم پُتر کے سنیہہ اور ماتا پتا کی ماتا کو سمجھ سکتے، سن، اپنا بھیشن بھوشیہ سُن۔ جس پرکار اس بڑھاپے میں ہردے سے ہاہاکار اور مکھ سے پُتر پُتر کی پکار کرتے ہوئے آج

پُتر دیوگ میں ہماری مرتیو ہوتی ہے۔ اُسی پرکار وردّھ اوستھا میں اپنے سب سے اُدھک سداچاری اور آگیاکاری پُتر کے ویوگ میں تِل تِل کر تیری بھی مرتیو ہوگی۔ ۔

بیوہار بدل جائے، سنسار بدل جائے
برہما کی سرشٹی کا آکار بدل جائے
سنتوش سے پر تیرا سنتاپ نہ بدلے گا
نکلا ہے جو اِس مکھ سے وہ شراپ نہ بدلے گا

شروِن، شروِن، شروِن۔

(مرجاتا ہے)

دشرتھ: دوسری ہتیا، پُتر کے بعد ابھاگے پتا کی ہتیا۔

ماتا: کیا کہا! کیا کہا! ہتیا؟ کیا میں پُتر کی طرح اپنے پتی سے بھی بچھڑ گئی، کیا میری مانگ اور کوکھ دونوں اُجڑ گئی، دشرتھ تم نے میرے سوبھاگیہ کا ناش کیا ہے، پرنتو ایک دن نشچے تمھارے سکھ سنتوش کا بھی سروناش ہوگا۔ سنو، میرا شراپ بھی سنو، جس پرکار میرے پتی اور پُتر کے مرتک شریر بنا کریا کرم کے سریو تٹ پر پڑے ہوئے ہیں، اُسی پرکار تمھارے مرتک شریر کا بھی ایودھیا میں ٹھیک سے پر اگنی سنسکار نہ ہوگا، یہ شراپ ایک ستی کا شراپ ہے، جس سے کسی طرح اُدّھار نہ ہوگا۔ ۔

رک رہا ہے دم، پھٹا جاتا ہے اب سینہ مرا
پُتر اور سوامی نہیں تب ویَرتھ ہے جینا مرا

(ماتا بھی مرجاتی ہے)

دشرتھ: آہ۔ تیسری ہتیا، ستی بھی مرگئی، اوہ کیا پرتھوی میں بھوکمپ نہیں، پربتوں میں پتھر نہیں، آکاش میں بجلی نہیں، نرک میں پرچنڈ اگنی نہیں، ناش کردو۔ ناش

کردو۔ جگت کی شکتیوں اس سنسار سے نرگھاتک دشرتھ کا ناش کردو۔

جس طرف میں دیکھتا ہوں، دُکھ کا ہاہاکار ہے
آج سے میرے لیے شمشان یہ سنسار ہے
جیو جنتو، پرتھوی، آکاش، جل، اگنی، پون
کہہ رہے ہیں سب کے سب دِھکّار ہے دِھکّار ہے

کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ کس کی شرن لوں؟۔

ہے دیا مے آپ ہی کیجیے نوارن پاپ کا
اک طرف ہے نرک کا بھے، اک طرف ڈر شراپ کا

(وشنو بھگوان پرگٹ ہوتے ہیں)

وشنو: دشرتھ، یہ شراپ نہیں، رشی کا آشیرواد تھا، لنکاپتی راون کا اُدھرم اور انیائے سہتے سہتے دھرتی اور دیوتا دونوں اُتمت ہوکر مجھ سے سہایتا کی پرارتھنا کررہے تھے۔ اس شراپ کے دوارا پرتھوی کے پرانیوں اور تمھارے سوریہ ونش کا اُدھار ہوگا، تھوڑے دنوں کے پشچات بھاگیہ شالی کوشلیا کی گود میں شری رام کے نام سے میرا اوتار ہوگا۔

آگمن سے میرے گن گائیں گے دشرتھ نام کا
روپ میں وشنو کے لو درشن کرو شری رام کا

(وشنو رام روپ میں پرگٹ ہوتے ہیں)

دشرتھ: شری رام اوتار کی جے۔

—سماپت—

پراچین ایوم نوین بھارت

دوسرا حصہ

اکبر

نوٹ

اس ناٹک کا دوسرا حصہ آغا حشر کاشمیری کے ذخیرے میں موجود نہیں ہے،
غالباً اس حصے کا نام اکبر ہی تھا۔

(یعقوب یاور)

پراچین اِیوم نوین بھارت

تیسرا حصہ

آج

ناٹک کے پاتر

پُرش پاتر:

1۔	روی شنکر	پرانے خیالات کا بوڑھا دھنی
2۔	پربھا شنکر	ولایت سے تعلیم پایا ہوا روی شنکر کا لڑکا
3۔	رام سیوک	پربھا شنکر کا پرائیویٹ سکریٹری
4۔	ڈاکٹر	پراچین سبھیتا کا ماننے والا اناتھالے کا پرمکھ
5۔	جے رام	ایک نردھن
6۔	مسٹر وِلسن	ایک یوریشین

اِستری پاتر:

1۔	رادھارانی	پربھا شنکر کی بیوی
2۔	مالتی	پربھا شنکر کی بہن
3۔	تارا	جے رام کی بیوی
4۔	موہنی	جے رام کی لڑکی
5۔	چندر کنور	نائیکہ

پہلا سین

روی شنکر کا مکان

(رادھا رانی ہار گوندھ رہی ہے اور اُس کی چھوٹی نند مالتی پاس
پاس میں کھڑی ہے)

— گانا —

مالتی: بھابھی، آج کیا کوئی تہوار کا دن ہے؟

رادھا: تہوار!

مالتی: ہاں، جنم اشٹمی، ہولی، دیوالی، دشہرا، کیا ہے جو آج گھر بھر کی صفائی اور سجاوٹ ہورہی ہے؟

رادھا: جانتی نہیں؟ ایشور رکھے، اب تو سیانی ہوگئی نا، یہ سب تیرے وِواہ کی تیاریاں ہیں۔

مالتی: نہیں نہیں، کچھ دال میں کالا ہے، میری اچھی بھابھی، بولو نا کون آنے والا ہے؟

رادھا: میں کیا جانوں، جا اپنے دادا سے پوچھ۔

مالتی: دادا تو کہتے ہیں، جا اپنی بھابھی سے پوچھ۔

رادھا: جھوٹی کہیں کی، ہٹ مجھے ہار گوندھنے دے۔

مالتی: خوشی سے گوندھو لیکن یہ تو بتاؤ کہ اِن سُندر سُندر ہاتھوں سے سُندر سُندر پھولوں کا ہار گوندھ کر کسے پہناؤ گی؟

رادھا: (ہنس کر) تیرے دولھا کو۔

مالتی: ہوں، میرے دولھا کو یا اپنے دولھا کو۔

رادھا: مالتی، تو بڑی لُچّی ہوگئی ہے۔

(اُس کا کان پکڑ کر گال پر دھیرے سے طمانچہ مارتی ہے)

مالتی: اجی میں جانتی ہوں، جس کے لیے ہار بن رہا ہے۔ آج بھیّا ولایت سے بالسٹر بن کر آرہے ہیں......(رادھا اُس کے منھ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) کیوں پتی کی سن کر شرماتی ہو۔

— گانا —

رادھا: چپ چپ۔ داداجی آرہے ہیں۔

(بوڑھا روی شنکر آتا ہے)

روی شنکر: بیٹی رادھا۔

رادھا: (گھونگھٹ نکال کر) جی پتا جی۔

روی شنکر: پربھا شنکر آج شام کو سات بجے کی میل ٹرین سے آجائے گا، ڈرائیور کو کہلادو کہ موٹر چھ بجے تیار رکھے۔ مجھے تھوڑی دیر پہلے اسٹیشن پہنچ جانا چاہیے۔

رادھا: جو آگیا۔

(مالتی کے ساتھ جاتی ہے)

روی شنکر: اوہ پانچ برس پانچ یگ کے سمان بیتے ہیں۔ آج پُتر ویوگ سے جلتا ہوا ہردے ٹھنڈا ہوگا۔

(مالتی دوڑتی ہوئی دوبارہ آتی ہے)

مالتی: دادا، دادا، تم تو بمبئی کا تار پڑھ کر کہتے تھے کہ پربھا شنکر بھیا رات کی ڈاک گاڑی سے آئیں گے۔ مگر وہ تو آبھی گئے۔

روی شنکر: کیا! کیا!! پربھا آگیا، تب تو مجھے تار پڑھنے میں بھول ہوئی۔

مالتی: وہ دیکھو آپہنچے۔

(پربھا شنکر اور رام سیوک انگریزی لباس میں بالکل صاحب بہادر بنے آتے ہیں)

پربھا شنکر: ویل رام سیوک۔
رام سیوک: لیں سر۔
پربھا شنکر: گاڑی میں کچھ چھوٹا تو نہیں؟
رام سیوک: نو سر۔
پربھا شنکر: (باپ کو دیکھ کر) ہیلو پاپا۔ گڈ مارننگ۔
روی شنکر: (تعجب سے) یہ کیا! ڈنڈوت نہ پرنام، ہندو بیٹا ہوکر باپ کو انگریزی سلام۔
رام سیوک: یہ ہے ولایتی شکشا کا پہلا پرینام۔
پربھا شنکر: ہاؤ آر یو پاپا، کیسا ہے۔ اچّھا ہے؟
رام سیوک: پیٹنٹ اُلو کا بچہ ہے، باپ کو نمسکار اور ڈنڈوت کرنے کے بدلے لقوہ ماری ہوئی زبان میں پوچھتا ہے، اچّھا ہے۔
مالتی: (پاس جاکر) بھیّا اِدھر بھی دیکھو، پرنام۔
پربھا شنکر: او مائی لعل ڈالی، تُم کون؟
مالتی: واہ بھیا، پانچ ہی برس میں اپنی مالتی کو بھول گئے۔
رام سیوک: (ایک طرف ہوکر) ارے تجھے کیا، یہ تو ولایت جاکر اپنے آپ تک کو بھول گیا۔
پربھا شنکر: (چشمہ صاف کرکے غور سے دیکھتا ہے) او آئی سی، پہچانا، مائی ینگر سسٹر ہیلو ٹاٹا۔

(مالتی کا ہاتھ پکڑ کر زور سے شیک ہینڈ کرتا ہے)

مالتی: بھیّا۔ بھیّا، کلائی ٹوٹ جائے گی۔
پربھا شنکر: (چھڑی ہلاتے ہوئے باپ کی طرف مخاطب ہوتا ہے) فادر، آپ بولا نہیں کیسا ہے؟
روی شنکر: (کمزور آواز میں) بٹیا، اچھا......ہوں......تم کیسے ہو؟

پربھا شنکر: ویری پپّی— ویری ہلدی۔

رام سیوک: ویری ہلدی، ویری دھنیا، ویری مرچی۔

پربھا شنکر: او پاپا، ولایت کیسا اچھا ملک ہے۔ وہاں کوئی دُکھی نہیں، جیسے انڈیا کا لوگ کالا پانی بھیجا جاتا ہے، ویسے ہی وہاں سے بھوک، دُکھ، گریبی، کو اسٹیمر میں لاد کر کالوں کے ملک میں بھیج دیا گیا ہے، اُس دیش کے آگے یہ دیش ایک دم نان سنس، معلوم ہوتا ہے۔

روی شنکر: بٹیا، ماتا اور ماتر بھومی کا ایک درجہ ہے۔ جیسے ماتا جیسی کوئی استری نہیں ویسے اپنی جنم بھومی جیسی کوئی بھومی نہیں، اس لیے ولایت کتنا ہی اچھا ہو مگر ہمارے بھارت سے کبھی اچھا نہیں ہوسکتا۔

پربھا شنکر: بھارت! یہی بھارت؟ جہاں رات دن روٹی اور پیٹ میں مارا ماری رہتی ہے، جہاں سال میں بارہ مہینے کال اور چھ مہینے بیماری رہتی ہے۔

روی شنکر: بیٹا......

پربھا شنکر: (باپ کی بات کاٹ کر) جہاں کھلے طور پر دھرم کے پرانے گھسے، سڑے ہوئے وچاروں کو ٹھوکر نہیں مار سکتے، بیاہ سے پہلے بیوی کے ساتھ کورٹ شپ نہیں کرسکتے، جوا کھیلنے کے لیے کلب نہیں بنا سکتے، ماں، بہن میں بیٹھ کر وہسکی اور برانڈی تو کیا بیئر بھی نہیں پی سکتے، عورتوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ناچ نہیں سکتے۔

رام سیوک: سگریٹ پی کر باپ کے منھ پر دھواں نہیں چھوڑ سکتے۔

پربھا شنکر: یہی بھارت؟ ایسے بھارت کی قیمت میں اپنے ولایتی بوٹ کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

رام سیوک: ہیر ہیر ماسٹر، یو آر دی اونلی سن آف دی نیو لائٹ۔ اب ضرور بھارت کا بول بالا ہوگا۔ آپ جو ولایت سے نئی روشنی لائے ہیں، اُسی سے اس کالے دیش میں اُجالا ہوگا۔

پربھا شنکر: تھینک یو۔

رام سیوک: ڈونٹ منشن، پلیز، شکریہ کا شکریہ۔

روی شنکر: پربھا میں نے سنا ہے کہ ولایت کا بچہ بچہ اپنی ماتر بھومی کا پریمی اور بھگت ہے، تم پانچ برس اُن دیش بھگتوں کے ملک میں رہے اور پھر بھی اپنے دیش سے پریم کرنا نہ سیکھا۔

پربھا شنکر: دیش، ڈیم دیش، دیسی پاپا، یہ تمھاری ہی مہربانی ہے جو میں شیکسپیئر، میزنی، نیپولین، ایڈیسن کے دیش کے بدلے رام اور کرشن کی جنم بھومی میں پیدا ہوا ہوں، میرا بس چلتا تو میں اس بھارت میں کبھی جنم نہ لیتا۔

رام سیوک: گھبراؤ نہیں، تمھارا اگلا جنم بھارت کے بدلے نرک کے کسی پرنالے میں ہوگا۔

روی شنکر: ایشور، ایشور، ایک ہندستانی کی ایسی کایا پلٹ۔ کیا یہ میرا لڑکا بول رہا ہے؟

رام سیوک: جی نہیں، یہ دیسی گراموفون میں ولایتی شکشا کا ریکارڈ بج رہا ہے۔

پربھا شنکر: او نانسنس۔ باتوں میں سِگار پینا ہی بھول گیا۔ (سِگار کیس کھول کر سِگار نکالتا اور باپ کی طرف بڑھاتا ہے) پاپا، ویل، یو اسموک، اس سگار سے سات برس کی کھانسی اور دس برس کا دمہ دور ہوجاتا ہے، یہ ولایت کے لارڈ لوگ کے پینے کا ہے۔ وَن شلنگ سکس پنس ایچ۔ یعنی ایک روپیہ دو آنہ میں ایک آتا ہے۔

رام سیوک: (روی شنکر سے) ہاں، بہت قیمتی سگار ہے، جب آپ کے سپوت اسے دانتوں میں دبا کر منھ سے دھواں چھوڑتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہونٹوں کے مسان میں دولت کی چتا جل رہی ہے۔

روی شنکر: (بہت دکھ کے ساتھ) پربھا شنکر تم ولایت جانے سے پہلے کچھ اور تھے اور ولایت سے واپس آنے پر کچھ اور نظر آتے ہو، میں نے اپنے پتا کے دوستوں کے سامنے کبھی پان تک نہ کھایا اور تم اپنے باپ کے سامنے سگار پیتے اور اُسے بھی پلانا چاہتے ہو۔

پربھا شنکر: (غصے سے) تم دیسی ہوکر ایک بیرسٹر کا باپ ہے۔ اس کے لیے ہم تم کو دھنیہ واد دیتا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ نوٹس بھی دیتا ہے کہ کسی کے کھانے پینے کی لبرٹی یعنی آزادی چھیننا جنٹل مین کا کام نہیں ہے، ہم تمھارا بٹیا ہے، تمھارا غلام نہیں ہے۔

روپ شنکر: (دل میں) سناتن سماج، ولایت سے لوٹ کر آنے والوں کے شریر کا پرائشچت کرتا ہے اور مجھے سب سے پہلے اس کی آتما کا پرائشچت کرنا ہوگا، (پربھا سے) اچھا بٹیا، تم سفر کے تھکے ہوئے ہو، آؤ، تھوڑی دیر آرام کرلو۔

(پربھا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اُسے ساتھ لے جانا چاہتا ہے)

پربھا شنکر: (ایک دم اُچھل کر الگ ہوجاتا ہے) او مائی ہیڈ، مائی ہیڈ، کھوپری پھٹ گیا، سینٹ لاؤ، سینٹ لاؤ، وِل رام سیوک، کھُسبو، کھُسبو—

روپ شنکر: (گھبرا کر) بٹیا، بٹیا کیا ہوا؟

پربھا شنکر: او یو ہندستانی پاپا، تم نہاتا نہیں، دیکھو تو کپڑے سے کتنا بدبو آتا ہے۔

روپ شنکر: کیا— کیا کہا؟ میں جو دن رات میں تین مرتبہ سندھیا کرتا اور ہر سندھیا سے پہلے شنان کرتا ہوں، اُس کے بدن سے تجھے دُرگندھ آتی ہے۔

پربھا شنکر: (غصے سے دانت پیس کر) اوہ، ہندستانی گندا، ہندستان کا ہوا گندا، ہندستان کا پانی گندا، پھر ایسے گندے پانی میں نہانے سے بدبو نہیں تو کیا کھُسبو آئے گا، پاپا غصہ کا بات نہیں، تم بیمار ہوجائے گا، جاؤ بدن پر فنائل چھڑکو۔

روپ شنکر: (آپے سے باہر ہوکر) اُف اپنی جنم بھومی سے نفرت۔ جاتی سے نفرت، ماتا پتا سے نفرت، کیا یہی شکشا اور سبھیتا سیکھنے کے لیے بھارت کے ماں باپ اپنے بچوں کو ہزاروں روپیہ خرچ کرکے ولایت بھیجتے ہیں، کیا انھیں برائیوں کے پرچار سے دیش کا اُپکار ہوگا؟ کیا ایسے ہی کپوتوں سے بھارت جننی کا اُدّھار ہوگا؟ (پربھا سے) آہ، پربھا شنکر، اگر میں جانتا کہ دھرم کی رکشا، دیش کی بھکتی، جاتی کا پریم، سماج کی سیوا، دین دکھیوں کا پیار، شُبھ آچرن اور شُبھ وچار سیکھنے کے بدلے تُو یہ دُراچار سیکھ کر آئے گا تو میں کبھی تجھے ولایت نہ بھیجتا، آج ایشور نے میرا پُتر ابھیمان دور کردیا، جا، جی یا مر، تونے میرا ہردے چور چور کردیا۔

(غصے میں کانپتا ہوا جاتا ہے)

پربھا شنکر: (وِل رام سیوک دیکھا، جانے کے پہلے شیک ہینڈ بھی نہیں کیا۔ کیسا بدتمیز

باپ ہے؟

رام سیوک: سر جب برہما جی سرشٹی پیدا کرنے کے بعد تمیز بانٹ رہے تھے، اُس وقت یہ بھارت دیش ستیہ نارائن کی کتھا سُن رہا تھا، پھر بھارت واسیوں کے پاس تمیز آئے تو کہاں سے آئے۔

پربھاشنکر: سب جنگلی ہیں، سب جانور ہیں، اس ملک میں رہنے کے بدلے ڈربی ریس میں دوڑنے والے گھوڑوں کے طویلے میں رہنا اچھا ہے۔

رام سیوک: لیکن سر، ابھی تو کچھ دنوں آپ کو اس دیسی پاپا کے گھر میں رہنا ہی پڑے گا۔

پربھاشنکر: ہش، نانسنس، اس بوڑھے بند کے ساتھ میں ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتا، جاؤ، ابھی گرانڈ ہوٹل میں میرے لیے ایک کمفرٹ ایبل روم انگیج کرو۔

رام سیوک: آل رائٹ سر، لیکن اگر ہوٹل میں روم خالی نہ ہو تو کسی دھرم شالے میں.....

پربھاشنکر: (بات کاٹ کر) یو فول— گٹ اَوے۔

رام سیوک: آل رائٹ سر۔

(رام سیوک جاتا ہے)

پربھاشنکر: او گاڈ، گاڈ، میں نے کیا فالٹ کیا جو تو نے مجھے ولایت کے ہیون سے ہندستان کے ہیل میں ٹرانسفر کردیا۔ مری— مری—

(جاتا ہے)

دوسرا سین

غریب جے رام کا گھر

(جے رام کی بیوی تارا اپنے دو بھوکے بچوں کو دِلاسا دے رہی ہے)

— گانا—

تارا: پربھو، کیا یہی تمھارا نیائے ہے، کیا اسی لیے تمھیں دیاے کہتے ہیں، جب تم اس جگت میں ہمیں کھانے کو اَن دینا نہیں چاہتے تھے، تب ہم غریبوں کو پیٹ اور بھوک کیوں دی؟

لڑکا: ماں، ماں، بڑی بھوک۔ کیا تم آج بھی کچھ نہ پکاؤ گی؟

تارا: بٹیا، گھر میں کیا دھرا ہے جو پکاؤں، پکانے کے برتن، پہننے کے کپڑے، بچھانے کا بچھونا تک بیچ چکی، اڑوس پڑوس سے اُدھار مانگ کر تھک چکی۔ اب تو کیول تمھارا ہاتھ پکڑ کر گلی گلی بھیک مانگنا باقی رہ گیا ہے۔

لڑکی: ماں۔ پرسوں کی رات، کل کا سارا دن، اور آج کا آدھا دِن، اَنّ اَنّ کرتے بیت گیا، اب کیول جل پی کر نہیں رہا جاتا۔

تارا: ایشور سُن رہے ہو، اب بھی تمھیں دیا نہیں آتی، کیا غریبوں پر دیا کرنے سے سرشٹی کا نیم اُلٹ جائے گا، کیا ہم تین دن بھوکوں کو دو مٹھی آٹا اور ایک مٹھی دال دینے سے تمھارا اَنّ بھنڈار گھٹ جائے گا۔

(تارا کی چھوٹی لڑکی موہنی آنچل میں درخت کے پتے لیے ہوئے آتی ہے)

موہنی: (بھائی سے) بھیا، یہ لو، میں تمھارے لیے بھوجن لائی ہوں۔

تارا: بھوجن! کس نے دیا؟ دیکھیں، یہ کیا؟ ورکش کے پتے۔

موہنی: بھوک سے پران نکلے جارہے تھے، پڑوس کے بھوکے گائے بیل کو کھاتے دیکھ کر میں بھی کھانے کے چن لائی ہوں۔

تارا: کِنتو، بٹیا، یہ آدمی کے کھانے کی وستو نہیں ہے۔

موہنی: ماں ہم بھی تو آدمی نہیں ہیں، آدمی ہوتے تو اس محلے کے امیر لوگ ہم غریبوں کو جانور سے بھی بُرا کیوں سمجھتے۔

تارا: کہاں ہو، کہاں ہو؟ پیتل کی چوکی پر بیٹھ کر چاندی کے برتنوں میں دودھ گھی میں چور نوالے کھانے والے دھنوانو، کہاں ہو؟ اگر تمھاری آنکھیں اندھی اور تمھارے کلیجے پتھر نہیں ہوگئے تو آؤ اور اپنے دیش کے غریبوں کی دشا دیکھو۔ اگر تم نے دیش سے دُکھ، غریبی اور بھوک کو نکالنے کا پریتن نہ کیا تو برہمانڈ بھی بھیت ہوکر تھرّانے لگے گا، آج گھاس اور پتّے کھانے کی نوبت آئی ہے۔ کل آدمی آدمی کو مار کر کھانے لگے گا۔

موہنی: بھیا، لو کھاؤ نا۔

تارا. نہیں بٹیا، اس کے کھانے سے بیمار ہوجاؤ گے، پھینک دو، تمھارا دُکھی باپ تمھارے ہی پیٹ کی فکر میں سویرے سے باہر گیا ہوا ہے، وہ تھوڑی دیر میں آئے گا اور کہیں مزدوری یا اُدھار مل گیا تو ضرور کچھ نہ کچھ ساتھ لائے گا۔

(چندر کنور نائیکا آتی ہے)

چندر کنور: (اوپر نیچے دیکھ کر) بہن سلام، ہائے ہائے، یہ گھر تو سچ مچ دکھ کا نرک ہے، بھگوان بے چارے غریبوں کی یہ کیا کیا دشا۔

تارا: بہن، میں اس محلّے میں تین مہینے سے رہتی ہوں، کِنتو آج سے پہلے تمھیں کبھی نہیں دیکھا، تم کون ہو؟

چندر کنور: میرا نام چندر کنور ہے، اس محلے کے رائے بہادر لکشمی چند کے گھر میں میری نواسی

ہے، میں آج اُس سے ملنے آئی تو دروازے کے سامنے تمھاری لڑکی کو بھوک میں پتے کھاتے ہوئے پایا اور یہ درشیہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو بھر آیا۔

تارا: اس سے وِدِت ہوا کہ تم ایک دیالو اِستری ہو۔

چندر کنور: بہن، ست، دھرم، دیا، یہی استری کے لکشن ہیں۔ (موہنی کے سر پر ہاتھ پھیر کر) آہا، کیسی روپ وان کنیا ہے، (موہنی سے) بیٹی، ذرا داہنا ہاتھ تو دکھانا۔ (موہنی کے ہاتھ کی لکیریں دیکھتی ہے) اوہو، کیسی شُبھ ریکھائیں ہیں، اس کے بھاگیہ میں تو دھن ہی دھن لکھا ہے، (تارا سے) بہن، یہ تو لاکھوں کمائے گی اور لاکھوں لٹائے گی۔

تارا: کل کے لیے للاٹ میں کیا لکھا ہے وہ آج کون جان سکتا ہے؟ ابھی تو اس کے بھاگیہ میں دُکھ ہے اور دُکھ ہی بھوگ رہی ہے۔

چندر کنور: میں اسی دُکھ کو سکھ کے روپ میں بدلنے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ یہ لو تمھارے لیے پانچ سو کے نوٹ لائی ہوں۔

(نوٹ دیتی ہے)

تارا: یہ نوٹ کیسے، کیا غریب سمجھ کر ہمیں اُدھار دے رہی ہو؟

چندر کنور: (ہنس کر) اُدھار سمجھو، دان سمجھو، سہایتا سمجھو، بھینٹ سمجھو۔ (موہنی کی طرف اشارہ کرکے) یا اس کے روپ کی قیمت سمجھو۔

تارا: میں اب بھی نہیں سمجھی۔

چندر کنور: سنو۔ اس شہر میں جہاں اورطرح طرح کے دھندے ہوتے ہیں، وہاں خوبصورت لڑکیوں کا بھی بیوپار ہوتا ہے، ہم لوگ روپیہ کے زور سے، بھوک سے مرتے ہوئے غریب ماں باپوں سے ان کی کنیائیں خرید کر پہلے بیٹی بنا کے پالتے ہیں اور پھر انھیں ناچنا، گانا، رِجھانا سکھا کر ہر روز نئے آدمی کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔

تارا: (چونک کر) عورت تو ہوش میں ہے، کیا کہہ رہی ہے؟

چندر کنور: میں یہی کہہ رہی ہوں کہ پانچ سو پر لڑکی کا سودا کرلو، تمھارا دُکھ بھی دُھل جائے

گا اور اس کا نصیب بھی کھل جائے گا۔

تارا: (بگڑ کر) دور ہو، کلٹا۔ پاپنی، کلنکنی، ابھی سامنے سے دور ہو۔ ہم نس سہائے اور نردھن ہیں لیکن تیرے جیسے نیچ اور نرلج نہیں ہیں، جیسے ہنس موتی چھوڑ کر کنکر نہیں چگتا شیر بھوکا مرنے پر بھی گھاس نہیں کھاتا، ویسے ہی لاکھوں سنکٹ ہونے پر بھی دھرمی دھن کے لیے اپنا دھرم کبھی نہیں گنواتا۔

چندر کنور: دیکھو میری مانو، میں تمھارے بھلے کی کہتی ہوں۔

تارا: بس چپ رہ، تیرا ایک شبد سننا ایک ہزار پاپ کے برابر ہے، میں سلائی کرکے، ٹوکری ڈھو کے، بھیک مانگ کے، دوسروں کے جوٹھے برتن مانج کے اپنی بچی کو پالوں گی اور نہ پال سکی تو کلنکنی بننے سے پہلے اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالوں گی۔

چندر کنور: کیسی مورکھ ہے، سامنے پروسے ہوئے سونے کے تھال کو ٹھوکر مارتی ہے۔

تارا: اور ایک شبد نہیں، میں بنتی کرتی ہوں، نہیں میں تجھے حکم دیتی ہوں کہ میرے گھر سے نکل جا، کلٹا، تونے دھن کا لوبھ دکھا کر نہ جانے اس دیش کے کتنے غریبوں کا گھر اُجاڑا، اور کتنی نِش کلنک کنیاؤں کا بھوشیہ بگاڑا ہوگا، مجھے آشچریہ ہے کہ سماج سب کچھ دیکھ کر کیوں اندھا اور بہرہ ہورہا ہے، میرا راج ہوتا تو چور اور ڈاکو سے بڑھ کر تجھے سزا دیتی، تیری جیسی استریوں کے گلے میں پتھر باندھ کر بیچ دھارے میں ڈُبا دیتی۔

چندر کنور: تب سمجھ گئی، تم سب نے دُکھ میں جنم لیا، دُکھ میں جی رہے ہو اور دُکھ ہی میں مرد گے۔

(بکتی جھکتی چلی جاتی ہے)

تارا: کلجگ کلجگ، تونے اس پرتاپی بھارت کو کتنا نسیچ کردیا، ایک سے تھا جب یہاں کے لوگ چوری کرنا، جھوٹ بولنا، دھوکا دینا، مقدمہ لڑنا، جھوٹی قسمیں کھانا، پردھن اور پراستری کو بری نظر سے دیکھنا مہاپاپ سمجھتے تھے اور آج یہ

سے ہے کہ دس ہزار میں سے دس کو بھی دھرم اُدھرم کی چنتا نہیں ہے، اس پنیہ مئی بھومی کا دھن گیا، سکھ گیا، شانتی گئی، آرام سے جینے کے سادھن گئے، اب دھرم اور ست بھی جاتا دکھائی دے رہا ہے۔ دیش کے اندر ایسے ایسے پاپ اور ایسے ایسے اتیاچار ہو رہے ہیں اور دیش کے نیتا چونک کر اس گرتی ہوئی اوستھا کی روک تھام کرنے کے بدلے کُمبھ کرن کی نیند سو رہے ہیں۔

—گانا—

تیسرا سین

(مالتی رادھا کو کھینچتی ہوئی لاتی ہے)

رادھا: مالتی، دیکھ ہاتھ چھوڑ، میں مار بیٹھوں گی۔

مالتی: مارو یا جلاؤ، مگر ٹھک ٹھک چلی آؤ۔ (پربھاشنکر انگریزی گانا گاتا ہوا آتا ہے) بھیا، ذرا اِدھر تو دیکھو۔

(رادھا پربھا کو دیکھ کر اور گھونگھٹ بڑھا لیتی ہے)

پربھاشنکر: (غور سے دیکھ کر) ہُو اِز دِس گھونگھٹ والا لیڈی۔ (مالتی سے) مالتی یہ کون؟

مالتی: واہ بھیا، بھابھی کو بھی بھول گئے، تمھاری رادھا رانی، اور کون۔

پربھاشنکر: ہیلو، مائی مسز، ویل کم، ویل کم، رادھا ویل کم۔

رادھا: پران ناتھ، داسی چرنوں میں پرنام کرتی ہے۔

پربھاشنکر: وہاٹ اِز دِس ہمبک پرنام، آئی ڈونٹ وانٹ پرنام، سے ڈیئر گڈ مارننگ۔

رادھا: (مالتی کے کان میں) مالتی، یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

مالتی: کیا جانے، شاید ولایتی بھاشا میں تمھاری استوتی کررہے ہیں۔

پربھاشنکر: (رادھا سے) ڈیئر میں کب سے تمھارا ویٹ کررہا تھا، تم نے اتنی دیر کیوں کی؟

رادھا: پتا جی کے سامنے میں کیسے آسکتی تھی؟ وہ دیکھتے تو کیا کہتے؟

پربھاشنکر: کہتے کیا، اُن کو کہنے کا رائٹ ہی کیا تھا، وائف اینڈ ہسبنڈ آپس میں ملیں تو اس میں کسی کا اجارہ ہے، تم ہمارے باپ کا بی بی ہے یا ہمارا ہے؟

رادھا: مالتی جا، ابھی تک انھوں نے منہ نہیں دھلایا ہوگا، کچھ ناشتہ لے آ۔

مالتی: واہ بھابھی، یہی اُپکار کا بدلہ، ناشتے کا بہانہ بنا کر ٹالتی ہو، میں ہی یہاں بلا کر لائی اور مجھی کو یہاں سے نکالتی ہو، اچھا۔

(مالتی ہنستی ہوئی جاتی ہے)

پربھاشنکر: رادھا، تم عورت ہو، ہتھنی نہیں ہو، پھر یہ ہاتھی کی سونڈ کی طرح گھونگھٹ کیا نکال رکھا ہے، نانسنس، گھونگھٹ ہٹاؤ، میں فری ہوں، تم بھی فری ہو جاؤ۔

(زبردستی گھونگھٹ ہٹاتا ہے، رادھا شرماتی ہے)

رادھا: نا، نا۔ ناتھ، کوئی آ جائے گا، مجھے شرم آتی ہے۔
پربھاشنکر: شرم، کاہے کی شرم، تمھیں اس شرم کو، دھرم کو، پردے کو، سب کو ٹھکرانا ہوگا۔ اس گھر کے جیل خانے کے بدلے ہر روز میرے ساتھ منھ پر پاؤڈر اور ناک پر عینک لگا کر کلب، پارٹی، تھیٹر، ڈانس میں جانا ہوگا۔

(مالتی ناشتہ لے کر آتی ہے)

مالتی: لو بھابھی، ناشتہ لے آئی، اب بھیا کو اپنے ہاتھ سے کھلاؤ۔

(رادھا زمین پر پانی چھڑک کر آسن بچھاتی اور تھالی رکھ دیتی ہے)

مالتی: لو بھیا، بیٹھ جاؤ۔
پربھاشنکر: (تھال زمین پر رکھا ہوا دیکھ کر) یہ کیا، رس گلا اور پاپڑ، ڈیم ہینک۔ میں میز کرسی پر بیٹھ کر چُھری کانٹے سے مٹن چانپ کھانے والا جانوروں کی طرح زمین پر بیٹھ کر پاپڑ جھاپڑ کھاؤں گا، (تھال کو بُوٹ سے ٹھوکر مارتا ہے) ہٹاؤ، اس دیسی کھانے کو میں ولایتی آدمی، اس کو چھونے سے بیمار ہو جاؤں گا۔
رادھا: سوامی، سوامی، یہ کیا سروناش کا سامان کیا، انّ دیوتا کا اپمان کیا۔
پربھاشنکر: میرا انّ دیوتا ہمیشہ میرے ہینڈ بیگ میں رہتا ہے۔ ہینڈ بیگ سے بسکٹ اور

شراب نکال کر دکھاتا ہے) دیکھو، یہ میرا اَن داتا اور یہ میری جل دیوی۔

رادھا: یہ کیا ہے؟ اس رنگ کا جل تو میں نے آج تک نہیں دیکھا ہے۔

پربھاشنکر: دیکھتیں کہاں سے؟ یہ ولایت کے دریا کا پانی ہے۔ اسی کا نام ہندی میں جیون امرت اور فارسی میں آبِ زندگانی یعنی شراب ارغوانی ہے۔

رادھا: کیا شراب؟ مدرا؟ پھینک دو، پھینک دو، ناتھ میں ہاتھ جوڑتی ہوں، اِس اپوتر وستو کو پھینک دو، وید میں، پُران میں، شاستر میں، سمرتی میں، کسی میں شراب پینے کی آگیا نہیں ہے، میں نے نیتی پُستکوں میں پڑھا ہے کہ شراب منشیہ کی بدھی کا تیج اور آیو گھٹا دیتی ہے، یہ دھیرے دھیرے اندھ اور مت مند کرکے منشیہ کو دیوتا سے راکشس بنا دیتی ہے، اس کا ایک بندو آتما کی سمست پوترتا بھرشٹ کردیتا ہے۔ شرابی اپنا دھرم، کرم، تیج، بل، سواستھ، روپ، دھن...... ارتھات اپنا سب کچھ اپنے ہاتھ سے نشٹ کردیتا ہے۔ یہ پنیہ نہیں پاپ ہے، سنتوش نہیں سنتاپ ہے، آشیرواد نہیں ابھی شاپ ہے، اس لیے میرا وِنے سویکار کیجیے اور اِس ناش کارنی گھرنت وستو کو دھتکار کیجیے۔

پربھاشنکر: ویل ڈن، ویل ڈن رادھا، تم تو مسز اینی بسنٹ سے بھی اچھا لکچر دے سکتی ہو، لو ذرا اس کا مزہ تو چکھو۔

رادھا: چھی چھی۔ میں پینا کیا اسے چھونا بھی پاپ سمجھتی ہوں۔

پربھاشنکر: تم ہندو لوگ کا شاستر میں لکھا ہے کہ وائف کو ہسبینڈ کا آرڈر سننا چاہیے، پھر تم میرا حکم کیوں نہیں سنتیں؟

رادھا: دیوتا، میں آپ کے لیے شیروں کے غار میں جاسکتی ہوں، پہاڑ سے کود سکتی ہوں، آگ میں پھاند سکتی ہوں،لیکن اس دھرم ناشک وستو کو کبھی ہاتھ نہ لگاؤں گی اس زہر سے خود بھی بچوں گی اور آپ کو بھی بچاؤں گی۔

پربھاشنکر: یو آر اے فولش وومن۔

(بوتل منھ سے لگا کر شراب پیتا ہے۔ ایک نوکر داخل ہوتا ہے)

نوکر: سرکار، سرکار، چل کر دیکھیے بڑے حضور کو کیا ہوگیا۔

رادھا: کیوں کیا ہوا؟— کیسے ہیں؟

نوکر: نہ جانے اُن کے ہردے کو کون سی چوٹ لگی ہے کہ پہلے ایشور، ایشور کہہ کے پکارا، پھر چھاتی پر زور سے گھونسا مارا، اس کے بعد تیور پھر گئے اور چکّر کھا کر صوفے پر گر گئے۔

رادھا: (گھبرا کر) ہیں۔

نوکر: جلدی چلیے، بہت ہی بُرے طور ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو ہی چار سانسیں اور ہیں۔

رادھا: ایسا پریورتن، ایسی بھینکر اوستھا، چلو ناتھ چلو، رکشا کرو، ایشور، پتا جی کی رکشا کرو۔

(دوڑتی ہوئی جاتی ہے)

پربھاشنکر: ہمبک، آل ہمبک، دیسی مرد بھی ہمبک اور دیسی عورت بھی ہمبک، یہ سب اس نئے زمانے میں بھی رشی منیوں کے بتائے پُرانے رستے پر آنکھیں بند کیے ہوئے چلے جاتے ہیں، جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو ہلپ کے لیے ڈاکٹر کو پیچھے اور ایشور کو پہلے بلاتے ہیں۔

(رام سیوک کا داخلہ)

رام سیوک: سر، گرانڈ ہوٹل میں چار کمرے انگیج کر لیے اور کیا آرڈر ہے۔

پربھاشنکر: ویل رام سیوک، ویری بیڈ نیوز، ہارٹ کو شاک لگنے سے ہمارے مدر کا اولڈ ہسبینڈ۔ سمجھا؟ یعنی ہمارا بڈھا باپ سِک ہوگیا ہے، اس کے لیے آج شام تک میں یہیں ٹھہروں گا، بڑا دُکھ، بڑا دُکھ، (شراب پیتا ہے) فادر، آئی ایم ویری ساری فار یُو۔

(منھ سے بوتل لگائے ہوئے اندر جاتا ہے)

رام سیوک: دیکھیے، اس نوین بھارت کے سپوت ایسے ہی ہوتے ہیں۔ باپ کی بیماری کا

دُکھ دارو پی کر بہلا رہا ہے۔ ہا— بھارت، نوین بھارت تو پراچین سبھیتا اور شِکشا کو چھوڑ کر کس طرف بہا جارہا ہے، منھ میں سگار، ہاتھ میں چھڑی، سنگ میں کتا لے کر سیٹی بجاتے ہوئے چلنا، اپنے دیش اور جاتی کو اسبھیہ سمجھنا، گھر چھوڑ کر بنگلوں میں رہنا، کوٹ پتلون پر ہزاروں روپیے تباہ کرنا، شرابیں پینا، ریس کھیلنا، باپ دادا کی کمائی فیشن میں اُڑانا اور ہندستانی ہوکر ہندستانی کہلانے سے شرمانا، یدی اسی کا نام ولایتی سَمجھا، شکشا اور سُدھار ہے، تو ایسی شِکشا پر لاکھ لاکھ دِھکار ہے۔

— گانا —

چوتھا سین

دیوان خانہ

(بوڑھا روی شنکر بیمار پڑا ہوا ہے، سرہانے رادھا سر جھکائے کھڑی ہے، دوسری طرف ڈاکٹر بیٹھا ہوا نسخہ لکھ رہا ہے)

روی شنکر: دھن بھی گیا، آشا بھی گئی۔ بٹیا بھی گیا، جو کچھ تھا ناش ہوگیا، اور جو کچھ ہے وہ بھی ناش ہوجائے گا۔

ڈاکٹر: (نسخہ لکھ کر) تھوڑی دیر آرام کیجیے، ایسے سوچ بچار سے دوبارہ آپ کی طبیعت بگڑ جائے گی۔

روی شنکر: (لمبی ٹھنڈی سانس لے کر) آرام؟ ڈاکٹر صاحب میں نے بڑھاپے میں آرام پانے کے لیے بیٹے کو ولایت بھیجا تھا، آرام ہی پانے کے لیے پانچ برس تک بیٹے کی جُدائی کا دُکھ سہا تھا، آرام ہی پانے کے لیے بیٹے کی شِکشا پر تین لاکھ روپے خرچ کیے تھے۔

ڈاکٹر: تین لاکھ!!

روی شنکر: ہاں، سمجھے کتنے روپے؟ جتنے میں بھارت کے تین سو اناتھ بچے اپنے پرانے طریقے پر گُروؤں سے ودیا وان ہوکر ماں باپ کے کلیجے کا سُکھ، دھرم، دیش اور سماج کے گورو کا کارن بن سکتے تھے، اتنے روپے، لیکن وہ آرام شکاری کے ڈر سے بھاگتے ہوئے ہرن کی طرح چھن ماتر میں درشٹی سے دور ہوگیا۔ آشاؤں کا بنایا ہوا بھوشیہ، کو پاتر بیٹے کے ایک ہی گھات سے دھرتی پر گر کے

چور چور ہوگیا۔

ڈاکٹر: مہا شے، ہندستان ہو یا ولایت۔ کالے ہوں یا گورے، کنتو کوئی دیش اور کوئی جاتی نہیں ہے، جہاں گن اور اَوگن، بھلائی اور برائی دونوں ساتھ ساتھ نہ ہوں، اگر آدمی تلوار سے آتم رکشا کے بدلے اپنا گلا کاٹ لے، آگ سے کھانا پکانے کے بدلے اپنا گھر جلا لے، تو اس میں تلوار اور آگ کا کیا دوش ہے، یہ ہمارے دیش کے نوجوانوں کی بدنصیبی ہے کہ وہ ولایت جاکر سائنس، آرٹ، کامرس، یونٹی، برادرہڈ، دیش کی بھکتی، کمانے کے طور، جینے کا رستہ، سانسارک اور ساجک اُنتی کا ڈھنگ سیکھنے کے بدلے وہاں کی بیہودگی اور برائیاں سیکھ کر آتے ہیں اور اپنے گھرنت آچرن سے خود بھی بدنام ہوتے اور شکشا کے نام کو بھی کلنک لگاتے ہیں۔

روی شنکر: کیسا دُکھ دایک اور بھیانک بھوشیہ؟ آنکھوں کے سامنے نہ ہونے پر بھی صاف دکھائی دے رہا ہے— ڈاکٹر— ڈاکٹر، ایک ہندو باپ اپنے بیٹے کا دھرم پتن نہیں دیکھ سکتا، کوئی ایسی دوا دو کہ میں مرجاؤں یا اندھا ہوجاؤں۔

ڈاکٹر: میں کہتا ہوں کہ آپ آرام لیں (رادھا سے) ایک ایک گھنٹہ میں دوا دیتی رہنا۔

(ڈاکٹر دواؤں کا بیگ لے کر جانا چاہتا ہے، سامنے سے رام سیوک اور پربھا شنکر آتے ہیں)

پربھاشنکر: وِل رام سیوک، پاپا سِک ہوگیا، اس سے مجھے بڑا دکھ ہے۔

رام سیوک: سر، تو اِس دُکھ کو بھلانے کے لیے ایک چھوٹا سا برانڈی کا ڈوز اور لے لیجیے.

پربھاشنکر: (ڈاکٹر کو دیکھ کر) وِل ڈاکٹر، تمھارا پیشنٹ کیسا ہے؟

ڈاکٹر: ناو اِز بٹر، پہلے سے حالت اچھی ہے۔

پربھاشنکر: وِل ڈاکٹر، دیکھو ہم اس دیسی آدمی کو پہلے ہی بولا تھا کہ تمھارے کپڑے سے بدبو آتا ہے، فنائل چھڑکو، ہمارا بات نہیں سنا، آخر اپنی بیوقوفی سے سِک ہوگیا۔

رام سیوک: دیکھیے باپ کو بے وقوف کہتا ہے (دل میں) نوکری جانے کا ڈر نہ ہوتا تو

ناک پکڑ کر گال پر ایک طمانچہ رسید کرتا۔

ڈاکٹر: شیم آن یو، مسٹر پربھا شنکر، جس نے جنم دیا، جس نے پال پوس کر اتنا بڑا کیا، جس نے ہزاروں روپے خرچ کرکے ایجوکیشن دلایا۔ جس کے پیسوں سے تم بدن پر کوٹ پتلون اور سر پر ٹوپ پہن کر صاحب بہادر بنے، اس اولڈ مین کا انسلٹ کرتے ہو، اِس مانیہ ور پتا کو بے وقوف کہتے ہو۔

رام سیوک: ابھی پتا ہیں تو کیا ہوا، باپ بن کر کون سا اُپکار کیا؟ جب ہمارے بیرسٹر صاحب کو اس دنیا میں جنم ہی لینا تھا تو کوئی نہ کوئی ان کا باپ بن ہی جاتا۔

پربھاشنکر: شٹ اَپ (ڈاکٹر سے) دیکھو وہ بے وقوف نہ سہی، لیکن تم ضرور بے وقوف ہو۔

ڈاکٹر: کیوں؟

پربھاشنکر: کیونکہ تم ہندستان میں ایجوکیشن پاکر آکسفورڈ یونیورسٹی کے گریجویٹ کو اُپدیش دیتے ہو۔

رام سیوک: جاؤ کسی حجام سے اپنی عقل کا آپریشن کراؤ۔

ڈاکٹر: مسٹر پربھا شنکر، تم نے ولایت میں جاکر پڑھا نہیں ہے بلکہ وہاں اتنے دنوں رہ کر اپنے وقت اور اپنے باپ کی دولت کا ستیاناس کیا ہے، ولایت کے ایک گھسیارے میں جتنا ایٹی کیٹ ہے، ایک موچی میں جتنا مینر ہے، ایک چمار میں جتنی تمیز ہے، تم میں اتنی بھی تمیز نہیں، ولایت ایجوکیشن اور سویلیزیشن کی فیکٹری ہے، جس میں آدمی کا کیرکٹر بنایا جاتا ہے، بتاؤ، وہاں کون سا اسکول، کون سا کالج، کون سی یونیورسٹی ہے جس میں اپنے ماتا پتا سے، گروجنوں سے، دیش سے، جاتی سے، سماج سے گھرنا کرنا سکھایا جاتا ہے، یہ تمھارا دُربھاگیہ ہے کہ ولایت کی وِدیا اور گُن لانے کے بدلے کیول وہاں سے ٹوپ اور کوٹ پتلون لائے ہو، آدمی بن کر گئے تھے اور جانور بن کر آئے ہو۔

رام سیوک: باپ رے، ایک منٹ میں ایک سو شبد بول گیا، اس کا منھ ہے یا ٹائپ رائٹنگ کی مشین۔

پربھاشنکر: بس چلے جاؤ، میں تمھیں ایک پاگل سمجھ کر معاف کرتا ہوں۔

ڈاکٹر: گھبراؤ نہیں، تھوڑے ہی دنوں میں ثابت ہوجائے گا کہ ہم دونوں میں کون پاگل ہے۔

پربھاشنکر: او، یو، بروٹ۔

(گھونسا دکھاتا ہے)

رام سیوک: او، یو، ڈیسی اونٹ—

(ڈاکٹر ہنستا ہوا جاتا ہے، روی شنکر پھر جاگ اُٹھتا ہے)

روی شنکر: اُف، پھر، پھر، وہی ویدنا، وہی بھاؤنا، رہ رہ کر کوئی چھاتی پر گھونسا مارتا ہے۔

رادھا: کیوں، کیوں پتا جی۔

روی شنکر: ایشور۔ دیامے۔ یہ کیا کیا؟ ماتا پتا کے لیے اس سنسار میں سنتان ہی سب سے بڑا سکھ ہے۔تم نے اس سب سے بڑے سکھ کو سب سے بڑا دُکھ کیوں بنا دیا؟

پربھاشنکر: (قریب جاکر) پاپا، ہاؤ آر یو، تم کو کیا بیماری ہے؟

روی شنکر: میرے بیمار پڑنے کا کارن اور بیماری دونوں ہی تم ہو، اگر میری بیماری بڑھانا نہیں چاہتے تو سامنے سے ہٹ جاؤ، میں تمھاری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔

رادھا: (پربھاشنکر سے) ناتھ، تمھاری باتوں سے پتا جی کے دل کو بڑا دُکھ پہنچا ہے۔ پُتر ہونے کے کارن آپ کا دھرم ہے کہ پتا جی سے شما مانگیں۔

پربھاشنکر: وہاٹ شما؟ معافی؟ کاہے کو شما مانگوں؟ (باپ سے) پلیز ٹیل می، ہم تمھارا کیا قصور کیا؟

روی شنکر: قصور؟ تم نے کوئی قصور نہیں کیا، سب قصور میرا ہے، سب اُپرادھ پتا کا ہے۔ میں اب سمجھا کہ جو ماں باپ اپنی سنتان کو سنساری شِکشا کے ساتھ آتمِک اور دھارمِک شِکشا نہیں دیتے، وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی سنتان کا جیون نشٹ کرتے ہیں، اگر میں تمھیں ولایت بھیجنے کے بدلے کسی سنسکرت پاٹھ شالا میں بھیج کر بھارت کی پراچین وِدیا پڑھواتا، رشی منیوں کی پوتر شِکشا سے تمھاری

آتما کو اُتوّل بناتا تو آج تم آگیاکاری، پروپکاری، سداچاری ہوتے، بے شک بیرسٹر اور جج نہ بن سکتے، لیکن اُن سے بھی زیادہ اپنے پتا اور ماتر بھومی کے لیے کلیان کاری ہوتے۔

رادھا: (پربھا سے) ناتھ، میں پتا جی کے لیے دودھ گرم کرنے جاتی ہوں، دو منٹ بعد شیشی میں سے ایک خوراک دوا پلا دیجیے گا۔

پربھاشنکر: دیکھو، آج کل کے ڈاکٹر دیکھنے کی فیس، موٹر کا کرایہ اور نسخہ کے دام میں سے اپنا کمیشن لینے کے سوا بیمار اور بیماری کا کوئی کیئر نہیں کرتے، گھبراؤ نہیں، ہم فادر کو ابھی اچھا کرتا ہے۔

رام سیوک: سر کیا آپ بیرسٹری کے ساتھ ڈاکٹری بھی پاس کرکے آئے ہیں۔

پربھاشنکر: وِل، ہمارے پاس ایسا دوا ہے، جس کو پیتے ہی بستر پر پڑا ہوا بیمار تو کیا سو برس کا مردہ بھی اُٹھ کر ناچنے لگتا ہے—— سی۔

(شراب دکھاتا ہے)

رام سیوک: شراب؟

پربھاشنکر: یس۔ دِس از دی اونلی میڈیسن، وچ کین کیور آل سارٹس آف ہارٹ ڈزیزز۔

(دوا پھینک کر گلاس میں شراب اُنڈیلتا ہے)

رام سیوک: یہ کیا، یہ کیا؟ آپ بوڑھے باپ کو دوا کے دھوکے میں شراب دینا چاہتے ہیں۔ نہیں، نہیں، یہ اُکشمیہ پاپ نہ کیجیے، ہندو آچرن اور ہندو وچاروں کے ساتھ کیا آپ کا ہندو لہو اور ہندو آتما بھی بدل گیا؟

پربھاشنکر: شٹ اَپ۔ شراب بھی ایک دوا ہے اور دوا پینے میں کوئی پاپ نہیں ہے۔

رام سیوک: میں مہا پاپی ہونے پر بھی یہ بھیشن پاپ نہیں دیکھ سکتا۔

(دُکھ سے چلا جاتا ہے)

پربھاشنکر: (پاس جاکر) پاپا، تمھارا دوا۔

روی شنکر: کون پربھا؟ تم ابھی تک نہیں گئے؟ یہ کیا ہے؟

پربھاشنکر: دی بیسٹ میڈیسن اِن دِی ورلڈ، بہت اچھا دوا، ابھی آپ ٹھیک ہوجائے گا۔

روی شنکر: (دوا کا گلاس منھ تک لے جاکر ہٹا دیتا ہے) دوا میں بدبو کیسی (پھر سونگھ کر) یہ تو شراب معلوم ہوتی ہے۔

(پربھاشنکر: یس، یہ آکشا نمبر وَن ہے، ایک ہزار بیماری کا ایک دوا۔

(روی شنکر گھبرا کر گلاس پھینک دیتا ہے)

روی شنکر: اُف پِتا دروہی، دھرم دروہی، تو ہندو سماج کے پوتر پربھاؤ سے تھوڑے دنوں باہر رہ کر ایسا پشاچ بن گیا، تیرا اتنا پتن ہوگیا۔ ہا— جب تو اپنی ماں کی گود میں کلکاریاں بھر کر میری گود میں آنے کے لیے ہُمکتا تھا، تب میں یہ سمجھ کر پھولا نہ سماتا تھا کہ تو بڑا ہوکر میرے روگ کی دوا، میری جوانی کا سُکھ، میرے بڑھاپے کا سہارا، میرے کُل روپی آکاش کا تارا ہوگا، اگر اس دن کی خبر ہوتی تو ماں کا دودھ دینے کے بدلے تجھے وِش دے کر مار ڈالتا۔ دیکھو، دیکھو، بھارت کے ماں باپو دیکھو، نوین یُگ اور نوین شِکشا کا ورکش کیسا کڑوا پھل لایا ہے، جس پُتر سے آشا تھی کہ مرنے کے وقت منھ میں گنگا جل ڈالے گا، وہ مرن شیّا پر اپنے پِتا کو دارو پلانے آیا ہے۔

پربھاشنکر: دیکھو، تم ایک جنٹل مین کے کیرکٹر پر حملہ کررہے ہو، یاد رکھو، میں کوئی آرڈنیری آدمی نہیں ہوں، بیرسٹر ہوں، ایک لفظ بھی اور بولے—

روی شنکر: (غصّے میں کانپتے ہوئے اُٹھ کر) کُل کلنکی تب کیا کرے گا؟

پربھاشنکر: میں ہائی کورٹ میں لائبل کیس۔ بیوقوف بڈھا سمجھا، یعنی تمھارے اوپر اپنی عزت کا دعویٰ کروں گا۔

روی شنکر: میرے روپیوں سے بیرسٹر بن کر مجھی پر دعویٰ کرے گا، بوڑھے باپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائے گا، ستر برس کی عمر میں مجھے جیل بھیجے گا، بس نکل

جا، ابھی میرے گھر سے نکل جا، نہیں تو میں پاگل بن کر تیرا گلا گھونٹ—

پربھاشنکر: بس......

(باپ کو مارنے کے لیے لکڑی اُٹھاتا ہے، رادھا دودھ کا گلاس لیے ہوئے آتی ہے اور گلاس پھینک کر پربھا کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

رادھا: یہ کیا، ناتھ، ناتھ۔

پانچواں سین

راستہ

(چند آزاد خیال فیشنیبل آدمی باتیں کرتے ہوئے آتے ہیں)

ایک: مسٹر جیون داس، تم نے آفس کی نوکری چھوڑ کر کیا کسی ناٹک کی نوکری کر لی ہے، آج اَرلی مارننگ تم نے کیا سوانگ بھرا تھا؟

دو: وہاٹ ڈو یو مین، سوانگ کیسا؟

ایک: آئی سے، آج تم سویرے سویرے کمر میں پیتمبر، کندھے پر انگوچھا، ماتھے پر تلک، گلے میں تلسی مالا اور ہاتھ میں جل کا لوٹا لیے ہوئے ایک لجاتی ہوئی استری کے ساتھ کہاں سے آرہے تھے؟

دو: ڈیر، وہ اِستری میری دھرم پتنی تھی، کل اُس نے ایکادشی کا برت رکھا تھا، اِس لیے مجھے بھی ہٹ کرکے اپنے ساتھ گنگا اشنان کے لیے لے گئی تھی۔

ایک: اوہو، تو یہ کہو، تم گنگا گھاٹ سے آرہے تھے، بَٹ ڈیر، اس زمانے میں اشنان کے لیے گنگا جانے کی ضرورت ہی کیا ہے، آج کل تو شیو کی جٹا میں نواس کرنے والی گنگا، گلی گلی اور گھر گھر پانی کی کل میں براجمان ہیں۔ اِدھر کل گھماتے ہی نل کا منھ کھل گیا، اُدھر گھر بیٹھے سارا پاپ دُھل گیا۔

تین: مسٹر جیون داس۔ تم نوین شکشا پاکر بھی بیوقوف کے بیوقوف ہی رہے۔ جس گنگا میں سینکڑوں ندی، نالے کا پانی، لاکھوں من کناروں کی مٹی اور ہزاروں ڈوبی ہوئی لاشیں اور آدھے جلے ہوئے مُردے بہا کرتے ہیں، اُس میں نہانا

اپنے کو بیمار بنا دینا ہے۔ ہم سب لوگ تندرستی کی قیمت جانتے ہیں۔ اس لیے ہمیں گنگا جل کے بدلے سوڈے اور لیمو نیڈ سے نہانا چاہیے۔

دو: مائی ڈیر، کریں تو کیا کریں، جب ہمیں ہندوؤں ہی میں جینا اور ہندوؤں ہی میں مرنا ہے، تو ہندو دھرم پر فیتھ نہ رکھتے ہوئے بھی ہندوؤں کو دھوکا دینے اور سماج کو اپنے فیور میں رکھنے کے لیے پوجا پاٹھ اشنان دھیان، سب کچھ کرنا ہی پڑے گا۔

تین: ہمبگ، تم لبرل ہندو ہوکر ہندو سماج سے ڈرتے ہو؟ ڈونٹ بی اَفریڈ فرام دی اولڈ سماج، ڈیئر— بلیو می— ہندو راج کی طرح ہندو سماج کا زور بھی ختم ہو چکا ہے۔

ایک: سرٹینلی۔ سناتن سماج اوپر کا ہونٹ آکاش اور نیچے کا ہونٹ پاتال پہنچا کر منھ پھاڑے ہوئے چلاّ رہا ہے کہ باپ دادا کے آدرش سے منھ نہ موڑو۔ پراچین سکھیا نہ چھوڑو۔ سمندر پار پڑھنے یا ہُنر سیکھنے نہ جاؤ، کھان پان، جات پات کا بھید مت ہٹاؤ، اچھوت اُدّھار کے لیے دکھ کی سانس نہ بھرو۔ استری شکشا اور وِدھوا وِواہ کا پرچار نہ کرو، لیکن اس پکار کو ہم، تم، یہ، وہ کون سنتا ہے۔

چار: کوئی نہیں— ہم پڑھے لکھے سمجھ داروں میں سے ایک بھی نہیں، نوین بھارت کی نوین سنتان دیوتا، دھرم، سماج سب کو تلانجلی دے چکی ہے۔

(ڈاکٹر آتا ہے)

ایک: ہیلو، ڈاکٹر، یہ کیسی بیوقوفی، میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنا سارا دھن اور پراپرٹی اپنے استھاپت کیے ہوئے اناتھالے کو اَرپن کردی۔

دو: اجی کیول پراپرٹی ہی نہیں، میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ دن میں جتنی فیس ملتی ہے، اپنے خرچ بھر رکھ کر وہ بھی اناتھ بالکوں پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر: پیارے بھائیو، میں یہ سب کچھ اس لیے کر رہا ہوں کہ غریبوں کے بچے بڑے ہوکر اپنی روٹی آپ کما سکیں، لیکن افسوس ہے کہ فنڈ نہ ہونے کے کارن جو ہونا چاہیے وہ نہیں ہوسکتا۔

ایک: بٹ ڈاکٹر، یہ کیا چینج، تم تو ہم لوگ کی طرح اَپ ٹو ڈیٹ اینڈ پرفکٹ جنٹل

مین تھے، پھر کوٹ پتلون اُتار کر کُرتا دھوتی کب سے پہننا شروع کیا؟

ڈاکٹر: اُسی دن سے جس دن سے میں نے یہ سمجھا کہ دیش اور دیش کی بنی چیزوں سے پریم کرنے ہی میں ہمارا اُدھار ہے، جس دن یہ سمجھا کہ ہماری جیب کے روپیوں پر باہر کے پیٹ بھرے کاریگروں سے زیادہ اس دیش کے ننگے بھوکے کاریگروں کا ادھیکار ہے۔

ایک: تم کلکتہ یونیورسٹی کے بی اے اور مدراس یونیورسٹی کے ایل ایم ایس ہوکر کُرتا دھوتی پہنو گے تو پاگل سمجھے جاؤ گے۔

ڈاکٹر: دیسی آدمی کرتا دھوتی پہننے سے پاگل نہیں ہوتا، بلکہ کوٹ پتلون پہننے سے پاگل ہوجاتا ہے۔

تین: تو اس کے معنی ہیں کہ ہم سب کوٹ پتلون پہننے والے جنٹل مین پاگل ہیں؟

ڈاکٹر: پاگل کے سر پر بیل کی طرح سینگ نہیں ہوتے۔ جو دھرم، دیش، سماج، ماتا پتا، بندھو باندھو، نیتی انیتی، پنیہ پاپ، یہاں تک کہ اپنے آپ تک کو بھول جائے، وہی پاگل ہے۔ سنو، کوٹ پتلون پہنتے ہی آدمی اپنے کو صاحب بہادر اور اپنے غریب دیسی بھائیوں کو اَشُبھ جانور سمجھنے لگتا ہے۔ اُن کے دُکھ سکھ کا بھاگی بننے کو اپمان جانتا ہے، دوسرے دیش کی بُری سے بری چیز کی تعریف اور اپنے دیش کی اچھی سے اچھی وستو کا ٹھٹھا اُڑاتا ہے، اِس لیے میں کوٹ پتلون کو دھتکار کرتا ہوں اور انتہ کرن سے اپنے پراچین دیش کے پراچین پہناوے کُرتے دھوتی کو پیار کرتا ہوں۔

ایک: ڈاکٹر میرا جی چاہتا ہے کہ تمھیں اپنی نکٹائی سے پھانسی دے دوں۔ تم بالکل جنگلی آدمی ہو۔

ڈاکٹر: کیوں؟

ایک: کیونکہ تم آگے بڑھے ہوئے بھارت کو دھکیل کر دو سو برس پیچھے لے جانا چاہتے ہو، ہم لوگوں نے بڑی محنت سے ہندستان کو کوٹ پتلون پہنا کر آدمی بنایا تھا، مگر اب دیکھتا ہوں کہ تم اسے پھر دھوتی لنگوٹی پہنا کر جنگلی بنانا چاہتے ہو۔

ڈاکٹر: یدی دھرم آدرش، دیش کی بھکتی، جاتی کی سیوا، بڑوں کا ستکار، چھوٹوں کا پیار، نیتی انیتی کا وچار اور خودغرضی، لالچ، شراب، جوا، ویابھی چار پھیلانے والی نوین سبھیتا کو دھتکار کرنے کا نام جنگلی پن ہے، تب نشچے میرا نرنے سچا ہے۔ تمھاری راکشسی سبھیتا سے ہمارا دھارمک جنگلی پن لاکھ درجہ اچھا ہے۔

تین: اوہ سمجھ گیا، تمھارا بھیجا بیمار ہوگیا ہے۔ اس لیے تمھیں نوین سبھیتا کا انجکشن کرانا ہوگا۔

ایک: آل رائٹ ڈاکٹر— ہم کسی اور دن اس سبجیکٹ پر تم سے ٹاک کرے گا۔ کم آن ڈیئر۔ لٹ ہم گو ٹو ہیل۔

(ڈاکٹر کے سوا سب جاتے ہیں)

ڈاکٹر: میری جنم بھومی، تیری یہ کیا گتی۔ یہ کیسی دُردشا— ماتا تیری بس گود میں گنگا اور یمنا بہتی ہیں، آج اُسی گود میں وہسکی اور برانڈی کا فوارہ چھوٹ رہا ہے۔ ریل اور تار کے دوارا پورب اور پچھم مل رہے ہیں، کنتو آتما اور پرماتما کا سمبندھ ٹوٹ رہا ہے، دیا کرو، دیامے، اس دین دُربل بھارت پر دیا کرو۔

(ڈاکٹر جاتا ہے، رام سیوک کا آنا)

رام سیوک: ہُرّے ہُرّے، ہپ ہپ ہُرّے، لو بھائی مل گیا ٹین پاٹ، کر دیا باپ نے بیٹے کا بائیکاٹ، آج کل ولایت کے پڑھے ہوئے ہندستان آتے ہی اپنے باپ کے بھی باپ بننا چاہتے ہیں، لیکن یہ نہیں جانتے کہ آج کا ہندستان سو برس پہلے کا ہندستان نہیں ہے۔ اس لاؤلاؤ کے زمانے میں جب ایک کوچوان اور سائیس تک اپنا رائٹ نہیں چھوڑتا، تو پھر ایک باپ اپنے باپ ہونے کا حق کس طرح چھوڑ سکتا ہے۔ (سامنے دیوی کا مندر دیکھ کر) یہ کیا؟ دیوی کا مندر۔ ہائے ہائے۔ اِس بیرسٹر کی نوکری کرکے آچمن، پوجا پاٹھ سب چھوٹ گیا، آج کل دھرم پر وشواس رکھنے والے بیوقوف اور دھرم کا ٹھٹھا اُڑانے

والے عقل مند سمجھے جاتے ہیں، اس لیے میں بھی سویلائزڈ جنٹل مین کہلانے کے لیے نوین سبھیتا والوں کی ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔ اندر سے ٹھیٹھ ہندو ہوکر بھی باہر سے اپنے کو ناستک دکھاتا ہوں، کنتو اس وقت کوئی نہیں دیکھتا، جلدی سے دیوی کے درشن کا پنیہ پراپت کرلینا چاہیے— ماتا نمو۔ بھو تارنی نمو۔ پتت اُدّھارنی نمو۔

(مندر کی چوکھٹ پر ڈنڈوت کرتا ہے، اُسی وقت پربھاشنکر وہاں آتا ہے)

پربھاشنکر: آل فِنِشڈ، میں نے باپ اور باپ کے گھر دونوں کو کِک آؤٹ کردیا، جیسے ریس کا گھوڑا دھوبی کے گدھے کے ساتھ نہیں دوڑ سکتا، ویسے ہی نئے فیشن کا بیٹا اولڈ فیشن کے باپ کے ساتھ کبھی نہیں نباہ سکتا۔ (رام سیوک کو دیوی کے مندر کی چوکھٹ پر ڈنڈوت کرتا ہوا دیکھ کر) یہ کون؟ میرا پرائیویٹ سکریٹری، دیوی کے سامنے ڈنڈوت کرکے کوٹ پتلون کا اِنسلٹ کررہا ہے۔ (ڈانٹ کر) وِل رام سیوک۔

رام سیوک: (گھبرا کر) سر، سر، سر، ہائے ہائے۔ یہ ولایتی راکشس کہاں سے آگیا؟

پربھاشنکر: ویل، آئی ایم ویری ساری، تم لکھا پڑھا ہوکر دیوی کو ڈنڈوت کرتا ہے؟

رام سیوک: نو سر۔

پربھاشنکر: تو پھر مندر کی چوکھٹ پر لمبا لمبا لیٹ کر ناک کیوں رگڑ رہا تھا؟

رام سیوک: کیلے کے چھلکے پر پاؤں پھسلنے سے میں منھ کے بل زمین پر گرگیا تھا۔

پربھاشنکر: گرگیا تھا؟

رام سیوک: یس سر۔ (دیوی کے مندر کی طرف منھ کرکے) دیوی شما کرنا، نوکری جاتی رہے گی۔ اس لیے جھوٹ بول رہا ہوں۔

پربھاشنکر: دیکھو، اس نیو انڈیا کو بریڈ فورٹ کے کپڑے کے سوٹ، ڈربی کے بوٹ، پیرس کے سینٹ، لندن کے فرنیچر، امریکہ کے موٹر، اٹلی کے پیانو، سویڈن کی ماچس، ایجپٹ کے سگار اور اسکاٹ لینڈ کی وہسکی کی ضرورت ہے اور یہ سب آرام اور

فیشن کی چیزیں دھرم سے نہیں دھن سے ملتی ہیں۔ اس لیے ہماری ڈیوٹی ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی پوجا مٹائیں اور بھارت نواسیوں کو دھن کی پوجا سکھائیں۔

رام سیوک: بے شک دھرم کا نشٹ کرنا ہی آج کل مہادھرم ہے، یہ دیوی دیوتا، سورگ اور مکتی، کے سوا وہسکی اور موٹر کہاں سے دے سکتے ہیں۔

پربھاشنکر: یس، دِس اِز دی فیکٹ۔

رام سیوک: (دیوی کے مندر کی طرف منھ کرکے) ماتا غصہ نہ کرنا، میں کیول پیٹ کے لیے اِس اُلو کی ہاں میں ہاں ملا رہا ہوں۔

پربھاشنکر: اچھا، ہوٹل کے منیجر نے جو کمرے ہمارے لیے انگیج کیے ہیں، وہ لمبے چوڑے کمفرٹیبل ہیں نا؟

رام سیوک: یس سر۔ اتنے لمبے چوڑے کمرے ہیں کہ ان میں سرکس کے تین ہاتھی ایک ساتھ مل کر ناچ سکتے ہیں۔ (دل میں) اتنے چھوٹے ہیں کہ تین کتے بھی آرام سے ایک سنگ نہیں رہ سکتے۔

پربھاشنکر: اچھا تم کمرے میں سامان ٹھیک کرکے مجھے خبردو، میں سامنے کے بار روم میں بلیرڈ کھیل رہا ہوں۔

رام سیوک: آل رائٹ سر (جاتے جاتے پربھا کی نظر بچا کر دیوی کو پرنام کرتا ہے) ماتا پرنام۔

پربھاشنکر: (پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے) یہ کیا، پھر دیوی کو جھک کر دیسی بھاشا میں گڈ مارننگ کررہا ہے؟

رام سیوک: نو سر، میری جیب سے پیسے گر گئے تھے، انھیں جھک کر اُٹھا رہا تھا۔

پربھاشنکر: جاؤ، یو میڈ۔ (مارنے کو دوڑتا ہے، رام سیوک ہنستا ہوا چلا جاتا ہے) ہنسی، ہنسی، ایوری ٹائم ہنسی، جیسے دیسی جوتی کے ٹانکے ٹوٹ کر پھوسڑے نکل آتے ہیں، ویسے ہی بدمعاش ہر وقت دانت نکالے رہتا ہے۔ (جیب سے گھڑی نکال کر ٹائم دیکھتا ہے) او ہاف پاسٹ ٹین، بیوقوف آدمی کے ساتھ بیس منٹ ویسٹ ہوگئے۔

(بلیرڈ روم کی طرف جاتا ہے)

چھٹا سین

روی شنکر کا مکان

(پربھا شنکر کے چند قرض خواہ اور روی شنکر آتے ہیں
رادھا آڑ میں کھڑی ہوکر باتیں سنتی ہے)

روی شنکر. تو ہیملٹن اینڈ کو جوہری کی طرف سے تین ہزار سات سو کا بل لائے ہو؟

ایک. جی۔

روی شنکر: (دوسرے سے) اور تم پال کمپنی کی طرف سے گیارہ سو روپیے وصول کرنے آئے ہو؟

دو: جی۔

روی شنکر: کیا خریدا تھا؟

ایک: انھوں نے ہمارے فرم سے گرانڈ ہوٹل کی ایک ناچنے والی کو سونے کی رسٹ واچ اور ہیرے کا نکلس دلایا تھا۔

دو: اور اُسی لیڈی کے لیے ہماری شاپ سے دو مخملی باڈی اور ایک ساٹن کا ڈیننگ ڈریس بنوایا تھا۔

روی شنکر: (موٹر ڈرائیور سے) تمھارا کیا کہنا ہے؟

ڈرائیور: مہاشے پربھاشنکر نے میری موٹر چالیس روپے روز پر انگیج کرکے حکم دیا تھا کہ ہر وقت ہوٹل کے دروازے پر حاضر رکھو۔ ایک ہفتہ گزرنے پر جب میں نے بل مانگا، تب کچھ دن اِدھر اُدھر کے بہانے بنا کر ٹالا اور آخری تقاضے پر

مارنے کے لیے ہنٹر سنبھالا۔

رادھا: (دل میں) دیناناتھ، یہ میں سوامی کی کیا دُشاسن رہی ہوں۔

روی شنکر: تم لوگ بول چکے، اب میری سنو، میں اپنے دھن اور سہانوبھوتی سے پاپی کی سہایتا کرنا بھی پاپ سمجھتا ہوں— اُسے اپنے ہاتھ کا بویا ہوا کاٹنے دو— جاؤ، میں اُس کی طرف سے ایک پائی بھی ادا نہیں کروں گا۔

دو: ہمارے فرم نے اتنے روپے کا مال مسٹر پربھا شنکر کے وشواس پر نہیں، آپ کی ساکھ پر آپ کا بیٹا سمجھ کر دیا تھا۔

روی شنکر: بیٹا! کون بیٹا!! کیسا بیٹا!! جس کے ہردے میں پتا کا آدر، پتنی کا پریم، دیش کا ہت۔ دھرم اور کرتویہ کا سمان نہیں ہے، وہ کبھی میری سنتان نہیں ہے۔

ایک: بہتر ہے— آپ صاف جواب دیتے ہیں تو ہم کورٹ کے ذریعے وصول کرلیں گے۔

روی شنکر: تمھارے لیے ہر ایک راستہ کھلا ہوا ہے۔ جاؤ، یہ رہا دروازہ۔

(دونوں غصے میں چلے جاتے ہیں)

ڈرائیور: میرے لیے کیا حکم ہے؟ میں عدالت میں دعویٰ کر کے خرچہ سمیت تین سو دس روپے کی ڈگری کراچکا ہوں، اگر آپ نے روپے نہ دیے تو بیرسٹر صاحب کی ساری ہیکڑی بھلا دوں گا، آج ہی باڈی وارنٹ نکال کر، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا کر حوالات میں پہنچادوں گا۔

رادھا: کیا ہتھکڑی! حوالات!!

روی شنکر: تم سمن دو، وارنٹ نکالو، ہتھکڑی پہناؤ، جیل لے جاؤ۔سولی چڑھاؤ، لیکن میں اُس کے بچانے کے لیے روپیہ کیا، اپنے گھر سے جھاڑو کا تنکا بھی نہ دوں گا، سُن لیا، جاؤ، ملاقات ختم ہوئی۔

ڈرائیور: یوں تو یوں سہی، تھپڑ کا جواب گھونسے ہی سے دیا جائے گا۔ میں ابھی ہی کچہری جاکر وارنٹ نکالتا ہوں۔

(بگڑ کر چلا جاتا ہے)

روی شنکر: دعویٰ، گرفتاری، بے عزتی، جیل— جو کچھ ہورہا ہے، ٹھیک ہی ہورہا ہے— پتا دروہی سنتان کی یہی سزا ہے۔

رادھا: (سامنے آکر) دَیا، دَیا، پتا جی دَیا۔ اُن کا دیہہ اور پران آپ ہی کے دیہہ پران کا ایک بھاگ ہے۔ جب ایک انگلی کو چوٹ لگنے سے سارا دیہہ کانپ اٹھتا ہے، تو کیا ان کے دُکھ سے آپ کے ہردے کو دُکھ نہ ہوگا؟

روی شنکر: کبھی نہیں، ماش کی سفیدی کے برابر بھی نہیں۔

رادھا: پتا جی، نہیں۔ جیسے طوفان سمندر کے اوپر ہی اوپر رہتا ہے، ویسے ہی سنتان کے لیے کرودھ اور دھتکار کے شبد بھی ماتا پتا کے ہردے سے نہیں، کیول مکھ سے نکلتے ہیں۔ اس لیے کہیے— کہیے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سچے دل سے نہیں، کیول غصے سے کہہ رہا ہوں۔

روی شنکر: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، پرنتیا پُورو ک کہہ رہا ہوں اور سوچنے سمجھنے اور انتم نرنے کرنے کے بعد کہہ رہا ہوں۔ دیا اور اسنیہہ کا سے گزر چکا— مدت ہوئی کہ پربھا میرے لیے اور میں پربھا کے لیے مر چکا۔

(آنسو پونچھتا ہوا چلا جاتا ہے)

رادھا: آہا— کیسا پریورتن! کل تک جس بوڑھی چھاتی کے اندر سنتان سنیہ کا سمندر لہرا رہا تھا وہی چھاتی ممتا اور اسنیہ سے شونیہ ہوکر آج مرو بھوی ہوگئی ہے۔ (سوچتی ہے) شکتی نہیں، سہایک نہیں، دھن نہیں، پھر کہاں جاؤں، کس طرح سوامی کو آنے والی آپتی سے بچاؤں۔ نہیں نہیں، میں ایک بار اور پتا جی کو ہاتھ جوڑ کر سمجھاؤں گی، یدی اس پر بھی ان کا دل نہ پسیجا تو اپنے کپڑے اور زیور بیچ کر اپنے سوامی کو بے عزتی اور جیل سے بچاؤں گی۔

ساتواں سین

ہوٹل

(مختلف ٹیبلوں پر فیشن ایبل آدمی بیٹھے ہوئے شرابیں پی رہے ہیں۔ خانساماں اور بوائے حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ سامنے ایک بار میڈ ناچ رہی ہے)

سب: (ناچ ختم ہونے پر تالیاں بجا کر) ہیر — ہیر — اکسیلنٹ۔

بارمیڈ: (تعریف پر مسکرا کر) تھینک یو۔

(اِٹھلاتی ہوئی چلی جاتی ہے)

ایک: (ہوٹل کے بوائے کو پکارتا ہے) بوائے۔

بوائے: سر۔

ایک: برنگ دی بل۔

بوائے: آل رائٹ سر۔

(بل لانے جاتا ہے)

دو: ڈیر، دیکھا ولایت کا فیشن، ولایت کا ڈریس، ولایت کا کھانا، ولایت کی شراب، ولایت کا ڈینس، آل گڈ — ایوری تھنگ گرانڈ۔

تین: آہاہا، کیا ناچ تھا، ایک ہمارا دیسی ناچ ہے کہ جب ناچنے والی ایک ہاتھ سے گھونگھٹ کا سرا اور دوسرے ہاتھ سے پشواز کا کونا پکڑ کے بدن مٹکا اور کمر

لچکا کر گت بھرتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لنگڑی بطخ کیچڑ میں رینگ رہی ہے اور جب یہ ولایتی پریاں ایک ٹانگ نیچے اور ایک ٹانگ سر پر لے جا کر چکّر کاٹتی ہیں، تب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریس گراؤنڈ میں گھوڑیاں دوڑ رہی ہیں۔

دو: ڈیر، افسوس ہے کہ ہمارے دیش کی عورتیں، پتی کا گھر، گھونگھٹ اور پردہ نہیں چھوڑتیں، اس لیے ولایتی سوسائٹی ہمیں اَن سویلائزڈ سمجھتی ہے، آہ وہ دن کب آئے گا جب ہماری استریاں بھی ہمارے ساتھ ہوٹلوں میں آکر وہسکی اور برانڈی کا پیگ اُڑائیں گی اور گھٹنے تک کا گھگھرا اور آدھے سینے تک کا جاکٹ پہن کر پتی کے سامنے پر پُرش کے سنگ ناچ کے ولایتی سوسائٹی میں ہماری عزت بڑھائیں گی۔

چار: ڈیر، کوشش کرنے سے بھارت کے مرد سدھر سکتے ہیں۔ مگر یہاں کی عورتیں کبھی نہیں سدھر سکتیں۔

ایک: کس لیے؟

چار: اس لیے کہ ان کی ماتائیں انھیں بچپن ہی میں اپنے دودھ کے ساتھ سیتا اور ساوتری کا چرتر گھول کر پلا دیتی ہیں۔ بھارت کی استریاں پتی کی سیوا کرنا اور پتی کے مرنے کے بعد اُس کے ساتھ ستی ہوجانا یا سارا جیون پتی کے نام کی مالا جپتے ہوئے گزار دینا، بس اتنا ہی جانتی ہیں، اس کے سوا وہ اس دنیا میں نہ کچھ جانتی ہیں اور نہ جاننا چاہتی ہیں۔

(بوائے پلیٹ میں بل لے کر آتا ہے)

بوائے: سر۔

(بل پیش کرتا ہے)

ایک: (بل چکانے کے بعد کچھ آنے پلیٹ میں چھوڑ کر) یہ تمھارا بخشش ہے۔

بوائے: (سر جھکا کر) بہت سلام صاحب۔

دو: (جاتے جاتے) آہ بھارت، بھارت ہم سب ولایت جا کر سدھر گئے، اب تُو

کب سُدھرے گا؟

(سب نشے میں لڑکھڑاتے، چھڑیاں گھماتے اور سیٹی بجاتے ہوئے جاتے ہیں)

پہلا بوائے: (اُن آدمیوں میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے دوسرے سے) دوست تم نے اُسے پہچانا؟

دوسرا بوائے: ہاں، یہ وہی ہے نا جو کل ٹاؤن ہال میں لکچر دے رہا تھا کہ گوشت کھانا اور شراب پینا مہا پاپ ہے۔

پہلا بوائے: ہاں، یہ وہی پاجی ہے، دوسرے کے سامنے لمبے چوڑے لکچر دے کر گوشت کھانے اور شراب پینے کو بُرا بتاتا ہے اور خود ہر روز ہوٹل میں یاروں کے ساتھ آ کر مٹن چاپ اور برانڈی کے پیگ اُڑاتا ہے۔

دوسرا بوائے: اب تمھیں بتاؤ، کیا ایسے ہی بگلا بھگت ریفارمر اور لیڈر گرے ہوئے بھارت کو اٹھائیں گے؟

پہلا بوائے: اجی جھاڑو مارو ان جھوٹوں کے منھ پر، یہ نوین بھیتا کا جھنڈا اُڑانے والے خود بھی ڈوبے ہیں اور بھارت کو بھی ڈُبائیں گے۔

(مسٹر وِلسن نامی ایک شخص یوریشین مسافر اپنے کمرے سے غصے میں بکتا ہوا آتا ہے)

وِلسن: او مائی گاڈ، واٹ اے بوگس ہوٹیل۔ بوائے (چلّا کر) بوائے (اور چلا کر) یو اِسٹوپڈ کریچر۔

بوائے: (گھبرا کر) سر، سر۔

وِلسن: روم نمبر ففٹی نائن میں کون پانجر ہے؟

بوائے: مسٹر پربھاشنکر بیرسٹر۔

وِلسن: وہ بیرسٹر نہیں، ایک دم اُلّو ہے، دو پاؤں کا گدھا ہے— سائڈ کے روم میں ہمارا سسٹر سک ہے، اور وہ جانور کا مافک آدمی زور زور سے وائلن بجاتا ہے اور اُس کا کمپنین دیسی گانا گاتا ہے۔

بوائے: وہاٹ سر، ولایتی ہوٹل میں دیسی گانا؟ ایسی بڑی گستاخی!

ولسن: یس، کبھی بولتا ہے کہ، جاؤ جاؤ مسٹر کنھائی ہمرا سنگ رار کا ہے کو مچائی، کبھی چلاتا ہے— مجا دیتا ہے کیا یار تیرا بال گھونگھر والا— او۔ او— دونوں گدھا لوگ نے ہمارا بھیجا کھا ڈالا۔

بوائے: سر آپ تو ہمارے دیش کی بھاشا اچھی طرح سمجھتے اور بولتے ہیں، پھر ہمارے دیش کا گانا کیوں پسند نہیں کرتے؟

ولسن: ہم گانے سے نہیں، اس کا چلّانے سے غُصہ ہے، دیکھو، ہم کو انڈیا کا ریلجس تھاٹ، فلاسفی، سیویلیزیشن، میز، ایٹی کیٹ سب پسند ہے، البتہ جب کوئی دیسی اپنے دیش کا سسٹم چھوڑ کر کوٹ پینٹ پہن کے کالے بندر کے مافک ولایت کے آدمی کا نقل بناتا ہے، تب ہمیں اُس کے فولش نس پر بڑا غُصہ آتا ہے، کتنا شرم کا باٹ ہے کہ وہ انڈین ہوکر اپنا دیسی گانا بھی ولایتی ٹون میں گاتا ہے۔

پہلا بوائے: سر، آپ سوری ہیں کہ آج کل کے دیسیوں نے اپنا سسٹم چھوڑ دیا، لیکن وہ تو مجبور ہیں کہ مارکیٹ میں ولایتی آدمی کی کھال نہیں بکتی، نہیں تو جس طرح کوٹ پتلون کے شوق میں کُرتا دھوتی اُتار پھینکا، ویسے ہی گوری کھال پہن کر صاحب بننے کی دُھن میں اپنے بدن کی کالی کھال بھی اُتار کر پھینک دیتے۔

دوسرا بوائے: سر، وہ دونوں اوپر ہی آرہے ہیں۔

ولسن: لِٹ دیم کم۔ آج ہم اُن کو برابر لیسن دے گا۔

(غصے میں ٹہلتا ہے، پربھاشنکر اور رام سیوک آتے ہیں)

پربھاشنکر: وِل رام سیوک۔

رام سیوک: یس مائی لارڈ۔

پربھاشنکر: یہاں کیسا سُکھ، کیسا آنند ہے۔ دیکھو ہندو لوگ جس کو سورگ کہتا ہے اُسی کو ہم لوگ ہوٹل کہتا ہے۔

رام سیوک: یس سر، آپ تو جس وقت ہوٹل میں آئے، اُسی وقت سے سورگ واسی ہوگئے۔

پربھاشنکر: یس، اِٹ اِز مائی ہیون۔ اِٹ اِز مائی سورگ۔
رام سیوک: سر، موٹر کار کا اونر تو تین سو دس روپیہ کی ایکس پارٹی ڈگری کراچکا، آج ہملٹن اور پال کمپنی کے آدمی بھی دعوے کی دھمکی دے گئے ہیں۔
پربھاشنکر: دین؟
رام سیوک: بل چکانے کی فکر کیجیے، اگر کوئی وارنٹ یا ڈگری آدھمکی تو یہی سورگ ٹرانسفر ہوکر نرک بن جائے گا۔
پربھاشنکر: او، ڈونٹ کیئر، ہم بڑا آدمی ہے، اس لیے چھوٹا کچہری میں جانا نہیں چاہتا، ہائی کورٹ میں ایک ہی پوائنٹ سے سب کیس ڈِس مِس کرا دے گا۔
ولسن: (سامنے آکر) ول، روم نمبر ففٹی نائن تم اَنگیج کیا ہے؟ تمھارا ہی نام پربھاشنکر ہے؟
رام سیوک: یس ہز لارڈشپ، یہ آنریبل پربھاشنکر بیرسٹر ہیں اور میں ان کا پرائیویٹ سکریٹری رام سیوک پانڈے ہوں۔
پربھاشنکر: جنٹل مین تم ہندستانی نہیں ہے، پھر ہندستانی میں کاہے کو بات کرتا ہے، یو آر ناٹ اے دیسی فیلو۔ وِین وہائی یو آر ٹاکنگ وِتھ می اِن دیسی لینگویج؟
ولسن: اس لیے کہ تم جانور ہے اور جانور ہمارا ولایتی بات نہیں سمجھ سکتا۔
پربھاشنکر: واٹ ڈو یو مین ٹو سے ہم جانور، مسٹر پربھاشنکر جانور؟
ولسن: یس شیورلی، یو آر اے جانور۔
رام سیوک: سر، یہ آدھا گورا آدمی کیا بول رہا ہے، ولایت میں بیرسٹری کے ساتھ کیا جانور بننے کی بھی ڈگری دی جاتی ہے؟
پربھاشنکر: شٹ اَپ۔
ولسن: دیکھو، تم جب سے یہاں آیا ہے، وائلن بجا بجا کے آس پاس کے پاسنجروں کو ٹربل دے رہا ہے، اس لیے ہم آرڈر دیتا ہے کہ تم اپنا بیڈنگ اور ٹرنک لے کر ابھی ہوٹل سے باہر نکل جاؤ۔
پربھاشنکر: تم آرڈر دیتا ہے، اور ہم کو آرڈر دیتا ہے، تم نہیں جانتا کہ ہم ولایت کا پڑھا ہوا بیرسٹر ہے۔

ولسن: گوڈ ہیل، تمھارے جیسا بیرسٹر ہمارے ولایت میں حجامت بناتا ہے۔
رام سیوک: انسلٹ، گریٹ انسلٹ، سر، ہم اور آپ کبھی گنگا اشنان کرنے نہیں گئے، لیکن اب شرم سے ڈوب مرنے کے لیے ضرور جانا پڑے گا۔
پربھاشنکر: ہیٹری۔ تم نے ہمارا ڈس گریس کیا ہے، اس لیے گھٹنے ٹیک کر اپالوجی مانگو، نہیں تو تلوار پکڑ کر ہمارے ساتھ ڈوئیٹ لڑو، (رام سیوک سے) جاؤ، دو تلواریں لے آؤ۔
رام سیوک: سر انگریزی ہوٹل میں چھری کانٹے کے سوا تلوار کہاں سے ملے گی؟ کہیے تو لڑنے کے لیے دو جھاڑو لے آؤں۔
ولسن: یو میڈ مگر، ہمارے ساتھ فائٹنگ کرے گا؟ آل رائٹ کم آن۔
رام سیوک: سر گو آن، دیکھیے ہمت سے مار کھایئے گا، نہیں تو ولایت میں آپ کے نام کی ہیٹی ہوجائے گی۔
پربھاشنکر: آل رائٹ، کم آن۔

(دونوں لڑتے ہیں، رام سیوک دور کھڑا خوشی سے تماشا دیکھ رہا ہے)

رام سیوک: واہ، واہ، شاباش، ہیر ہیر— اھوھو— یہ معلوم ہوتا ہے کہ نپولین اور ولنگٹن سے لڑائی ہورہی ہے۔ (پربھا سے) گھبرانا نہیں، پٹے جاؤ— میں سخت ضرورت پر تمھیں مدد دینے کے لیے غور کروں گا۔
پربھاشنکر: (بے دم ہوکر) رام سیوک، ہیلپ— مدد کر، اب میں بے دم ہوچلا۔
رام سیوک: نو سر— مدد کرنا آپ کا انسلٹ ہے، یہ مارنے سے نہیں گھبراتا تو آپ مار کھانے سے کیوں گھبراتے ہیں۔
پربھاشنکر: رام سیوک، دم پھول گیا۔
رام سیوک: ہمت رکھیے، ہمت رکھیے، یہ آپ مارتے مارتے تھک جائے گا۔

(پھر لڑائی ہوتی ہے، اُسی وقت رادھا مردانہ لباس میں وہاں آتی ہے)

رادھا: یہ کیا؟ یہ صاحب بھوکے شیر کی طرح کیوں بپھرا ہوا ہے۔

(پربھا شنکر بے دم ہوکر گر پڑتا ہے)

رام سیوک: سر، یہ کیا؟ اتنی ہی مار میں پتلون ڈھیلی ہوگئی، پھر کھڑے ہوجایئے، نہیں تو نوین فلکشا کی لٹیا ہی ڈوب جائے گا۔

ولسن: (ہاتھ پکڑ کر) گِٹ اَپ، فائٹ اَگین۔

(پھر دونوں لڑنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، رادھا سامنے آکر انھیں لڑنے سے روکتی ہے)

رادھا: بس صاحب، بس۔

وِلسن: گٹ اے سائڈ، آئی وِل کِل ہم۔

رادھا: نہیں، نہیں، اتنا غصہ نہ کیجیے۔ اگر ان سے کوئی اَپرادھ ہوا ہے تو اُس اَپرادھ کی سزا ان کے بدلے مجھے دیجیے۔

رام سیوک: ارے بھائی ہٹ جا، تو کیوں بیچ میں بلیدان کا بکرا بنتا ہے۔

وِلسن: آئی وِل شو ہم، ہو ایم آئی، یہ کوٹ پتلون پہن کر جس طرح اپنے غریب دیسی بھائیوں کو انڈیا کا وائسرائے بن کر ڈراتا ہے، ویسا ہی ہم ولایت کے لوگوں کو بھی دھمکاتا ہے، ہمارا اسٹر سِک ہے، اور یہ بروٹ وائلن بجا بجا کر گانا گاتا ہے۔

رام سیوک: سر، زیادہ چوٹ لگی ہو تو خیراتی شفاخانہ سے دوا مانگ لاؤں۔

وِلسن: (رادھا سے) جنٹل مین، تم اس سے بولو کہ ایک گھنٹہ میں ہوٹل چھوڑ دے نہیں تو ہم اسے فٹ بال کی طرح کِک مار کر دروازے سے باہر پھینک دے گا۔

(وِلسن چلا جاتا ہے، موٹر ڈرائیور، بیلف اور عدالت کے سپاہیوں کے ساتھ آتا ہے)

ڈرائیور: یہ رہا اسامی، گرفتار کرلو۔

پربھاشنکر: کیا ہے؟ تم کون ہو؟

بیلف: میں عدالت کا بیلف ہوں، تم نے ڈگری کے تین سو دس روپے اب تک ادا نہیں کیے اس لیے مدعی نے عدالت سے تمھاری گرفتاری کا وارنٹ جاری کرایا ہے۔

رام سیوک: کیا وارنٹ؟ آنریبل مسٹر پربھاشنکر کی گرفتاری کا وارنٹ؟ سر، کیا دیکھتے ہیں۔ ماریے، ایک گھونسا کہ اس کی بیگن جیسی ناک پچک کر سیم کی پھلی بن جائے۔

پربھاشنکر: تو کیا یہ واقعی مجھے گرفتار کرنے آیا ہے؟

رام سیوک: اور نہیں تو کیا اپنے بیٹے کی شادی کا نیوتا دینے آیا ہے۔

بیلف: سنتے ہو، ڈگری کے روپے ادا کرو، اور نہیں ادا کرتے تو میرے ساتھ چلو۔

پربھاشنکر: ساتھ چلوں، کہاں؟

ڈرائیور: وہیں، جسے بدمعاش لوگ اپنی سسرال کہتے ہیں۔

پربھاشنکر: چپ رہو، یو بے شرم۔

ڈرائیور: بے شرم میں ہوں کہ بے شرم تو ہے، جب کمانے کی لیاقت اور گانٹھ میں پیسے نہ تھے تب ہوٹلوں میں رہنے، شاپوں میں پھرنے، موٹروں میں سیر کرنے اور ناٹک کے بناوٹی راجا کی طرح دیسی ہوکر صاحب بہادر بننے کی کیا ضرورت تھی — ہونھ — گھر میں نہیں دانے اور اماں چلیں بھنانے۔ دھر ڈگری کے روپے، ورنہ چل جیل خانے۔

رام سیوک: ابے او شوفر، زبان کی موٹر اتنی تیز نہ چلا، نہیں تو منھ میں پنچر ہوجائے گا۔

پربھاشنکر: اُف، میں نے کبھی یہ وِچار بھی نہیں کیا تھا کہ ہندستان میں ایک بیرسٹر کی اتنی بے عزتی ہوسکتی ہے، رام سیوک اب کیا کروں؟ جاؤ، پاپا سے بولو کہ اس وقت میری مدد کرے۔

رام سیوک: پاپا سے کہوں؟ کس پاپا سے؟ وہی پاپا، جس کے بدن سے بدبو آتی تھی، نو سر، ولایت کے شکشا پائے ہوئے بیٹے کو دیسی باپ سے کبھی مدد نہ مانگنی چاہیے۔

ڈرائیور: مسٹر بیلف، کیا سوچ رہے ہو، گردن میں ہاتھ دے کے دروازے کی طرف کیوں نہیں رگیدتے۔

بیلف: میں عدالت کے حکم سے عدالت کے وارنٹ پر تم کو گرفتار کرتا ہوں۔ سپاہیو۔

لے چلو۔

(سپاہی پربھاشنکر کو گرفتار کرنے کے لیے بڑھتے ہیں)

رادھا: ٹھہرو، تھوڑی سی رقم کے لیے ایک شریف کی بے عزتی نہ کرو۔ یہ لو ڈگری کے روپیے۔

(رادھا نوٹ نکال کر بیلف کو دیتی ہے)

بیلف: (ڈرائیور کو روپیہ دے کر) پورے تین سو دس ہیں۔ گن لو؟ (سپاہیوں سے) ڈیوٹی ختم ہوئی، چلو۔

ڈرائیور: (پربھاشنکر سے رادھا کی طرف اشارہ کرکے) اس بھلے آدمی کا اُپکار مان۔ یہ نہ بچاتا تو جس طرح میونسپلٹی کے بھنگی سڑک پر مرے ہوئے گدھے کو ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لے جاتے ہیں، اسی طرح تجھے بھی کھینچ کر لے جاتا — لوفر — سفید ٹھگ۔

(ڈرائیور، بیلف اور سپاہی جاتے ہیں)

رام سیوک: سر، سر کیوں کھجلا رہے ہیں؟

پربھاشنکر: میں سمجھتا تھا کہ اپنا دھرم، بھاشا، جاتی، سماج، پِتا، پتنی، سب کچھ تیاگنے، ہوٹلوں میں رہنے، فیشن اور پارٹی پر اُدھا دُھند خرچ کرنے سے غیروں میں لرنیڈ اور اِڈوانس سمجھے جائیں گے، اپنے دیس اور دیسی بھائیوں سے جتنی گھرنا کریں گے، اُتنی ہی ولایتی سوسائٹی میں عزت پائیں گے. کیا وہ عزت یہی ہے؟ اوہ، میں جاگرت اوستھا میں کیسا وچتر سوپن دیکھ رہا تھا۔

رادھا: پریہ وَر، جس طرح گیدڑ شیر کی کھال پہننے سے شیر نہیں ہوسکتا، ویسے ہی کوٹ پتلون پہن کر، برانڈی کا پیگ اور سِگار کا دھواں اُڑانے سے دیسی آدمی ولایتی سماج میں مان نہیں پاسکتا، اپنی آج کی بے عزتی کا کارن آپ خود

ہیں، یاد رکھیے — دنیا نام نہیں، کام دیکھتی ہے، ذات نہیں گن پوچھتی ہے، دیہہ کی سجاوٹ نہیں، آتما کی اُچتا ڈھونڈھتی ہے، جو آدمی اپنے دیش اور جاتی کی عزت نہیں کرتا، اُس آدمی کی دنیا میں کسی جگہ عزت نہیں ہوتی۔

پربھاشنکر: سچ کہتے ہو، تم سچ کہتے ہو، آج کی ٹھوکر نے مجھے ہمیشہ کے لیے جگا دیا۔ اِس موٹر ڈرائیور اور اس یوریشین جنٹل مین کا احسان مند ہوں کہ انھوں نے میرا اپمان کرکے مجھے آج دیش اور دھرم کا مان کرنا سکھادیا۔

رام سیوک: لوگ سچ کہتے ہیں کہ مار سے بھوت بھاگتا ہے، دیکھیے آپریشن ہوتے ہی گھاؤ بھرگیا، پانچ ہی دس گھونسے اور ایک ہی ڈگری میں ولایتی شکشا کا بھوت سر سے اُتر گیا۔

رادھا: بھرتر جب دیسی لوگ کوٹ پتلون پہن کر ولایتی سماج میں جاتے ہیں تو اُس سماج کے ممبر منھ پر اُن کی آدبھگت کرتے لیکن اُن کے جانے کے بعد اُن کی بیوقوفی پر ٹھٹھا اڑاتے ہیں، اگر آپ ولایتی اور دیسی دونوں سماجوں میں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اپنی شکشا، انوبھو اور نسوارتھ سیوا سے اپنے بھائیوں کا اُدھار کیجیے اور اِس نوین سبھیتا اور بدیسی پہناوے کو تیاگ کر اپنے دیش کا پہناوا اور سبھیتا اختیار کیجیے۔

پربھاشنکر: یہی ہوگا۔ ایسا ہی ہوگا، اب میں ہوں اور دھرم، دیش کا پیار ہے، آج سے کوٹ پتلون پہنوں تو مجھ پر دھکار ہے۔

رادھا: کیوں مہاشے رام سیوک تمھارا کیا وچار ہے؟

رام سیوک: ابھی جیسے بندوق میں بارود رہتی ہے، ویسے ہی یہاں پہلے ہی سے کوٹ پتلون کے اندر کرتا دھوتی تیار ہے، یہ دیکھیے۔

(دھوتی کُرتا پر پہنا ہوا کوٹ پتلون اُتار دیتا ہے)

رادھا: (دھوتی کرتا پہنے ہوئے دیکھ کر) ہیں — یہ کیا؟

رام سیوک: یہ یہی کہ آج سے میں بھی دیسی اور پہناوا بھی دیسی، کوٹ پتلون کی ایسی تیسی۔

پربھاشنکر: مہاشریشٹھ اور مہادیالو پرش، میں تمھارے اُپکار، تمھاری شکشا اور تم کو اس جیون میں کبھی نہ بھولوں گا، بولو، بولو، تم کون ہو؟ میں کس نام سے دوسروں کے سامنے تمھارا گن واد کروں؟

رام سیوک: ہاں، بھائی۔ نام نشان بتا دو، تم تو دان بینک ہو، کبھی روپے کی ضرورت ہوئی، تو کس پتے پر تمھیں ڈھونڈھوں گا؟

رادھا: (مردانہ لباس اُتار کر اصل صورت میں ظاہر ہوتی ہے) جیون پربھو، میں ہوں آپ کی چرن داسی۔

پربھاشنکر: (حیران ہوکر) کون! رادھا!!— تم اور اِس جگہ؟

رادھا: ناتھ، میں یہاں آنے کا ساہس کبھی نہ کرتی، لیکن پتا جی سے آج کے وارنٹ اور گرفتاری کی خبر سن کر دل نہ مانا اور لوک لجا چھوڑ کر آپ کی رکشا کرنا میں نے اپنا پرتھم دھرم جانا۔

پربھاشنکر: دھنیہ ہے دیوی، دھنیہ ہے،ہم بھارت کے مرد تو پشچم سے آئی ہوئی لہروں میں بہتے ہوئے رساتل کو پہنچ چکے، یہ اس دیش کی ستی استریوں کا پنیہ پرتاپ ہے جس سے سنسار کے اندر اتنا گر جانے پر بھی ابھی تک بھارت کا سر اونچا ہے۔

رام سیوک: واہ واہ، اب تو ولایت کا پڑھا ہوا طوطا ٹیں ٹیں کے بدلے رام رام بولنے لگا۔

رادھا: پربھو، اب اِس اُپوتر جگہ کو آج ہی بلکہ اسی وقت تیاگ دیجیے، میں آگے جاتی ہوں اور آپ کے وِچار پریورتن کا شبھ سمواد سنا کر پتا جی کو مگدھ بناتی ہوں۔

(پربھاشنکر کو پرنام کرکے جاتی ہے)

— گانا —

پربھاشنکر: دیا ہے تمھیں دھنیہ ہو کہ تم نے ایک ہی ٹھوکر سے میری آنکھیں کھول دیں۔ رام سیوک۔

رام سیوک: یس، مائی ونڈرفل سر۔

پربھاشنکر: (بگڑ کر) سَر کی ایسی تیسی، ہم کو آج سے سرمت بولو۔

رام سیوک: سرنہیں تو کیا بولوں؟

پربھاشنکر: آج سے اپنے دیش کی بھاشا میں بات کرو، سر کے بدلے مہاشے کہہ کے پکارو۔

رام سیوک: اچھا، مہاشے جی، کیا آ گیا ہے؟

پربھاشنکر: میں آج ہی اس ہوٹل کے ساتھ یہ ڈریس بھی چھوڑ دینا چاہتا ہوں، ابھی بازار جاؤ اور میرے لیے کھدر کا کُرتا اور دھوتی خرید لاؤ۔

رام سیوک: دیش بھگتی کی جے— کھدر کی جے—

آٹھواں سین

گرانڈ ہوٹل کے سامنے کا راستہ

(جے رام پاگلوں کی طرح غصے اور جوش میں بھرا ہوا آتا ہے)

جے رام: رات کے آکاش کو بادل، بجلی، گرج نے ڈھانک لیا ہے، جس طرح بھوک سے بلبلاتے ہوئے اس دیش کے غریبوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھارائیں بہتی ہیں، ٹھیک اُسی طرح بادلوں سے موسلادھار پانی پڑرہا ہے، سڑکیں ندیاں بن گئی ہیں۔ پانی کے ریلے میں راستے کے کوڑا کرکٹ کے ساتھ پیدل چلنے والے غریب بہے جارہے ہیں۔ پولس کے سپاہی واٹر پروف میں لپٹے اور بوچھار سے بچنے کے لیے منھ پر چھتریوں کی آڑ کیے ہوئے مکانوں کے برآمدوں کے نیچے دبکے کھڑے ہوئے ہیں، بادل کے گرجنے اور پانی کے بہنے کے شور کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی، امیر اپنے محلوں میں مزدور اپنے جھونپڑوں میں، جانور اپنے بھٹوں، گھونسلوں میں آرام سے سو رہے ہوں گے، کیول ایک میں ہوں جو بیوی بچوں کو بھوک کی موت سے بچانے کے لیے طوفان میں اُڑتے پتے کی طرح، پانی میں بہتے ہوئے تنکے کی طرح، درختوں اور مکانوں سے سر ٹکراتی ہوئی ہوا کی طرح مارا مارا پھر رہا ہوں، میرے غریب بچو! یہ فاقے کی دوسری رات ہے۔ کیا آج بھی تم اپنی ماں کے جھوٹے دلاسوں پر بھروسا کرکے روتے روتے بے دم ہوکر سوجاؤگے؟ کیا آج بھی تمھیں ایک روٹی کا ٹکڑا نہ ملے گا؟ ہے ایشور۔ اب نہیں سہن ہوسکتا، میرے بیوی بچے بھوک

سے مر رہے ہیں۔ مجھے ان کا جیون چاہیے، تمھارا سورگ نہیں چاہیے۔

(پربھاشنکر چھتری لگائے ہوئے کہیں باہر سے آتا اور چھتری بند کر کے ہوٹل میں جانا چاہتا ہے)

پربھاشنکر: زیادہ کرایہ پانے کے لالچ میں بھی کوئی گاڑی والا اس آندھی پانی میں خود کو اور اپنے گھوڑوں کو تکلیف دینے پر راضی نہ ہوا، کیا کروں۔ آج کی رات بھی مجھے اسی فیشن کے نرک میں بتانی ہوگی۔

جے رام: سدا جاگنے والے ایشور کے سوا کوئی نہیں دیکھتا ہے...... چھین لوں؟...... چھین لینا ہی چاہیے...... یہ اپنی جیب کے روپے ہوٹل میں جاکر پاپ میں نشٹ کرے گا، اور میں پنیہ میں خرچ کروں گا، ہاں ہاں۔ بیوی بچوں کے پران بچانے سے بڑھ کر کوئی پنیہ نہیں ہے۔

(پربھاشنکر ہوٹل میں جانا چاہتا ہے، جے رام دوڑ کر اُسے گلے سے پکڑ لیتا ہے)

پربھاشنکر: تو کون؟

جے رام: جیب میں جو کچھ ہو رکھ دے۔

پربھاشنکر: بدمعاش— ڈاکو......

جے رام: چپ......

(ایک ہاتھ سے گلا دباتا اور دوسرا ہاتھ جیب میں ڈال کے نوٹوں کا پیکٹ نکال کر بھاگ جاتا ہے)

پربھاشنکر: چور چور— پولس پولس۔

(ایک پولس افسر دو سپاہیوں کے ساتھ آتا ہے)

افسر: کیسا شور؟— کیا ہوا؟

پربھاشنکر: وہ دیکھو، سامنے دیکھو، چور میری جیب سے نوٹوں کا پیکٹ نکال کر بھاگا جا رہا ہے۔

افسر: یہ تو چوری نہیں، ڈاکا ہے۔ (سپاہیوں سے) دوڑو— پکڑو۔

(افسر اور سپاہی جے رام کے پیچھے بھاگتے ہیں)

پربھاشنکر: یہ کون تھا، پیشہ ور چور یا بھوکا شریف؟ میں نے بھول کی جو گھبراہٹ میں پولس سے مدد مانگی۔

(سوچتا ہوا ہوٹل میں جاتا ہے)

نواں سین

جے رام کا گھر

جے رام: (گھبرایا ہوا ہاتھوں میں نوٹ لیے آتا ہے) مورکھ ہردے، شور بند کر۔ جس کام کو میں پاپ نہیں سمجھتا۔ اُسے تو کیوں پاپ کہہ رہا ہے؟

لڑکا: پتا جی، تم آگئے۔

تارا: ناتھ، اتنا گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟ یہ کیا تم تو کانپ رہے ہو۔

جے رام: کانپ رہا ہوں؟ میں؟ شاید— تارا، آدمی کیوں کانپتا ہے؟

تارا: جب اُس سے کوئی پاپ ہوتا ہے۔

جے رام: یدی دنیا میں سوریہ نہ ہو، تب تم سمے کے ایک حصے کو دن اور دوسرے بھاگ کو رات کہو گی؟

تارا: نہیں۔

جے رام: تو پھر جب اس دنیا سے دھرم کا تیج نشٹ ہو چکا، تب تم ایک کام کو پنیہ اور دوسرے کو پاپ کیوں کہتی ہو، سب جھوٹ، سب دھوکا، جگت میں کہیں پنیہ نہیں ہے، اس لیے کہیں پاپ بھی نہیں ہے۔

تارا: آج ایسی باتیں کیوں کرتے ہو، کہو کچھ محنت مزدوری سے ملا؟

جے رام: جب آدمی شیر کی طرح جھپٹ مار کر اپنی خوراک پیدا کرسکتا ہے، تب اُسے بیل کی طرح محنت کرکے روٹی کمانے کی کیا ضرورت ہے— یہ لو۔

(نوٹ دیتا ہے)

تارا: اتنے روپے کہاں سے ملے؟

جے رام: کہاں سے ملے، سنو گی؟ سنو— چوری کرکے، ڈاکا مار کے۔

تارا: (گھبرا کر) چوری! ڈاکا!!

جے رام: ہاں، جب نوکری، مزدوری، اُدھار کچھ نہیں ملا، تب میں نے سمجھ لیا کہ یہاں اور وہاں کہیں نیائے نہیں ہے، چوری کے سوا تم تین دن کے بھوکوں کی پران رکشا کا اور کوئی اُپائے نہیں ہے۔

تارا: (روکر) ناتھ، جو نہ ٹھنڈا ہو وہی سورج، جو نہ سوکھے وہی سمندر، جو جگہ سے نہ ہلے وہی پروت اور جو سکھ اور دُکھ میں ستیہ دھرم سے نہ ہٹے، وہی منشیہ ہے، تم نے آج اپنے آپ کو ڈبو دیا، چوری کرکے دھن پیدا کیا، کنتو اپنی مَنُشیتا کا گورو کھو دیا۔

جے رام: مَنُشیتا، دھرم، دھیرج، پاپ، نرک یہ سارے شبد دھنوانوں نے غریبوں سے اپنا دھن بچانے کے لیے بنائے ہیں، اس دیش کے ننگے، بھوکوں کو ستیہ اور دھرم کی نہیں، وستر اور اَنّ کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت کیول روپیوں سے پوری ہوتی ہے۔

تارا: نہیں ناتھ نہیں، ہمیں یہ پاپ کے روپے نہیں چاہیے— دے دو— دے دو۔ جس سے چھینا ہے اُسے جا کر واپس دے دو— ہم بھوک سے بِسک بِسک کر مرجائیں گے، لیکن ان چوری کے روپیوں کا اَنّ کبھی نہ کھائیں گے۔

جے رام: پاگل استری، آیا ہوا دھن لوٹاتی ہے، تجھے اپنے آپ پر نہیں تو ان بھوک سے مرتے ہوئے بچوں پر بھی دیا نہیں آتی ہے۔

تارا: سوامی، یہ میرے پُتر اور تم میرے پتی ہو، یدی میں ان کے بچانے کے لیے تمھیں جیل اور نرک جانے دوں، تو میرے لیے دھکار اور شرم ہے، پُتر سے پہلے پتی کی رکشا کرنا، یہ شاستر انوسار ہندو استری کا دھرم ہے۔

جے رام: یہی اچھا ہے تو میں ان میں سے ایک روپیہ رکھ کر باقی روپے اُسے ڈھونڈھ کر واپس دیے آتا ہوں۔

تارا: پاپ تھوڑا ہو یا بہت پاپ ہی ہے، پھر یہ ایک روپیہ بھی کیوں رکھنا چاہتے ہو؟

جے رام: جب مرنا ہی ہے تو پھر تل تل کرکے کس لیے مریں، اس ایک روپے کا زہر خرید لاتا ہوں، اس زہر کو سب مل کر کھاؤ اور ایشور کے نیائے اور اس شہر کے دھنوانوں کے دان پنیہ کا بکھان کرتے ہوئے اسی جگہ مرجاؤ۔

(پولس افسر کا سپاہیوں کے ساتھ آنا)

افسر: یہ رہا چور— اور یہ دیکھو چوری کے نوٹ— باندھ لو۔

(افسر نوٹ لے لیتا اور سپاہی جے رام کو گرفتار کرلیتے ہیں)

تارا: نہیں، نہیں، دنیا میں سب سے بھول ہوتی ہے، اس لیے اِن سے بھی بھول ہوگئی۔ یہ نوٹ لے لو انھیں شما کردو۔

افسر: سزا دینا یا معاف کرنا جج کا کام ہے۔ (سپاہیوں سے) لے چلو مجرم کو۔

تارا: (افسر کے سامنے دو زانو ہوکر) دیا کرو— دیا کرو۔

بچے: (جے رام کو لپٹ کر) پتا جی— پتا جی۔

(افسر بچوں کو الگ کرکے جے رام کو کھینچ لے جاتا ہے، جے رام کے پیچھے دیا دیا پکارتی ہوئی تارا بھی جاتی ہے۔)

دسواں سین

راستہ

رائے بہادر لکشمی چند کے آنند بھون کا پھاٹک

(بجلی کی روشنی اور خوشنما پھولوں سے سجے ہوئے پھاٹک پر انگریزی حرفوں میں ویل کم لکھا ہوا ہے، ایک سنتری کندھے پر بندوق رکھے پہرا دے رہا ہے۔ فیشنبل آدمی موٹروں اور گاڑیوں سے اُتر کر سنتری کا سلام لیتے ہوئے مکان کے اندر جارہے ہیں، مکان کے اندر سے انگریزی باجوں کی آوازیں آرہی ہیں۔)

سنتری: باپ رے باپ، اتنے مہمان کہاں سے پھوٹ نکلے، ساون بھادوں کی جھڑی کی طرح۔ ٹم ٹم، لینڈو، ویکٹ، فٹن، ٹیکسی، موٹر، سائیکل اور پرائیویٹ کاروں کا تانتا بندھا ہوا ہے، ریشمی لباس اور قیمتی زیوروں سے چمکتے اور سینٹ اور لیوینڈر سے مہکتے ہوئے اُمیروں کو سلام کرتے کرتے ہاتھ دُکھ گئے اور ان مغرور امیروں کی یہ حالت ہے کہ سو میں سے پچاس تو سلام کے جواب میں صرف سر ہلا دیتے ہیں اور پچاس ایک غریب کے سلام کے جواب میں سر ہلانا بھی اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں۔

(چار آزاد خیال آدمی آتے ہیں)

ایک: دیکھا۔ شہر بھر کے فیشنبل جنٹل مین اینڈ لیڈیز کی گاڑیاں اور موٹریں کھڑی

ہیں۔ آج کی گارڈن پارٹی میں ہمارے دوست رائے بہادر لکشمی چند کے ہزاروں روپے سگریٹ کے دھوئیں کی طرح اُڑ جائیں گے۔

دو: اوہ، انھیں خرچ کی کیا پرواہ ہے، اُن کے تو کپڑے تک لندن اور پیرس سے دُھل کر آتے ہیں۔

تین: اجی وہ روپیوں کو ہاتھ کا میل سمجھتے ہیں، انھوں نے باپ کے مرنے کے چوتھے دن اپنے دوستوں کو جو گارڈن پارٹی دی تھی، اُس میں صرف پانسو کا سوڈا لیمونیڈ اور چار ہزار کی برانڈی خرچ ہوگئی تھی۔

چار: اچھا اب فیشن کے پرستان میں چلیے، پف پاؤڈر لگائی ہوئی پریاں ہمارا راستہ دیکھ رہی ہوں گی۔

(چاروں آنکھ کے اشارے سے سنتری کا سلام لیتے ہوئے اندر جاتے ہیں اور دوسری طرف سے رام سیوک خوش ہوتا ہوا آتا ہے)

رام سیوک: ہپ ہپ ہُرّے، ہپ ہپ ہرّے، ہات تیری، آخر دیش بھکتی کی لمبی مار والی توپ نے فیشن کا قلعہ اُڑا دیا، دال بھات کے سامنے سے کٹلس اور مٹن چاپ کی پلیٹیں چیں بول کر بھاگ نکلیں، کھدر کے دھوتی کرتے نے سرج کے کوٹ پتلون کو اُٹھا کر دے مارا۔ دھرم وجئی بیٹا باپ کے چرنوں میں گر کر شما اور آشیرواد پراپت کرنے کے لیے گرانڈ ہوٹل سے ہندو گھر کی طرف جارہا ہے۔ (سامنے سے پربھاشنکر کو آتا دیکھ کر) آیئے آیئے۔ دھرم وان، گن ندھان، شریمان، نوین بھارت کی پراچین سنتان، مہاراج پربھاشنکر جی آیئے۔

(پربھاشنکر کھدّر کا کرتا دھوتی پہنے سر جھکائے سوچتا ہوا آتا ہے)

پربھاشنکر: آہا جیسے کسی دیوتا یا دیوی کے چرن چھو لینے سے روگی کا روگ دور ہوجاتا ہے۔ ویسے ہی اپنے دیش کا وستر پہننے سے میری آتما کی ساری بیماریاں دور ہوگئیں، کل جس دیش کو گھرنا کرتا تھا، آج اُسی دیش کی ہر ایک چیز مجھے پران سے

اُدھک پیاری ہے، جے ہو بھارت کے پوتر پہناوے، تیری جے ہو، تیرا ہر ایک دھاگا کلیان کاری ہے۔

رام سیوک: شاباش، اب آپ ہندستانی باپ کے بیٹے معلوم ہوتے ہیں۔

(روی شنکر لکشمی چند کے مکان سے غصے میں بھرا نکلتا ہے)

روی شنکر: (غصے میں کانپتے ہوئے) نہیں دیکھ سکتا — بھارت کا یہ درشیہ — بھارت واسیوں کی یہ دشا نہیں دیکھ سکتا۔

پربھاشنکر: (باپ کو دیکھ کر) کون، پتا جی —!

رام سیوک: لیجیے، راستے ہی میں مل گئے۔ اب جس طرح میونسپلٹی اور کونسل کی ممبری چاہنے والے ووٹروں کا پیچھا نہیں چھوڑتے، ویسے ہی آپ بھی شما لیے بغیر ان کے چرنوں کو نہ چھوڑیے۔

روی شنکر: کوچ مین گاڑی لاؤ۔ (گاڑی لانے کا حکم دے کر) اُف ایک ہندو کے گھر میں پارٹی اور اس پارٹی میں کیا ہورہا ہے؟ دھرم اور ویش کا ٹھٹھا، کیا کھایا جارہا ہے؟ کٹلس اور مٹن چاپ، کیا پیا جارہا ہے؟ وہسکی اور برانڈی، چھی چھی، مجھے یہاں کبھی نہ آنا چاہیے تھا، اگر پہلے سے خبر ہوتی کہ یہ بھارت واسیوں کی نہیں راکشسوں کی پارٹی ہے تو ایک کیا، ایک ہزار بلاوے پر بھی اس نرک میں پاؤں نہ رکھتا۔

رام سیوک: (پربھاشنکر سے) لیجیے، بڑھیے اور جیسے برسات میں پُرانا مکان گر پڑتا ہے ویسے ہی دھم سے قدموں پر جاپڑیے۔

(روی شنکر گاڑی میں بیٹھنا چاہتا ہے، پربھاشنکر پیروں پر گر پڑتا ہے)

پربھاشنکر: پتا جی، آپ کا نالائق بیٹا ہاتھ جوڑ کر اپنے پچھلے اَپرادھوں کی شما مانگتا ہے۔ شما کیجیے پتا جی، شما کیجیے۔

رام سیوک: آہا، کیا سکھ دایک درشیہ ہے، کیا کروں، مدت ہوئی کہ میرے پتا جی مرگئے،

اگر اس وقت کوئی کرائے کا باپ مل جاتا تو میں بھی اُس کے چرنوں پر گر کر پنیہ پراپت کرلیتا۔

روی شنکر: سر اٹھاؤ، تم کون ہو؟ (پربھا شنکر کو پہچان کر) ہیں، پربھا شنکر! یہ کیسا پریورتن ولایت کی شکشا پایا ہوا بٹیا، ہندستانی پتا کے چرن پر، دیش کا کپڑا دیش دروہی کے بدن پر!

رام سیوک: (روی شنکر سے) مہاشے بھٹکے ہوئے بیٹے کو پرانے رستے پر دیکھ کر اتنی حیرت کیوں چھاگئی ہے؟ اجی یہ تو کلکتہ سے چھٹی ہوئی ڈاک گاڑی بمبئی ہوکر پھر ہوڑے کے اسٹیشن پر آگئی ہے۔

پربھاشنکر: پتا جی، جس طرح ہر وقت کوٹ پتلون سے ڈھکے رہنے والے اس شریر کے کپڑے بدل گئے ہیں، اُسی طرح اِس شریر کے اندر رہنے والی آتما بھی اب بدل کر ایک نوین آتما ہوگئی ہے۔ میں دھرم اور ایشور کو ساکشی کرکے آپ کے سامنے پرتگیا کرتا ہوں کہ آج سے دیوتا کے سمان آپ کا سمان کروں گا، اور ایک سچے ہتیشی کی طرح بھارت کے دین دکھیوں کی سیوا اور سہایتا کے لیے اپنا سمست سکھ، سمست دھن، سمست جیون بلیدان کردوں گا۔

روی شنکر: (تعجب اور خوشی سے) پربھو، دیاے— یہ میں کیا سُن رہا ہوں— اور جو سُن رہا ہوں، کیا وہ سچ نکلے گا۔

رام سیوک: ہاں مہاشے— وشواس کیجیے— یہ نوین بھارت کے مہاراج ہریشچندر بالکل سچ بول رہے ہیں۔

روی شنکر: اگر یہ سچ ہے، تب میرا چوری ہوگیا ہوا دھن، میرا کھویا ہوا بیٹا، میرا چھن گیا ہوا سکھ، مجھے دوبارہ مل گیا، آ میرے بچے آ، تیرے باپ نے آج تیرے سب اُپرادھ شما کردیے۔

(گلے لگاتا ہے)

رام سیوک: ہیر، ہیر، ویل ڈن۔ ایکسلنٹ (اپنے منھ پر طمانچہ مار کر) ہات تیرے کی—

دوبارہ چمڑے کی زبان پھسل گئی — گھر میں ڈالی ویشیا کی طرح پھر ولایتی بھاشا منھ سے پھسل گئی۔

روی شنکر: بٹیا، اب میرے گھر، میرے پریم، میرے دھن سب پر تمھارا ادھیکار ہے، چلو اپنے پتا کے اُداس گھر اور اپنی دھرم پتنی کے اُجڑے ہوئے ہردے کو سُشوبھت کرو۔

رام سیوک: مہاشے — انھیں تو آپ گھر لے چلے۔ لیکن اس لیٹ بیرسٹر کے اس لیٹ پرائیویٹ سکریٹری کے لیے کیا حکم ہے؟

روی شنکر: جہاں پربھا وہاں تم، تمھارے لیے میرے گھر کا دروازہ بند نہیں ہوسکتا، اپنے کو اب بھی پربھا کا نوکر سمجھو۔

رام سیوک: اجی نوکری اور غلامی ایک چیز ہے، اب میں نوکری ووکری نہیں کرتا، پہلے گنگا گھاٹ جاکر اپنا پرائشچت کراتا ہوں، اور پھر بڑے بازار میں جاکر سودیشی دہی بڑے کی دکان لگاتا ہوں، لیجیے رام رام۔ (پربھا سے) بیرسٹر صاحب گڈ ایوننگ — ارے پھر بھولا، پرنام۔

(ایک طرف رام سیوک اور دوسری طرف روی شنکر اور پربھا شنکر جاتے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد اناتھ بالکوں کے ساتھ ڈاکٹر وہاں آتا ہے۔)

ڈاکٹر: بچّو، آج اس دھنوان گھر میں، رات دن سونے چاندی سے کھیلنے والے امیروں کا جمگھٹا ہے، آؤ اندر چلو اور دیا دھرم کا بیج اگانے کے لیے ان کے بنجر ہردے پر اپنے آنسوؤں کی ورشا کرو۔

(بچوں کے ساتھ اندر جانا چاہتا ہے، سنتری روکتا ہے)

سنتری: ٹھہرو، یہاں اناتھوں کی سہایتا سبھا نہیں، امیروں کی گارڈن پارٹی ہے، اس لیے جب تک تم اپنے نام کا کارڈ نہ دکھاؤ، میں اندر جانے کی آگیا نہیں دے سکتا۔

ڈاکٹر: بھائی کرپا کرو، میں ان ماتا پتا ہین بالک اور بالکاؤں کے لیے دیش کے

دھنوانوں سے دیا کی بھکشا مانگنے آیا ہوں۔

سنتری: تم مجھے کوئی پاگل آدمی معلوم ہوتے ہو، مزے میں ڈوبے ہوئے امیروں کے پاس اتنی فرصت کہاں جو دیش کے دین دُکھیوں کی دُرادستھا کی طرف دھیان دیں، ناچ رنگ اور وہسکی برانڈی پر خرچ کرنے سے روپیہ بچے، تب غریبوں کو دان دیں۔

ڈاکٹر: دیا مے، یہ تمھاری کیسی لیلا ہے، بھارت کے اسٹیج پر یہ امیری غریبی کا ناٹک کب تک ہوتا رہے گا، ایک جگہ دھن اور سُکھ کے گھنگھور بادل برس رہے ہیں اور دوسری جگہ بھارت ماتا کے لاکھوں بچے تن ڈھانکنے بھر کپڑے اور مٹھی بھر اناج کے لیے ترس رہے ہیں۔

(پربھاشنکر گھر سے لوٹ کر آتا ہے)

پربھاشنکر: پوجیہ دیش بھکت پرنام، میں پتا جی سے شما پراپت کرکے آپ ہی کے اناتھ شالے کی طرف جارہا تھا۔

ڈاکٹر: پریہ بندھو، کیا آگیا ہے؟

پربھاشنکر: مہاتمن، میں اپنا سارا سمے اور سارا جیون آپ کے ساتھ مل کر ان اناتھوں کی سیوا کے لیے ارپن کرنا چاہتا ہوں، دیا کرکے میری سیوا سویکار کیجیے۔ میں پتت ہوں، پتت کا اُدھار کیجیے۔

ڈاکٹر: تو کیا پرمارتھ نے سوارتھ کی جمی ہوئی کائی اُتاردی؟ بیرسٹر بن کر کورٹ میں اپنے بھائیوں کو لڑانے اور لوٹنے کے نیچ وچار کو ہمیشہ کے لیے لات مار دی؟

پربھاشنکر: ہاں مہاتمن، میں نے دولت، عزت، عہدے کی اُمیدوں سے جگمگاتے ہوئے بھوشیہ کو دیش کی ورتمان اوستھا کے اوپر نچھاور کردینے کی پرتگیا کرلی ہے، جن کی کچہریوں میں شبدوں کے اُلٹ پھیر سے قانون کو توڑ مروڑ کر سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنایا جاتا ہے، جن کچہریوں میں ایک جج اصل حال جاننے پر بھی دھرم انوسار فیصلہ کرنے کے بدلے مِسل اور گواہوں کے آدھار

پر فیصلہ کرتا ہے، جن کچہریوں میں وکیل اور بیرسٹر مقدموں کی تاریخ بڑھا بڑھا کر بلاٹنگ پیپر کی طرح موکل کے جیب کے سارے روپیے چوس لیتے ہیں، جن کچہریوں سے ہار اور جیت دونوں حالت میں مقدمہ لڑنے والے کنگال ہوکر باہر نکلتے ہیں، ان دھرم، دھن اور سے نشٹ کرنے والی کچہریوں میں جانے کی برائیاں سمجھا کر لوگوں میں سمجھوتے اور پنچایت کے دوارا فیصلہ کرنے کا وچار پھیلاؤں گا، آج سے یتھا شکتی نہ اپنے بھائیوں کو کورٹ میں جانے دوں گا اور نہ خود جاؤں گا۔

ڈاکٹر: کرم ویر، تمھاری پرتگیا پالن کی جے ہو۔

(پولس جے رام کو ہتھکڑی پہنائے ہوئے لاتی ہے، اور اس کے پیچھے جے رام کی بیوی تارا اور دونوں بچے آتے ہیں۔)

پربھاشنکر: یہ کیا، یہ کون؟

افسر: مسٹر ہوٹل میں جاکر معلوم ہوا کہ آپ یہاں سے چلے گئے، اس لیے ہم ملزم کو لے کر پہچان کے لیے آپ ہی کے گھر کی طرف جارہے تھے، اچھا ہوا کہ راستہ ہی میں ملاقات ہوگئی۔

ڈاکٹر: اس نے کیا اَپرادھ کیا ہے؟

افسر: یہ چور ہے (پربھاشنکر کی طرف اشارہ کرکے) ان کی جیب سے نوٹ نکال کر بھاگا تھا۔ (نوٹ دکھا کر) یہ دیکھیے۔

ڈاکٹر: (جے رام سے) بھائی تم لولے لنگڑے نہیں، بیمار نہیں، شکتی ہین بوڑھے نہیں۔ جب پوتر ریت سے چار پیسے کما سکتے تھے، تب چوری کس لیے کی؟

جے رام: کس لیے کی؟ اِس دُربھاگنی استری اور ان چیتھڑے پہنے ہوئے بچوں کو دیکھو، اِس 'کس لیے' کا جواب ان کے مُرجھائے ہوئے چہروں پر لکھا ہوا ملے گا۔

ڈاکٹر: بے شک، ان کو بچانا تمھارا دھرم تھا— لیکن اس کے لیے چوری نہیں، تمھیں کوئی روزگار کرنا چاہیے تھا۔

جے رام: روزگار؟ روزگار، بھارت میں سائیسی اور کوچوانی کے سوا کون سا روزگار رہ گیا ہے۔ جرمن کے بانات کے سامنے کشمیر کی شال کو، گلاسگو کے لٹھے کے سامنے ڈھاکہ کی ململ کو، سوئٹزرلینڈ کے گلاس اور پلیٹ کے سامنے بنارس اور مرادآباد کے برتنوں کو، پیرس کے سینٹ کے سامنے لکھنؤ کے عطر کو اور ڈاسن کے بوٹ کے سامنے دہلی کی سلیم شاہی کو کون پوچھتا ہے؟ آج باہر کے کاریگر اس دیش کے روپیے سے مزے کررہے ہیں اور اس دیش کے کاریگر کتے کی طرح بھوک سے سسک سسک کر مر رہے ہیں۔

ڈاکٹر: یہ سچ ہے، لیکن میرے بھائی اگر تم دھندا کر کے بیوی بچوں کا پیٹ نہیں پال سکتے تھے تو کسی مل یا ورک شاپ میں جاتے تو وہاں سے بھی دس بارہ آنے ضرور کما کر لاتے۔

جے رام: دس بارہ آنے (زور سے پاگلوں کی سی ہنسی ہنستا ہے) ہاہاہا— اس مہنگی کے زمانے میں تم پیٹ بھرے لوگ اس چھوٹی سی رقم کو ایک کنبے کے پالن پوشن کے لیے بہت سمجھتے ہو، ظالمو، بے رحمو، سنو۔ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے چنا روپیہ میں ایک من ساڑھے دس سیر، گیہوں، اُنتالیس سیر چاول ساڑھے اٹھارہ سیر، گھی چار سیر اور دودھ چار من بکتا تھا اور آج گیہوں پانچ سیر، چاول چار سیر، گھی آدھ سیر اور دودھ دو سیر بک رہا ہے (تفصیلات از اخبار فتح دہلی۔ جلد3۔ نمبر166۔ مورخہ 26/ جولائی 1921) اب بتاؤ ایک غریب آدمی اس بارہ آنے میں ایک آپ، ایک بیوی اور دو بچے، چار آدمی کا پیٹ کس طرح بھر سکتا ہے، اور جب نہیں بھر سکتا تو پھر بھوک کی موت سے بچنے کے لیے بھیک مانگنے یا چوری کرنے کے سوا اور کیا کرسکتا ہے؟

تارا: سرکار دکھوں نے انھیں پاگل کردیا ہے، اس لیے آپ ان کی باتوں پر دھیان نہ دیں، جب ڈیڑھ مہینہ تک لگاتار ڈھونڈھنے پر بھی کہیں نوکری اور مزدوری نہ ملی تب انھیں ہماری دُرادستھا دیکھ کر گھور سنتاپ ہوا اور اسی دُکھ کے پاگل پن میں ان سے یہ مہاپاپ ہوا۔

افسر: اور اب اس پاپ کا پرائشچت جیل میں ہوگا۔
تارا: نہیں، نہیں، ایسا نہ کہو، جیل کا شبد نرک سے بھی اُدھک بھیانک ہے۔
جے رام: بیوقوف استری، جیل سے اتنا کیوں ڈر رہی ہے، ایک غریب کے گھر سے قید خانہ لاکھ درجہ اچھا ہے، اگر غریبی کے نرک سے نکل کر شکھ کے سُورگ میں جانا چاہتی ہے تو جا تو بھی چوری کر اور ان بچوں کو شکشا دے کہ یہ بھی چوری کریں، پھر ہم چاروں ایک ہی ساتھ مل کر جیل جائیں گے۔ یہاں ننگے اور بھوکے مرتے ہیں۔ وہاں تن ڈھانکنے کو کپڑا اور پیٹ بھرنے کو انّ تو پائیں گے۔
افسر: (پربھا سے) پہچانیے یہ پیکٹ اور یہ نوٹ آپ ہی کے ہیں نا؟
پربھاشنکر: ہاں، میرے ہیں۔
افسر: اور اسی آدمی نے چوری کیے تھے؟
پربھاشنکر: نہیں۔
افسر: نہیں!
پربھاشنکر: نہیں، اس نے یہ نوٹ چوری نہیں کیے۔
افسر: تب؟
پربھاشنکر: یہ میرا دیسی بھائی ہے، اپنے بھائی کو دُکھ میں دیکھ کر میں نے یہ نوٹ سہایتا کے طور پر اسے بھینٹ کیے تھے۔
افسر: (کچھ سوچ کر) دیالو پُرش، سمجھ گیا۔ (سپاہیوں سے) ڈیوٹی ختم ہوئی، ملزم چھوڑ دو۔

(افسر اور سپاہی جاتے ہیں)

تارا: پربھو، پربھو، میں اس دیش کے دھنوانوں کو ہردے ہین سمجھتی تھی، مگر آج معلوم ہوا کہ ابھی ان کی آتما دھرم اور دیا سے شونیہ نہیں ہوئی ہے۔
جے رام: (پربھاشنکر کے آگے گھٹنے ٹیک کر) دیوتا سمان دیالو، تم منشیہ نہیں، برہما کی ایک اپورو رچنا ہو، اس مہاپاپی کو شما کرو۔

پربھاشنکر: (ہاتھ تھام کر اُٹھاتا ہے) بندھو اٹھو— میں جانتا ہوں کہ دنیا کے آدھے سے زیادہ پاپ اور دُکھ کا کارن کیول غریبی ہے۔ جب تک دھنوانوں کو غریبوں کی سہایتا کا وچار نہ ہوگا، تب تک اس دیش کا پاپ اور دُکھ سے کبھی اُدّھار نہ ہوگا۔

ڈاکٹر: (پربھا سے) آج اِس گھر میں شہر بھر کے دھنوانوں کا جمگھٹا ہے، ہم ان اناتھوں کو ساتھ لے کر اسی لیے یہاں آئے ہیں کہ ان امیروں کو بھارت کی دُردشا دکھائیں اور اپنی پکار سے ان کی سوئی ہوئی دیا کو جگائیں۔

پربھاشنکر: تو کرپا کرکے یہ سیوا کاریہ میرے ادھین کیجیے۔

ڈاکٹر: بہتر ہے (جے رام سے) بھائی آؤ، میرے اناتھ آشرم چلو، میں آج ہی سے تمھارے سکھ سنتوش کا کوئی پریتن کروں گا۔

(ڈاکٹر کے ساتھ جے رام کا اور اس کے بیوی بچوں کا جانا)

پربھاشنکر: (سنتری سے) بندھو، کیا مجھے ان اناتھوں کے ساتھ اندر جانے کی آگیا دے سکتے ہو؟

سنتری: تم اندر گئے تو میرا مالک آکر ضرور مجھے نوکری سے الگ کردے گا، لیکن یدی بھارت کے دین دُکھیوں کا کچھ بھلا ہوسکتا ہے تو جاؤ، اگرچہ میں نردھن اور نرادھار ہوں، پھر بھی دیش کی بھلائی کے لیے ایسی دس ہزار نوکری چھوڑنے کو تیار ہوں۔

(پربھاشنکر اناتھوں کو لے کر لکشمی چند کے گھر میں جاتا ہے)

گیارھواں سین

لکشمی چند کے آنند بھون کا بھیتری بھاگ

(سارا مکان بجلی کی روشنی اور ولایتی جھاڑ فانوس سے جگمگ کر رہا ہے، دروازہ اور کھمبوں پر پھولوں کی بیلیں لپٹی ہوئی ہیں، جگہ جگہ گلدستے چُنے ہوئے ہیں۔ الگ الگ میزوں پر طرح طرح کے پھل اور قیمتی شرابوں کے کنٹر، سگار و سگریٹ کے بکس رکھے ہوئے ہیں، پیانو اور بینڈ بج رہا ہے۔ ہر قوم کے فیشن ایبل لوگ وہسکی کا پیگ اور سگریٹ کا دھواں اُڑاتے ہوئے آپس میں ہنس بول رہے ہیں، ایک طرف بہت سے مرد عورتوں کی کمر میں ہاتھ ڈال کر ناچ رہے ہیں، خانساماں کندھوں پر توال ڈالے، ہاتھوں میں ڈش لیے ہوئے اِدھراُدھر دوڑتے پھرتے ہیں— ٹھیک اسی سمے اناتھ بالکوں کا شور سنائی دیتا ہے)

اناتھ بالک: (اندر سے) دیا دھرم کی جے ہو— یش کیرتی کی اُنتی ہو۔

ایک: یہ کیسا شور؟

دو: اس راگ رنگ کے جلسے میں دُکھ کی چیخیں کہاں سے سنائی دیں؟

تین: معلوم ہوتا ہے کہ سڑک پر کتے بھونک رہے ہیں۔

(اناتھ بالکوں کو لیے ہوئے پربھاشنکر آتا ہے)

سب اناتھ بالک: بھارت کے دھنوانو، ایشور کے دیے ہوئے دھن سے دیش کے دین

دُکھیوں کی سہایتا کرو۔

چار: ارے پھاٹک پر سنتری کے ہوتے ہوئے اس آنند اُتسو میں یہ دُکھ دایک بھکاری کہاں سے آگئے۔

پربھاشنکر: مہودے گن، یہ دستر ہین۔ اَنّ ہین، شانتی ہین بھارت ماں کے بچے اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیلا کر آپ سے دَیا کا دان مانگنے آئے ہیں۔

پانچ: کیا کہنا چاہتے ہیں؟

پربھاشنکر: ان کا کہنا ہے کہ آپ سال میں لاکھوں روپے گھر کی سجاوٹ پر، گھوڑے گاڑی پر، سوٹ بوٹ پر، پارٹی اور فیشن پر خرچ کردیتے ہیں، یدی آپ میں سے ہر ایک آدمی، ان روپیوں میں سے چوتھا بھاگ بھی پاپ کے بدلے پنیہ کاریہ میں خرچ کرنے کو تیار ہوجائے تو ہم دکھیوں کا ڈوبتا ہوا بیڑا چھن ماتر میں سنکٹ سے پار ہوجائے۔

چھ: یہ ڈوب گئے یا ڈوب رہے ہیں، اس سے ہمیں کیا، کیا ہم امیروں نے ان غریبوں کے باپ دادا سے اگلے جنم میں قرض لیا تھا، جسے یہ اس جنم میں ہم سے وصول کرنے آئے ہیں۔

پربھاشنکر: بھدر جنو، آپ دھرتی سے اناج، ورکش سے پھل، دریا سے پانی، سوریہ سے روشنی کیوں لیتے ہیں؟ کیا ان وستوؤں پر آپ کے پچھلے جنم کا کوئی قرض نکلتا ہے۔ نہیں، اس پنچ بھوت کے ملاپ سے بنی ہوئی سرشٹی کا کام ایک دوسرے کی سہایتا ہی سے چلتا ہے، یدی ایک کپڑے کا بیوپاری، ایک کھیتی باڑی کرنے والے کسان کو کپڑا نہ دے تو کسان سردی سے ٹھٹھر جائے اور یدی کسان اپنے کھیت کا اَنّ کپڑے کے بیوپاری کو نہ دے تو بیوپاری بھوک سے مرجائے، اس لیے سرشٹی کے نیم انوسار امیروں کو غریبوں کی طرف سہایتا کا ہاتھ بڑھانا چاہیے اور نہیں تو جس سرشٹی میں غریب رہتے ہیں اُس سرشٹی کو چھوڑ کر امیروں کی اپنی ایک نئی سرشٹی الگ بنانا چاہیے۔

سات: غریبوں کی قسمت امیروں نے نہیں بنائی ہے، ایشور کی یہی مرضی ہے کہ یہ

دُکھ اٹھائیں اور ہم سُکھ بھوگیں۔

پربھاشنکر: مگر یہ سُکھ کیا تم نے اپنے بل اور پریشرم سے پیدا کیا ہے؟ تمھارے کھانے کے ٹیبل سجانے کے لیے کھیت کون بوتا ہے؟ تمھارے بدن ڈھانکنے کے لیے مخمل اور ساٹن کون بُنتا ہے، تمھارے اونچے اونچے محل کون بناتا ہے؟ تمھارے ملوں اور ورک شاپوں میں نمک کے ساتھ سوکھی روٹی کھاکر تمھیں دھنوان بنانے کے لیے اپنا خون پسینہ کون بہاتا ہے؟ یدی وچارو اور نیائے کرو تو صاف ظاہر ہوجائے گا کہ آج تمھارے پاس جو کچھ دھن اور ... کا سامان ہے، وہ سب ان غریبوں ہی کا دیا ہوا دان ہے۔

ایک: آج کل بھوک بھوک کہہ کر بھیک مانگنا بھی ایک دھندا ...دیا ہے۔ اس دیش میں دس، بیس، پچاس، سو، دو سو، ہزار، دس ہزار بھکاری نہیں لاکھوں ہی بھکاری ہیں، ہم امیر لوگ اتنے بھکاریوں کی کہاں تک سہایتا کرسکتے ہیں۔

پربھاشنکر: بےشک دیش کے پرانے ہُنر اور پرانی کاری گریا... مٹ جانے کے کارن،ضرورت کی سب چیزیں مہنگی ہوجانے کے کارن، آتا، ...ں کے بدلے دونوں وقت سوکھے چنے بھی نہ جڑنے کے کارن، آج اس بھارت میں جو پہلے سونے کا بھارت کہلاتا تھا لاکھوں آدمی پیٹ کے لیے بھیک مانگتے پھر رہے ہیں، لیکن بھارت ماتا کے ان دین دُکھی بچوں کو بھکاری بننے کے لیے کس نے بادھیہ کیا؟ تم امیروں نے، ان کو بھیک مانگنا کس نے سکھایا؟ دیش کے دُکھ سے بےپروا دھنوانوں نے، اگر تم امیر لوگ دیش کی پرانی کاری گریوں کی رکشا کرتے، اگر تم لوگ غیرملک کے کاری گروں کی بنائی ہوئی چیزوں کے بدلے اپنے ملک کے غریب کاری گروں کی بنائی ہوئی چیزیں مول لینا اپنا دھرم سمجھتے، اگر تم اپنے روپے زمین میں گاڑنے اور بینکوں میں جمع کرنے کے بدلے انھیں روپیوں سے آرٹ اسکول اور کارخانے کھول کر اپنے دیش کے بھوکے غریبوں کو کوئی ہنر یا دھندا سکھاتے تو آج یہ سب دیش کی گلیوں میں بھیک مانگتے اور نٹال، فجی، ماریشس، کینیڈا میں چنڈال پیٹ کے لیے بوٹ کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے کبھی نظر نہ آتے۔

دو: اُف، اُف، یہ باتوں کے درپن میں بھارت کا کیسا بھیانک درشیہ دکھا رہا ہے۔

پربھاشنکر: سبھاسدو، شروتاگنو، تھوڑی دیر کے لیے ان وہسکی اور برانڈی کے گلاسوں کو جنھوں نے اس دیش کا دھن، دھرم اور ہزاروں آدمیوں کی تندرستی برباد کردی، میز پر رکھ دو، چُھری کانٹوں کی کھنکھناہٹ روک دو، دُکھی کی فریاد سُننے کے لیے ولایتی بینڈ اور پیانو بند کردو۔ میں اپنے لیے نہیں دیش کے دین دُکھیوں کے لیے تم سے کچھ کہنے آیا ہوں، تمھیں ابھی تک اتنا ہی معلوم ہے کہ اس بھارت کے لاکھوں آدمی بھیک مانگ کر پیٹ بھر رہے ہیں۔ لیکن سنو، کانپو اور شرم کرو کہ جس بھارت کی ستیاں پاروتی اور لکشمی کہلاتی تھیں، آج اُسی بھارت کے صرف ایک شہر کلکتہ میں — ہائے ہائے کِس منھ سے کہوں، کن شبدوں میں کہوں — ہاں سنو۔ اسی بھارت کے صرف ایک شہر کلکتہ میں چالیس ہزار استریاں غریبی اور بھوک سے لاچار ہوکر کیول پیٹ پالنے کے لیے گلیوں اور کوٹھوں پر ویشیا کا دھندا کررہی ہیں۔ سوچو، اپنے گریباں میں منھ ڈال کر سوچو۔ کیا یہ دیش کی انتم دُردشا نہیں ہے؟ کیا ہم سب کے لیے یہ ڈوب مرنے کی جگہ نہیں ہے؟ اگر آج اِن دین دُردر ابلاؤں کا کوئی پالن پوشن اور رکشا کرنے والا ہوتا تو اس کلنک سے ہمارا اور تمھارا منھ کبھی کالا نہ ہوتا۔

چار: (جوش میں چیخ کر) بس کرو، بس کرو، اس سے زیادہ سنا تو دُکھ سے چھاتی پھٹ جائے گی۔

پانچ: سچ ہے۔ دولت کے نشے نے ہمیں منشیہ سے پشو بنا دیا ہے۔

پربھاشنکر: (گڑگڑاتی ہوئی آواز میں روتے ہوئے) دیا کرو — دیا کرو — اپنے دیش کے اناتھوں اور بھوکے مرتے ہوئے پرانیوں پر دیا کرو۔ (بالکوں سے) بچو، تم بھی گھٹنے ٹیک کر، ہاتھ جوڑ کر، دھرم کی دُہائی دے کر اِن سے دیا کی بھکشا مانگو۔

(سب اناتھ بالک امیروں کے سامنے گھٹنے ٹیک کر دوپٹے پھیلا دیتے ہیں)

سب بالک: دیش کے پِتاؤ، ہم تمھارے بچے ہیں، اپنے دھن سے ہماری رکشا کرو۔

چھ: بچّو، ہمارے سینے میں ہردے ہے، پتھر نہیں ہے۔
سات: پتھر میں بھی آگ ہوتی ہے، تو کیا منشیہ کے ہردے میں دیا نہ ہوگی؟
دو: دیش کی سیوا ہی سچا سکھ اور دیش کے دُکھیوں کا آشیرواد ہی سچا دھن ہے۔

(سب لوگ روپے، نوٹ، انگوٹھی، گھڑی، یہاں تک کہ بدن کے کپڑے تک اُتار کر دے دیتے ہیں، اسی وقت بھارت ماتا، دیوی روپ میں پرگٹ ہوتی ہیں)

بھارت ماتا: بچّو۔ مجھے آشا نہ تھی کہ اس کلجگ میں، میں پھر دیا اور پنیہ کا درشیہ دیکھوں گی۔ آج پرمانت ہوگیا کہ تم میری پریمی اور سچّی سنتان ہو، میں آشیرواد دیتی ہوں کہ لوک پرلوک میں تمھارا کلیان ہو۔
سب: بھارت ماتا کی جے۔

—سماپت—

سَنسار چکر

(پہلا پیار)

1922

سنسار چکر (1922)

اس ڈرامے کو بعض مقامات پر 'پہلا پیار' کے نام سے بھی کھیلا گیا تھا۔ آغا حشر نے اس ڈرامے میں اپنے ناظرین کو بے میل شادیوں کے نتائج کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈرامے کی کم عمر ہیروئن کی شادی ایک معمر وکیل سے ہوجاتی ہے جس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل اس ڈرامے کا موضوع ہیں۔ محققین کے درمیان اس ڈرامے کے زمانہ تخلیق کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں موجود ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ ہے کہ 'بلوا منگل' کی ایک جعلی اشاعت میں اس کی عرفیت 'پہلا پیار' لکھ دی گئی ہے، جو اس غلط فہمی کی بنیاد بنی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان محققین میں سے کسی کی رسائی اس کے اصل مسودے تک نہیں ہوسکی۔ چنانچہ اس کی تمام تر بحث صرف قیاسات پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر نامی اسے 1911 کی تخلیق بتاتے ہیں، جب کہ اس وقت تک آغا حشر نے ہندی میں ڈرامے لکھنے کا آغاز بھی نہیں کیا تھا۔ عشرت رحمانی کے مطابق اس سال تصنیف 1923 ہے۔ دوسرے محققین نے بھی اسی طرح انداز قائم کرکے کوئی نہ کوئی تاریخ متعین کردی ہے، جو بہرحال صحیح نہیں۔ پیش نظر مسودے میں بھی اس کے زمانہ تخلیق سے متعلق کوئی اندراج موجود نہیں۔ لیکن آغا حشر کے ذخیرے سے دستیاب دستاویزات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ڈراما 1922 میں لکھا گیا تھا۔

دستیاب مسودے کا کاغذ اس حد تک خستہ ہوچکا ہے کہ بے احتیاطی کے ساتھ ورق گردانی میں ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس ڈرامے کی پہلی نقل رہی ہوگی۔ تین ایکٹ پر مشتمل یہ ڈراما مکمل حالت میں محفوظ ہے۔ ہر ایکٹ کے آغاز سے پہلے ایک صفحے پر ڈرامے کا نام پہلا پیار عرف سنسار چکر کے ساتھ ساتھ پہلا، دوسرا یا تیسرا ایکٹ

لکھا ہوا ہے۔ ضروری ہدایات کا التزام بھی ہر جگہ کیا گیا ہے۔ یہ کسی اچھے کاتب کا نقل کردہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں غلطیاں نہیں ملتیں۔ خط بھی واضح اور صاف ستھرا ہے لیکن نہ تو کہیں کاتب کا نام درج ہے اور نہ ہی تاریخ کتابت۔ مشمولہ متن اسی قلمی مسودے کی نقل ہے۔

ناٹک کے پاتر

پُرش پاتر:

1۔	بسنت کمار	ایک سمجھیہ پُرش
2۔	واسو دیو	ایک دھنی اور شریف وکیل
3۔	کشور	واسو دیو کا پُتر
4۔	ہیرا لال	لالچی ساہوکار
5۔	رسِک لال	ہیرا لال کا آوارہ لڑکا
6۔	شیو دیال	ہیرا لال کا مُنیم
7۔	پیتامبر	بسنت کمار کا نوکر
8۔	برہمن	ایک بوڑھا

سرکاری وکیل، پولس، انسپکٹر، افسر اِتیادی—

اِستری پاتر:

1۔	سرسوتی	بسنت کمار کی پتنی
2۔	شاردا	واسودیو کی دوسری پتنی
3۔	منورما	بسنت کمار کی جوان بیٹی
4۔	رتی	ہیرا لال کی پتنی
5۔	گنگا	ہیرا لال کی دھرم پرائن ماں
6۔	مرنالنی	برہمن کی ودھوا بیٹی

سکھیاں، پڑوسنیں اِتیادی—

ایکٹ پہلا— سین پہلا

بسنت کمار کا باغ

(منورما جھول رہی ہے، دوسکھیاں پینگیں دے رہی ہیں اور
باقی سکھیاں پاس کھڑی ہوئی ہنس رہی ہیں)

— گانا —

سکھی1: اندر دھنش کے جھولے میں بادل کا گھونگھٹ سرکا کر مسکراتی ہوئی ورشا دیوی کا سوندریہ جھول رہا ہے۔

سکھی2: مدن کی ہتھیلیوں پر رکھی ہوئی پھولوں کی کمان میں رتی جھول رہی ہے۔

سکھی3: پھولوں کے بوجھ سے لچکتی ہوئی ڈالی میں کومل لتاؤں کی ڈور تھام کر وسنت رتو جھول رہی ہے۔

سکھی4: سکھی— پینگ کے ساتھ جھولے کا زور میں آگے بڑھنا اور پھر اتنے ہی زور سے پیچھے ہٹنا دیکھ رہی ہو؟

سکھی5: میں تو نہیں، ہاں آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔

سکھی4: اچھا اپنی رسیلی آنکھوں سے پوچھو تو، کس طرح جھولا آگے بڑھتا ہے؟

سکھی 5: جیسے ساس سسُر کے سامنے، بہو کا گھونگھٹ۔

سکھی4: اور کس طرح پیچھے ہٹتا ہے؟

سکھی 5: جیسے پتی کو دیکھ کر پہلی مرتبہ سسُرال میں آئی ہوئی دُلہن۔

سکھی 1: سکھی، تم بھی تو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی ہو، کہو کیسے بڑھتا ہے؟

سکھی6: جیسے ہنسی کے سے کسی سُندری کی آنکھ کا کاجل پھیل جاتا ہے۔

سکھی 1: اور کیسے ہٹتا ہے؟

سکھی 6: جیسے ہولی کے دنوں میں نند کے ہاتھ میں رنگ کی پچکاری دیکھ کر بھاوج بھاگ جاتی ہے۔

منورما: جاؤ جی، تم سب تو مجھے اس طرح چھیڑنے لگیں، جیسے غریب پھول کو ہوا کے جھونکے، بس میں نہیں جھولتی۔

(جھولے سے اُتر آتی ہے)

سکھی1: جھولو، جھولو، پتا کے گھر میں جھولنے کا ابھیاس کر رکھو۔

منورما: (تیوری چڑھا کر) کیوں؟

سکھی1: کیونکہ جب وِواہ ہوکر ساس کے گھر جاؤ گی، تب تمھارے پران ناتھ پریم ڈور سے بندھے ہوئے ہردے کے جھولنے میں جھلائیں گے، اور تمھیں اُن کی گردن میں بانہیں ڈال کر رات دن جھولنا پڑے گا، سمجھیں منورما رانی۔

منورما: (ہنس کے گردن ہلاتی ہے) اُوں، ہوں۔

سکھی3: اجی، اچھی طرح سمجھ گئیں، کنواری کنیا کے لیے پران ناتھ کا شبد گونگی کا سوپن ہے، من میں سمجھتی ہے، کِنتو مُکھ سے نہیں کہہ سکتی۔

(سب کا ہنستے ہوئے پرستھان)

— گانا —

(بسنت کمار اور سرسوتی کا پرویش)

بسنت کمار: پریے۔ جس میں سدگن نہیں، وہ منشیہ نہیں، سگندھ نہ ہو تو پھول کی پنکھڑی اور گھاس کا تنکا برابر ہے۔

سرسوتی: سچ ہے پران ناتھ۔

بسنت کمار: کشور کا جیون ایک پوتر سنگم ہے، جہاں پراچین بھارت کے دھارمک بھاؤ اور نوین بھارت کے اُچ گن دو ندیوں کی طرح آپس میں مل گئے ہیں، نہ وہ پرائے وِدّیارتھیوں کے سمان سنسار کی ورتمان اُنّتی سے اَبودھ، دھرم میں پکش پاتی اور کرم شیتر میں نکما ہے اور نہ آج کل کے کالجوں میں پڑھے ہوئے جوانوں کی طرح ناستک، سوارتھی، نرلج اور فیشن کا غلام ہے۔

سرسوتی: ہاں، پربھو۔ دھن، روپ، گن، وِدیا، کسی پدارتھ کے دینے میں برہما کی لیکھنی نے کنجوسی نہیں کی ہے۔

بسنت کمار: دان لیے بنا دروازے سے نہ ٹلنے والے بھکاری کی طرح اپنی کل ودھو بنانے کے لیے بھائی واسو دیو بار بار منورما کو مانگ رہے ہیں، کہو کیا جواب دوں؟

سرسوتی: ضرور ہاں کہہ دو، مجھے پورا وشواس ہے کہ منورما اور کشور وواہت جیون اُسی طرح سُکھ سے بتائیں گے جیسے سوریہ چندر کی کرنوں سے کھیلتی ہوئی لہروں میں راج ہنس کا پریمی جوڑا سُکھ سے رہتا ہے۔

بسنت کمار: لو بھائی بھی آ رہے ہیں۔

سرسوتی: (ہنس کر) ساتھ میں کشور اور شاردا بھی ہیں۔

(شاردا، واسودیو اور کشور آتے ہیں، کشور سب کو پرنام کرتا ہے، واسو دیو بسنت سے ہاتھ ملاتا، سرسوتی اور شاردا گلے ملتی ہیں)

بسنت کمار: آیئے، آیئے، اَہو بھاگیہ، بڑی کرپا کی۔

شاردا: بہن، اچھی تو ہو؟ منورما کہاں ہے؟

سرسوتی: پڑوس کی لڑکیاں ملنے آئی ہیں، اُنھیں سے باتیں کر رہی ہوگی۔ (پکارتی ہے)۔ منورما—

منور: (اندر سے) آئی، ماتا جی۔

سرسوتی: (کشور سے) کشور، تمھاری تو اب صورت ہی دکھائی نہیں دیتی، مانو اِدھر کا راستہ بھول گئے۔

کشور: کیا کہوں، بی۔ اے کی پریکشا میں کیول ایک مہینہ رہ گیا ہے، اس لیے کالج کے سوا کہیں جانے کا سمے نہیں ملتا۔

(منورما آتی، شاردا اور واسودیو کو دیکھ کر چونکتی اور دونوں کو پرنام کرتی ہے)

منورما: آ گیا ماتا جی— ارے— پرنام۔

شاردا: جیو اور سکھی رہو۔

واسودیو: جلدی دلہن بنو اور پتا کے گھر کی طرح اپنے روپ اور گن سے سسر کے گھر کو بھی پرکاش مان کرو۔

کشور: (خود سے) نشچے۔ جس گھر کی یہ کُل ودھو بنے گی، اُس گھر میں اس کے پنیہ تیج سے دیپ مالا ہو جائے گی۔

واسودیو: کشور کی ماتا کا دیہانت ہونے کے پانچ برس بعد کیول اس وچار سے کہ دُکھ، بیماری بڑھاپے میں جیون سنگنی ہی سچی سیوا کر سکتی ہے، میں نے شاردا کے ساتھ دوسرا وِواہ کیا اور وواہ کے دوسرے ہی مہینے ہائی کورٹ میں پریکٹس کرنے کے لیے دیش چھوڑ کر پتر اور پتنی کے ساتھ کلکتہ چلا گیا۔

بسنت کمار: یہ حال ایک مرتبہ میں سُن چکا ہوں۔

واسودیو: دس برس کے اندر نام، مان، دولت کمانے کے بعد جس دن میں کلکتہ تیاگ کر جیون کے باقی دن اپنی ماتر بھومی کی گود میں سُکھ سنتوش سے بتانے کے لیے پٹنہ آ رہا تھا، اُس دن سیکنڈ کلاس کے اندر ایک شراب پیے ہوئے سولجر نے مجھ پر حملہ کیا اور تم، جو اسی ٹرین میں سفر کر رہے تھے، سینہ تان کر میری رَکشا کے لیے ڈھال بن گئے۔

بسنت کمار: میری سادھارن سیوا کا ذکر جانے دیجیے۔

واسودیو: بندھو، میں بھُولا نہیں، وہی دن تھا جب پہلی مرتبہ میرے اور تمھارے جیون

کی ڈور میں مترتا کے ہاتھوں سے پریم کی گانٹھ لگی، بہت دنوں سے میری کامنا ہے کہ ایک اور گانٹھ لگا کر اس جیون سمبندھ کو سدا کے لیے مضبوط کردیا جائے۔

بسنت کمار: (سرسوتی سے) بھائی کا اشارہ سمجھتی ہو؟

سرسوتی: کشور بھی ان کا ہے اور منورما بھی ان کی ہے۔

(پیتامبر کا پرویش)

پیتامبر: ہیرا لال مہاجن اپنے لڑکے رَسک لال کے ساتھ آپ سے ملنے آیا ہے۔

بسنت کمار: لاکر بٹھاؤ— بندھو، اندر چلیے۔

(سب کو لے کر اندر جاتا ہے، پیتامبر کے ساتھ ہیرا لال، رَسک لال آتے ہیں)

پیتامبر: بیٹھیے، وہ ابھی آتے ہیں۔

ہیرا لال: رَسک لال۔

رَسک لال: ہاں، باواجی۔

ہیرا لال: دیکھو سلہٹ کا سنترہ، مظفر پور کی لیچی، لکھنؤ کا خربوزہ، الہ آباد کا امرود، بنارس کا لنگڑا، جتنا مشہور ہے، اُتنی ہی شہر میں تمھاری بدمعاشی کی شہرت ہے۔ اسی لیے....

رَسک لال: باواجی، بدمعاشی میں تمھاری شہرت بھی مجھ سے کم نہیں ہے۔ اگر لفافہ پرنام کی جگہ کیول بدمعاش لکھ کر خط ڈاک میں ڈال دیا جائے تو ڈاکیہ بنا کسی سے پوچھے سیدھا گھر آکر وہ خط تمھارے ہاتھ پر رکھ دے گا۔

ہیرا لال: بات سُن— ہاں تو اسی لیے دونوں طرف سے بیاہ کا خرچ دیتا ہوں، سر سے پاؤں تک جڑاؤ گہنے دیتا ہوں، بہو کو گھر کی رانی بنا کر رکھنے کی زبان دیتا ہوں، پھر بھی تیرے جیسے بدمعاش کو اپنا جنوائی بنانے کے لیے سُندر اور سُشیل تو کیا، لنگڑی لولی لڑکی کا باپ بھی راضی نہیں ہوتا۔

رَسِک لال: سچ ہے باوا، پچیس برس کی عمر ہوگئی، یدی اب تک میرا وواہ ہوگیا ہوتا تو کتنے کے پلّے جیسے تین پوتے تمھاری گود میں کھیلتے ہوتے۔

ہیرا لال: سب طرف سے نِراش ہوکر اب بسنت کا گھر تاکا ہے، آج لالچ اور دباؤ کے دُہرے پانسے پھینکتا ہوں، داؤں ہاتھ لگا تو دیوالی ہے اور ہار گیا تو آشاؤں کا دیوالا۔

رَسِک لال: باوا جی، منھ کا گراموفون بند کیجیے، وہ آرہا ہے۔

(بسنت کمار کا پرویش)

بسنت کمار: کیوں ہیرا لال جی— کیسے آئے؟

ہیرا لال: بسنت کمار جی، آپ کے سُورگیہ پتا نے مرتیو سے کچھ دنوں پہلے اپنا بگڑا ہوا کاروبار سنبھالنے کے لیے رہنے کا گھر گرو رکھ کر مجھ سے پندرہ ہزار اُدھار لیے تھے۔

بسنت کمار: یہ بات تو کئی بار تم مجھے جتا چکے ہو۔

ہیرا لال: ہاں اور آج یہ جتانے آیا ہوں کہ مول اور بیاج مل کر پندرہ کے پچیس ہوچکے ہیں، مانگ کر تھک گیا، اب مجھے لاچار ہوکر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑے گا۔

بسنت کمار: گھر پینتیس ہزار سے زیادہ کا ہے، گاہک ڈھونڈھ رہا ہوں، کچھ دیر اور ٹھہرو، سودا ہوتے ہی تمھاری پائی پائی ادا کردوں گا۔

ہیرا لال: اب اور نہیں ٹھہر سکتا، کیونکہ وکیل کو مقدمے کے کاغذ حوالے کرچکا ہوں۔ بسنت کمار جی، آپ جیسے بدّھی مان کو رائے دینا گوتم کو نیائے پڑھانا ہے، پھر بھی میں رائے دینے کا ساہس کروں گا، یدی آپ سُن کر سمجھ سے کام لیں تو گھر بھی نہ بکے گا، دعویٰ بھی نہ ہوگا اور مول ادا کرتے سمے بیاج کے ہزاروں روپے بھی نہ دینے پڑیں گے۔

بسنت کمار: وہ کیسے؟

ہیرا لال: روپ وان وَر، دھن وان سسر اور سونے چاندی سے جگمگاتے ہوئے گھر کا راجیہ ملتا ہے، کنّیا کو رانی بنانا ہے تو شبھ مہورت دیکھ کر اُس کا وواہ کر دیجیے۔

بسنت کمار: ارتھات—— کس کے ساتھ۔

ہیرا لال: میرے سپتر، رَسِک لال کے ساتھ۔

بسنت کمار: یہی رَسِک لال، جو ایک سانس میں برانڈی کی آدھی بوتل خالی کر دیتے ہیں۔ یہی رَسِک بابو، جو ریس گراؤنڈ میں رنڈی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر گھومتے پھرتے ہیں، یہی رَسِک مہاشے، جو سڑک پر مار پیٹ کر کے کئی مرتبہ پولس کی حوالات میں رات کاٹ چکے ہیں۔

رَسِک لال: مہاشے، آپ کو غلط خبر ملی ہے، وہ کوئی اور رَسِک ہوگا، میں تو گھر سے نکلتا ہی نہیں، کیول سویرے بھجن گاتا ہوا گنگا جی اشنان کرنے اور سانجھ کو کالی جی کے درشن کرنے جاتا ہوں۔

ہیرا لال: جی ہاں، باقی سارا دن گھر میں بیٹھا ہوا گیتا کا پاٹھ کیا کرتا ہے۔

بسنت کمار: ہیرا لال، کیا تم نے مجھے اُن دھن کے پجاریوں میں سے سمجھ لیا ہے، جو بیاہ کے بازار میں بیٹی کا بیوپار کرنے نکلتے اور روپے کی تھیلی لے کر اپنی کنّیا کو نیچ سے نیچ اور بوڑھے سے بوڑھے آدمی کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ منورما کی ماں، چُھری لائے گی، منورما اُس چھری دھار دے گی اور میں وہی چھری منورما کے سینے میں بھونک دوں گا، لیکن چاہے کبیر کا راج ملے، یا رستہ کا بھکاری بننا پڑے، دیوی کا ہاتھ راکشس کے ہاتھ کبھی نہ دوں گا۔

ہیرا لال: سوچو، پھر سوچو، تیر کمان سے چھوٹنے کے بعد واپس نہیں آتا۔

بسنت کمار: بس یہی کہنے آئے تھے تو سُن لیا، کچھ اور نہیں کہنا ہے تو واپس جاؤ۔

ہیرا لال: اتنا گھمنڈ—— اچھا دیکھوں گا۔

رسِک لال: بسنت، تم نے اپمان کر کے سوتے شیر کو لات ماری ہے، اس اپمان کا بدلہ لیا جائے گا۔

(ہیرا لال اور رَسِک لال جاتے ہیں)

بسنت کمار: جگدیش۔ یہ تمھاری کیا لیلا ہے، دھن اور شکتی انھیں ملنی چاہیے، جو پھل پھول والی ڈالی کی طرح جھک جائیں، لیکن تم انھیں دیتے ہو جو تھوڑے جل میں اُبل پڑنے والی پچھلی ندی کی طرح آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

(شاردا آتی ہے)

شاردا: بسنت۔

بسنت کمار: کون؟— شاردا۔

شاردا: یہ نام، جسے ایک دن روم روم سے جپا کرتے تھے، ابھی تک یاد ہے؟— میں سمجھتی تھی کہ دس برس پہلے کی باتیں بھول گئے، وعدے بھول گئے، شاردا کو بھول گئے، تو اُس کا نام بھی بھول گئے ہو گے— کہاں جاتے ہو؟ ٹھہرو۔

بسنت کمار: کیا کہنا چاہتی ہو؟

شاردا: تم اپنے متر سے، جس کو میں ہونٹوں سے ؛ای کہہ کر پکارتی ہوں، ہر آٹھویں دسویں ملنے آتے ہو، اُس سے پہروں باتیں کرتے ہو، اُس کے ساتھ ہنستے ہو— اور میری آنکھیں بھکارنی کی طرح پلکوں کا آنچل پھیلائے تمھارے مکھ کی اور تکا کرتی ہیں، لیکن— لیکن، تم انھیں بھکشا میں ایک اُچٹتی ہوئی درشٹی بھی نہیں دیتے— بسنت۔ اس کا کارن؟

بسنت کمار: کارن یہی کہ وہ میرے متر ہیں اور تم اُن کی دھرم پتنی ہو— شاردا آج سے دس برس پہلے مجھے پورا وشواس تھا کہ تم میری جیون سنگنی بنوگی، کنتو میرے پاس اتنا دھن نہ تھا کہ میں تمھارے لوبھی پتا کو منھ مانگا دام دے کر تمھیں خرید سکتا، اس لیے انھوں نے تمھاری پوری قیمت پا کر دھنوان واسودیو کے ہاتھ میں تمھارا ہاتھ دے دیا، اور اس طرح ہم دونوں اس جیون میں سدا کے لیے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے، اب جو تمھارے ہاتھ کا مالک ہے، وہی تمھارے ہردے اور پریم کا مالک ہے۔

شاردا: پریم؟— ناری ایک ہی سے، اور ایک ہی مرتبہ، سچا پریم کرتی ہے، پھر بھی جہاں تک سمجھو تھا، جہاں تک دریا کا بہاؤ بدلا جاسکتا تھا، جہاں تک اپنے سکھوں اور آشاؤں کا بلیدان کیا جاسکتا تھا، وہاں تک میں ناری کرتویہ سمجھ کر اپنا جیون پتی سیوا میں بتا رہی تھی— کنتو یہاں آنے کے بعد تمھیں دیکھ کر سوئے ہوئے سمندر میں پھر طوفان آگیا۔ آج چھ مہینے سے اپنے پاگل ہردے کے ساتھ یدھ کررہی ہوں۔نہ پران نکلتے ہیں، نہ یدھ سماپت ہوتا ہے۔

بسنت کمار: بھابھی، میں تمھارے دُکھ کو سمجھتا ہوں، کنتو کیا کروں؟ اب اِس دُکھ کا کوئی اپائے نہیں۔

شاردا: اپائے؟— ہے۔

بسنت کمار: کیا؟

شاردا: مجھے ابھی تک وشواس ہے کہ میں تمھارے دیہہ سے دور ہوئی ہوں، کنتو تمھارے ہردے سے دور نہیں ہوئی، تم میرے دھرم اور ستیتو کی رکشا کرنا چاہتے ہو تو میرا یہ وشواس دور کرو، مجھے میرے سوپن سے جھنجھوڑ کر جگا دو، بولو کہ ناری میں تجھے پیار نہیں کرتا، کہو، کہو کہ شاردا میں تجھ سے گھرنا کرتا ہوں۔

بسنت کمار: گھرنا؟ نہیں، شاردا نہیں— میں تمھیں جس دل سے پہلے پیار کرتا تھا، اُسی دل سے اب بھی پیار کرتا ہوں۔

شاردا: اب بھی؟— اب بھی پیار کرتے ہو؟— اوہ، میں خوشی سے پاگل ہوجاؤں گی۔ پھر کہو، بسنت پریتمے— پھر کہو کہ شاردا میں تجھے پیار کرتا ہوں۔

بسنت کمار: ہاں، میں اب بھی پیار کرتا ہوں، لیکن کیسا پیار؟

شاردا: جیسے چکور چاند کو پیار کرتا ہے۔

بسنت کمار: نہیں۔ جیسے بھائی اپنی سگی بہن کو پیار کرتا ہے۔

شاردا: یہی پیار!

بسنت کمار: ہاں۔ اب تمھارے لیے میرے پاس یہی پیار ہے — اندر چلو۔

شاردا: بسنت!!

بسنت کمار: بہن۔

(شاردا سر جھکا کر بسنت کے پیچھے پیچھے جاتی ہے)

ایکٹ پہلا — سین دوسرا

راستہ

(ہیرا لال، رَسِک لال، شیو دیال منیم اور واسودیو وکیل آتے ہیں)

ہیرا لال: مہاشے واسودیو جی، اچھا ہوا کہ راستے ہی میں ملاقات ہوگئی، میں آپ ہی کی طرف جارہا تھا، کہیے، مقدمے کے بارے میں کیا رائے ہے؟

واسودیو: میں نے مکندرام کا تمسک اور اُس کے بیٹے کے وکیل کی طرف سے نوٹس کا جواب دیکھ لیا، مقدمہ جھوٹا ہے، اناتھ لڑکے پر دعویٰ نہ کیجیے، روپے بھی جائیں گے اور عزت بھی جائے گی۔

رَسِک لال: صاحب، کوئی ہارے، مرے یا بھیک مانگے، لیکن ڈاکٹر، وکیل اور رنڈی تینوں اپنی فیس سے مطلب رکھتے ہیں، مقدمہ جھوٹا ہے تو جھوٹا سہی — اپنی فیس لیجیے اور نئے جوتے پر نال کی طرح بے دھڑک عدالت میں دعویٰ ٹھونک دیجیے۔

ہیرا لال: ٹھیک تو ہے وکیل صاحب، تمسک کو سچا ثابت کرنا میرا کام ہے، عدالت تو اکھاڑا ہے جس میں سچ کے ساتھ دھوکے اور روپے کی کشتی ہوا کرتی ہے جس کی باتوں میں چھل اور جیب میں روپے کا بل ہے، وہ دوسرے کو اڑنگے پر چڑھا کر چاروں شانے چت دے مارتا ہے۔

شیودیال: (من میں) بیٹا بھی پاجی اور باپ بھی پاجی، لیکن آج تک یہ سمجھ میں نہ آیا کہ دونوں میں کون زیادہ پاجی ہے۔

واسودیو: میں فیس کے روپیوں پر دھرم نہیں بیچتا، وکیل کا کام نیائے کو دھوکا دینا نہیں،

نیائے کی سہایتا کرنا ہے، آپ کو بہت سے پیٹ کے لیے پاپ کرنے والے وکیل مل جائیں گے،تھوڑی دیر بعد کسی کو میرے گھر بھیج کر کاغذ منگا لیجیے گا۔

ہیرالال: اچھی بات ہے، وکیلوں کی کیا کمی ہے، مارکیٹ میں جتنے قلی نہیں دکھائی دیتے، اُس سے زیادہ پھٹا ہوا گاؤن اور تین انچ میل جمی پگڑی پہنے ہوئے وکیل عدالت کی سیڑھیوں سے چڑھتے اُترتے دکھائی دیتے ہیں، کل دن کو دس بجے رَسِک کاغذ لینے آئے گا۔

واسودیو: بھیج دینا، کل کورٹ بند ہے، گھر ہی پر ملوں گا۔

(جاتا ہے)

رَسِک لال: باوا جی، کیسا بیوقوف وکیل ہے، اتنا بھی نہیں جانتا کہ آج کل اُسی وکیل کی وکالت چلتی ہے، جو عدالت میں زبان کے زور سے ہریش چندر جیسے سچے کو بھی سب سے بڑا جھوٹا ثابت کردے۔

ہیرا لال: منیم جی، تم تو قلم کے اُسترے سے بھی کھاتے کی حجامت بنانے کے سوا اور کچھ کام ہی نہیں جانتے، جاؤ عدالت کے دروازے پر مفلس وکیلوں کے دلال ملیں گے، انھیں گانٹھ کر کوئی سستا مگر چلتا ہوا وکیل ٹھیک کرلو۔

شیودال: بہت اچھا مہاشے، (من میں) تنخواہ مہینے میں پچیس اور حکم گھنٹے میں پچاس، میں بھی ایسا وکیل کروں گا کہ پہلی ہی پیشی میں مقدمہ اِس طرح اُڑ جائے، جیسے کسی بدمعاش کی چپت سے بھلے مانس کی پگڑی اُڑ جاتی ہے۔

(جاتا ہے)

رَسِک لال: باواجی، یہ تو سب ہوا۔ ایک مہینے سے اوپر ہوچلا، بسنت سے بدلہ لینے کی بھی کوئی ترکیب سوچی؟

ہیرا لال: بھیجے کی سلّی پر سمجھ کو دھار تو دے رہا ہوں۔ کِنتو......

رسک لال: بس یہ کِنتو اور پرنتو ہی کے پھیر میں آدمی کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ مارا۔ دیکھو باوا

جی میں نے ایک ترکیب سوچی ہے ہے، نوکروں کو لالچ دے کر بسنت کے گھر میں سیر بھر اَفیم رکھوا کے پولس میں دھروا دو۔

ہیرا لال: ترکیب تو ٹھیک ہے لیکن افیم کے دام جیب سے خرچ کرنے پڑیں گے۔

رسک لال: باوا جی، تم بھی بڑے کنجوس ہو— مرنے کے سمے بھی تمھارے منھ سے رام رام کے بدلے روپیہ روپیہ نکلے گا۔

ہیرا لال: محنت کرکے کماتا، تب روپے کی قیمت سمجھتا، مجھے تو روپے دیکھ کر ایک بوتل برانڈی کا نشہ ہوجاتا ہے۔

رَسک لال: وہ مارا— خوب یاد آیا۔ باوا جی ترکیب سوجھ گئی۔ پرسوں بسنت کے گھر میں منورما کی ورش گانٹھ کا جلسہ ہے، تھرڈ کلاس کے مسافروں کی طرح گھر میں کھچا کھچ مہمان ٹھسے ہوں گے، شیو دیال منیم کو بھرے جلسے میں روپیوں کے تقاضے کے لیے بھیجو، بسنت کی بے عزتی، ہمارے پرتی ہنسا کی پہلی قسط ہوگی۔

ہیرا لال: کہی تو باون تولہ پاؤ رتی، شیودیال کو ضرور بھیجوں گا اور کہہ دوں گا کہ نیم جیسے کڑوے اور مرچ جیسے تیز شبدوں میں تقاضا کرے، سپوت ایسی ہی بجھایا کر— شاباش۔

(پیٹھ ٹھونکتا ہے)

رَسک لال: باوا جی، منھ سے شاباش دیتے ہو لیکن جیب سے روپے نکال کرنہیں دیتے، لکھنؤ والی چھمّی جان کو ناچ گانا بند کراکے تین سو روپے اور فرمائش پر نوکر رکھا تھا، اُس کی دو مہینے کی تنخواہ چڑھ گئی ہے— کل ہوٹل سے پی پلا کر اُس کے کوٹھے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رتن چند جوہری کا لڑکا گاؤ تکیہ سے پیٹھ لگائے گانا سن رہا ہے— میں نے چھمّی جان کے بھائی کو اشارے سے الگ بلا کر کہا کہ اَبے یہ کیا؟ تو تیور بدل کر کہنے لگا کہ کیا میری بہن گھر کی جورو ہے جو ایک کی ہوکر بھوکی مرے، دوبارہ آنا تو دو مہینے کی چڑھی ہوئی تنخواہ اور دو مہینے کی پیشگی جیب میں ڈال کر آنا، یہ منھ توڑ جواب دے کے

بہن کے پیچھے بیٹھ کر طبلہ بجانے لگا اور میں ناک سے پھوں پھوں سانس لیتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے اُتر آیا۔

ہیرا لال: ارے تو کیا شہر میں رنڈیوں کا کال پڑ گیا ہے، کابل کے انار اور انگور کی طرح روز تو ٹرین بھر بھر کر رنڈیاں اس شہر میں چلی آرہی ہیں، اُسے چھوڑ کر کسی اور کو نوکر رکھ لو۔

رَسِک لال: اور کو؟

ہیرا لال: ہاں، میں تمھارا باپ ہوں، اس لیے ٹھیک صلاح دیتا ہوں۔

رَسِک لال: باوا جی، مجھے میاتی ہوئی صلاح کی نہیں کھنکھناتے ہوئے روپیوں کی ضرورت ہے۔

ہیرا لال: کلیجے پر پتھر رکھ لے، جیب خرچ کے لیے پانچ سو کا مہینہ تو دیتا ہوں، پانچ سو۔ آٹھ آنے سیکڑے کے حساب سے ایک لاکھ کا بیاج ہوا، اب اور کیا ساری جائیداد اُٹھا کر دے دوں۔

(جاتا ہے)

رَسِک لال: باوا جی، تم نے خوشی سے نہ کبھی دیا ہے اور نہ کبھی دو گے، اچھا اب تجوری اور صندوق سے خبردار رہنا، میں بھی ایسا ویسا نہیں، اپنے باپ کا باپ ہوں۔

(جاتا ہے)

ایکٹ پہلا — سین تیسرا

ہیرا لال کا گھر

رَتی: بھیرو ناتھ کی منجھلی بہو سچ کہتی تھی کہ برسات کی دھوپ اور پتی کے پیار دونوں کا بھروسا نہیں، ہم عورتوں کے پتی ٹھیک ریل گاڑی جیسے ہیں، بِواہ ہونے کے بعد جب دلہن نئی نئی گھر میں آتی ہے تو دو چار مہینے تک اُن کی حالت ڈاک گاڑی جیسی ہوتی ہے، ارتھات پانچ بجے دکان یا آفس سے چھوٹے اور سوا پانچ بجے گھر پہنچ کر کمرے میں بیٹھ کے جورو جی کے پان کے لیے سروتے سے چھالیہ کترنے لگے— بیاہ کے برس دو برس بعد پسنجر ٹرین بن جاتے ہیں، ارتھات آفس سے نکل کر جگہ جگہ ٹھہرتے، دوستوں سے ملتے، کوٹھے کی کبوتریوں سے آنکھیں لڑاتے چھ بجے شام کے بدلے رات کے گیارہ بجے گھر پہنچتے ہیں— اور بیاہ کے پانچ سات برس بعد جب جورو پرانی ہوکر گھر کے پرانے سامان میں مل جاتی ہے تب تو ایک دم مال گاڑی ہوجاتے ہیں، ارتھات ٹھیک ٹائم پر گھر پہنچنا کیسا، آٹھ آٹھ دن تک پتی جی کی صورت ہی نہیں دکھائی دیتی— ہمارے ہی پتی شریمان ہیرا لال جی کو دیکھ لو، یا تو آنچل سے بندھے ہوئے چابیوں کے گچھے کی طرح آٹھوں پہر کندھے سے چمٹے رہتے تھے، یا آج چار دن ہوگئے کہ ہنس کر دو باتیں بھی نہ کیں— مانو اُن کا منھ بھی روپے کی تھیلی ہے، جس پر منیم جی نے سیل لگا دی ہے، پتی کو کھاتا دیکھنے اور بیاج جوڑنے سے فرصت نہیں اور بڑھیا ساس کو میرا بائی کی طرح گوکل، متھرا، دوارکا سے آنے والے سادھوؤں کی سیوا اور رادھے شیام رادھے شیام کی رٹ لگانے

سے چھٹی نہیں — وہ دیکھو مالا کھنکھناتی چلی آ رہی ہے۔

(گنگا کا پرویش)

گنگا: رادھے شام، رادھے شام۔ برج بہاری، کرشن مراری۔

رتی: (ہاتھ جوڑ کر) بھگتنی جی۔

گنگا: کیا بیٹا؟

رتی: (منہ چڑھا کر) کیا بٹیا — ہونٹوں پر رادھے شام اور ڈھنگ ملیکشوں کے جیسے جگن ناتھ نواسی، چھوت چھات، ذات پات کا وچار ہی نہیں، سب بیچ میل کھچڑی کی طرح ایک۔

گنگا: کیا ہوا بہو؟

رتی: ہوا ہمارا ماتھا اور تمھارا سر، لوگ تھوتھو کرتے ہیں کہ تمھاری ساس چنڈال کے گھر کی لڑکی ہے۔

گنگا: کارن؟

رتی: کیا پانچ برس کی بچی بن کر پوپلے منہ سے پوچھتی ہو۔ کارن۔ کل تم کہاں گئی تھیں؟

گنگا: پڑوس کے دھرم شالہ میں بندرابن سے لوٹ کر آئے ہوئے یاتری ٹھہرے ہوئے تھے، اُن کے درشنوں سے نیتروں کو پوتر کرنے گئی تھی۔

رتی: لیکن گھسیٹا مل کی ماسی تو کہتی تھی کہ تم نے کیول درشن ہی نہیں کیے، بھگتی پُوروک پرنام کرکے اُن یاتریوں کے پاؤں بھی چھوئے۔

گنگا: بٹیا، وہ ترلوکی ناتھ کے پنیہ دھام سے چل کر آئے ہیں۔ اُن کے پیروں کو ہاتھ سے کیا آنکھوں سے چھونا چاہیے۔

رتی: کِنتو بھگتنی جی، یہ بھی جانتی ہو کہ وہ کون ہیں؟ ارے وہ تو بہاری پورگاؤں کے رہنے والے کہار ہیں کہار — چھی چھی — تم نے شودروں کے پاؤں چھو لیے۔

گنگا: تو کیا شودر منشیہ نہیں ہیں، ہندو نہیں، رام اور کرشن کے بھگت نہیں ہیں —

بیٹا، میں نے ان کی شودرتا کو نہیں، اُن کے دھرم اور بھکتی کو پرنام کیا ہے۔

رتی: تب کرو جھک جھک کر پرنام، میں تمھارے بیٹے سے کہہ کر آج ہی تمھارے کھانے پینے کے باسن الگ کرا دیتی ہوں — مروگی تو کوئی ہندو تمھارے منھ میں گنگا جل بھی نہ ٹپکائے گا۔

گنگا: کوئی نہ ٹپکائے۔ کِنتو مرتے سمے گنگا جل دینے کے لیے تم تو میرے پاس ہوگی۔

رتی: میں؟ — مرتے سمے مجھ سے گنگا جل مانگوگی، تو گنگا جل کے بدلے گلے میں آدھا کنستر مٹی کا تیل اُنڈیل دوں گی۔

گنگا: بہو ہوکر بڑھیا ساس کے منھ میں مرتے سمے مٹی کا تیل انڈیل دوگی؟

رتی: ہاں۔ تمھارا لوبھی بیٹا کیچڑ میں گرا ہوا پیسہ دانتوں سے اُٹھاتا ہے، تیل پی کر لسان جاؤ گی تو چتا جلانے میں گھی کم خرچ ہوگا۔

گنگا: بیٹا۔ گرہست کی تپتی ہوئی بھومی پر ناری پریم کا بادل ہے، یاد رکھو، اس کا کام آگ برسانا نہیں ہے۔ ناک کی نتھ سے بہو کے سہاگ کی شوبھا، گھونگھٹ سے لاج کی شوبھا اور پریم بھرے مدھر شبدوں۔سے ہونٹوں کی شوبھا ہے، رادھے شام، رادھے شام۔

رتی: بس بس، یہ رادھے شام، رادھے شام کی بے سُری بانسری چھٹی کے سمے بجانا، جاؤ، تمھارے سپوت آفس سے آرہے ہوں گے، آگ سلگا کر پوریاں اُتارلو۔

گنگا: بہو، میں سیدھی گنگا جی سے اشنان کرکے چلی آرہی ہوں، رسوئی کیسے بناؤں، ابھی تک تو ٹھاکر پوجا بھی نہیں کی ہے۔

رتی: ارے پہلے پیٹ پوجا کہ ٹھاکر پوجا؟ ٹھاکر ٹھاکر ٹھاکر۔ میں پوچھتی ہوں کہ رسوئی نہ بنی تو کیا تمھارے ٹھاکر جی آکر تمھارے منھ میں پوری اور رس گلّے ڈال جائیں گے؟ تم تلک لگاؤ، کنٹھی پہنو، مالا جپو، ٹھاکر پوجا کرو اور میں سارا دن پھکنی، لے کر چولھے کے ساتھ منھ جھلسوں۔

گنگا: بٹیا، ساسیں اپنے سُکھ کے لیے بہوویں بیاہ کر لاتی ہیں، گھر سنبھالنا، سوامی اور ساس کی سیوا کرنا، یہی تمھارا دھرم ہے۔

رتی: ہاں، سیوا کرنا ہمارا دھرم اور پکا پکایا دال بھات ٹھونسنا تمھارا دھرم، سیوا کرانا تھا تو بہو کے بدلے بیٹے کے لیے باندی کیوں نہ لائیں، تم نے اسی طرح اپنی پہلی بہو کو چھید چھید کر مارڈالا، اب مجھے بھی کھا جانا چاہتی ہو۔ کنتو میرا نام رتی ہے۔ رتی، یم پوری جانے سے پہلے تمھیں مسان گھاٹ بھیج دوں گی۔

گنگا: کیسی پاگل چھوکری، پربھو اسے رُوپ دیا ہے تو سمجھ بھی دو، رادھے شام، رادھے شام۔

(جانا)

رتی: اس بڑھیا پر دو دفعہ محلے کے کالو چمار سے جادو کرایا، ایک مرتبہ دھکا دے کر سیڑھی سے نیچے گرایا، ایک دفعہ پوجا کرنے کے سے کھڑکی سے اس کے سر پر سانپ چھوڑ دیا، لیکن پھر بھی نہیں مری، جان پڑتا ہے کہ اس نے یم راج سے جینے کا ٹھیکا لے لیا ہے، بھیجو بھگوان، اس بڑھیا کو جلدی مسان بھیجو۔

— گانا —

(جاتی ہے)

ایکٹ پہلا— سین چوتھا

واسودیو کے گھر کا دیوان خانہ

شاردا: دن کو سوریہ اور رات کو چندرما کرنوں کی لانبی سنہری انگلیوں سے سنسار کی وینا بجا رہے تھے، دھرتی اور آکاش کانپتے ہوئے تار کے سمان مدھر جھنکار سے گونج رہے تھے۔ سمے، رتو، لہریں، پھول، ستارے، سب آنند کا نشہ پی کر ناچ رہے تھے، اتنے میں پھن پھیلا کر رینگتے ہوئے سانپ کی طرح بادل کے ایک کالے ٹکڑے نے آکر اس سنگیت اور سوندریہ کے درشیہ کو گھرے اندھیرے سے ڈھانک دیا، دس برس بیت گئے، کِنتو وہ پریم کی رچی ہوئی سرشٹی، وہ کوی کی سُندر کویتا جیسا منوہر درشیہ— جانے دو۔ وہ ایک سوپن تھا، سماپت ہوگیا۔

(واسودیو کا پرویش)

واسودیو: پریے، ایک ضروری مقدمے کے لیے مجھے رات کی ٹرین سے مظفرپور جانا ہوگا، کشور بھی ساتھ جارہا ہے، اس لیے منورما کی ورش گانٹھ کے جلسے میں ہم دونوں شریک نہ ہوسکیں گے۔

شاردا: ہوں— اچھا۔

واسودیو: تم کس سوچ میں ہو؟

شاردا: میں؟

واسودیو: ہردیشوری، وِواہ کے دن سے آج تک دس برس کی لمبی مدت میں ایک دن

بھی میں نے تمھیں پھول کی طرح کھلکھلا کر ہنستے نہیں دیکھا، اور کلکتہ سے آنے کے بعد تو مانو تمھاری مسکراہٹ بھی کوئی اُدھار مانگ کر لے گیا ہے، کیا میں تمھارے مُکھ پر کبھی واستوک سکھ کے چنھ نہ دیکھوں گا؟

شاردا: سُکھ۔ سُکھ؟ پُرش ناری کے سُکھ کے لیے نہیں اپنے سُکھ کے لیے وواہ کرتا ہے؟ اُسے بھوجن بنانے کے لیے ایک رسوئیے کی، سیوا کرنے کے لیے ایک باندی کی، سر جھکا کر آگیا پالن کرنے کے لیے ایک خوشامدی مصاحب کی، گھر کی رکشا کے لیے ایک دربان کی اور آدھی رات تک دروازے کی اور ٹکٹکی لگا کر انتظار میں بیٹھے رہنے کے لیے ایک پربھو بھگت کتے کی ضرورت ہے اور یہ سب ضرورتیں استری سے پوری ہوتی ہیں، ناری نے سنسار میں سکھ پانے کے لیے نہیں، پُرش کے لیے اپنے سکھوں کا بلیدان کرنے کو جنم لیا ہے۔

واسودیو: پریے، مجھے بتاؤ کہ تمھیں کیا دکھ ہے، مجھ سے نہ کہو گی تو پھر کس سے کہو گی، ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ میں سمھاگی بننے ہی کے لیے میرا اور تمھارا وواہ ہوا ہے۔

شاردا: کنّیا کی اِچھا جانے بنا، اُسے رسّی میں بندھی ہوئی گائے کے سمان دوسرے کے حوالے کردینا، اس مہاانرتھ کو تم وِواہ کہتے ہو، یہ وِواہ تھا؟ میرا لالچی باپ روپیوں کی تھیلی چاہتا تھا اور تم بڑھاپے کے جھری دار ہاتھ میں چودہ برس کی یُوا کنّیا کا ہاتھ چاہتے تھے، اس لیے میرا اور تمھارا وِواہ نہیں ہوا، دھن کے لوبھ سے بڑھاپے کی کامنا کا— سوارتھ سے انیائے کا— اور ضرورت سے روپیے کا وِواہ ہوا ہے۔

واسودیو: شاردا، یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

شاردا: وہی کڑوی، کسیلی، کھری بات جو انیائی سماج کے نیم انوسار ناری کو نہ کہنی چاہیے۔

واسودیو: تم میرے لیے ایک پہیلی ہوگئی ہو، بسنت کمار نے آنے کا وعدہ کیا ہے، آئے تو بٹھانا، میں ابھی لوٹ کر آتا ہوں۔

(جانا چاہتا ہے)

شاردا: ٹھہرو، جو بادل سوکھے کھیت پر جل برساتا ہے، وہ بجلی بھی گراتا ہے، اس لیے بسنت کی مترتا چھوڑ دو، میں ونے کرتی ہوں کہ اُسے گھر میں نہ آنے دو۔

واسودیو: بسنت کو نہ آنے دوں، کارن؟

شاردا: اُس کی اپستھتی میں ایسا انوبھو ہوتا ہے کہ اس دھن، سکھ، شانتی سے پری پورن گھر کی چھت اور دیواریں بھوکمپ سے ہل رہی ہیں — نہ آنے دو، پربھو۔ سوامی۔ ہاتھ جوڑتی ہوں، اُس راکشس کو یہاں نہ آنے دو۔

واسودیو: شاردا، بسنت جیسے سداچاری متر کے لیے ایسے وچار، تم ابھی اُسے نہیں سمجھیں۔

(جاتا ہے)

شاردا: نہیں سنا، وہ آرہا ہے، اور سدا آیا کرے گا۔ کیا کروں؟ آگ کو جتنا بجھانا چاہتی ہوں اُتنے ہی اُس کے پرجولت ہونے کے سادھن اور ادھک ہوجاتے ہیں، اُف اُف، پہاڑ سے نکلی ہوئی چٹان کا کنارا تھام کر اندھیرے غار کے منھ پر جھول رہی ہوں، رکشا کرو، رکشا کرو، دیولوک کی شکتیو، نرک میں گرتی ہوئی ابھاگنی کی رکشا کرو۔

بسنت کمار: (اندر سے) ہاں، کوچوان سے کہو گاڑی واپس لے جائے۔

شاردا: اُسی کی آواز، بھاگ جاؤں یا ٹھہروں (کلیجہ دباتی ہے) — ارے ہردے۔

(بسنت کمار کا پرویش)

بسنت کمار: بندھو کہاں ہیں؟

شاردا: جلدی لوٹ آنے کے لیے کہہ کر باہر گئے ہیں (کرسی کی اور سنکیت کرکے) بیٹھو — نہیں — جاؤ جاؤ — لوٹ جاؤ، تمھیں دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ تم

بسنت نہیں، میرے پچھلے جنم میں کسی رشی کا دیا ہوا شراپ ہو۔

بسنت کمار: اتنا کرودھ! کیا مجھ سے کوئی اَپرادھ ہوا؟

شاردا: اَپرادھ؟ کیا پُرش بھی سنسار میں اَپرادھ کرتے ہیں؟ نہیں— ناری پُرش کو اپنا ایشور اور دیوتا کہتی ہے۔ اس لیے ایشور اور دیوتا سوروپ پُرش کوئی اَپرادھ نہیں کرسکتے، اَپرادھ کرتی ہے ناری— ناری کا دُربل ہردے— ہردے کا اتھاہ وشواس— جاؤ، نرپرادھ پُرش مجھ پر دیا کرو اور واپس جاؤ۔

بسنت کمار: اچھا میری اُپستھتی تم کو دُکھ دیتی ہے تو جاتا ہوں۔

(سوچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

شاردا: لوٹا جاتا ہے، جانے دو، ارے ہردے پھر؟— ٹھہرو بسنت، ٹھہرو، تم، تم

بسنت کمار: کبھی ترسکار، کبھی آدر، کیا تم پاگل ہوگئی ہو؟

شاردا: دس برس کے بعد آج جانا کہ میں پاگل ہوگئی ہوں؟ جب اِن آنکھوں کی کھڑکیوں سے جھانکتے ہوئے تمھارے ہردے نے پہلی بار میرے ہردے کو پریم کا سندیسہ دیا تھا، جب تم نے اس چمیلی کے ورکش کے نیچے جس کے سفید پھولوں پر چندرما کی کرنیں چاندی پر سونے کی میناکاری کے سمان چمک رہی تھیں، میری ساڑی کا آنچل پکڑ کر مجھ سے پریم کی بھکشا مانگی تھی، جب میرے گھونگھٹ بڑھا کر سر جھکالینے پر تم نے چندرما کو ساکشی بنانے کے لیے اوپر کی اور اُنگلی اٹھا کر مجھے اپنی جیون سنگنی بنانے کی شپتھ کھائی تھی، اُسی دن میں پاگل ہوگئی تھی، کیا یہ بھی یاد دلانا ہوگا کہ وہ کون سا دن تھا؟— بسنت وہی دن، جب تم اٹھارہ برس کے تڑن کمار تھے اور میں چودہ برس کی یوا کنیا تھی۔

بسنت کمار: شاردا تمھیں پیسہ کھوکر روپیہ، پنکھڑی کھوکر پھول، دیپک کھوکر چندرما، ارتھات بسنت کو کھوکر بسنت سے کہیں ادھک گن وان پتی مل گیا، وواہ کے بعد گرہست آشرم کے اندر پتی اور پتنی کا سمبندھ پانی اور تیل جیسا نہیں دودھ

اور مٹھاس جیسا ہونا چاہیے، پتی کا دھرم ہے کہ اپنی پتنی کے سوا ہر ایک استری کو پتری اور ماتا سمجھے اور ناری کا دھرم ہے کہ اپنے سوامی کے سوا ہر ایک پر پرش کو پتر اور پتا جانے۔

شاردا: وہ دیکھو، اوپر دیکھو، بادل زور سے اُڑے جارہے ہیں، ان سے کہو کہ ٹھہر جاؤ۔ وہ دیکھو، سامنے دیکھو، ہوا کے تھپیڑوں سے درخت کی ڈالی اور پتے شور کررہے ہیں، ان سے کہو کہ شانت ہوجاؤ، چپ کیوں ہو؟ آگیا کرو۔

بسنت کمار: وہ میری آگیا سنیں گے؟

شاردا: تب ناری کے ہردے میں ہاہاکار کرتا ہوا طوفان تمھارے مُکھ کے شبدوں سے کس طرح شانت ہوسکتا ہے— میں دھیرے دھیرے سب کچھ بھول چلی تھی— سب کچھ بھول جاتی— کِنتوتم نے قسمت کے لکھے کی طرح سامنے آکر بچپن کی بھولی ہوئی کہانی پھر یاد دلا دی، اَروگیہ ہوتے ہوتے پھر بیمار ہوگئی، اب اس بیماری کی ایک ہی دوا ہے— مرتیو— یا تمھارا پریم۔

بسنت کمار: شاردا سنبھلو، دیکھو وہ دھرم جو اب تک تمھاری رکشا کررہا تھا، آج تم اندھی ہوکر اُسے لات مار رہی ہو۔

شاردا: پریتے، ناری کا پرتھم دھرم پریم ہے، میں گھر، شکھ، پتی، دھرم سب کچھ چھوڑ کر تمھارے ساتھ بھاگ چلنے کو تیار ہوں، لے چلو۔ لے چلو۔ منشیوں کے سنسار سے، سوریہ چندر کے راج سے، مرتیو اور جیون کے ادھیکار سے باہر کسی اور جگت میں لے چلو، وہ جگت جہاں کیول میں ہوں، تم ہو اور پریم ہو۔

(رَسِک لال آتا، بسنت اور شاردا کو ایکانت میں باتیں کرتے دیکھ کر ٹھٹھکتا اور آڑ میں ہوکر اُن کی باتیں سنتا ہے)

بسنت کمار: دیا کرو، شاردا۔ اپنے اوپر دیا کرو، تمھارے ہردے میں پاپ جوالا بھڑک اٹھی ہے، تم جوالا مکھی پہاڑ کی طرح اپنے ہی اندر سے آگ نکال کر اس میں بھسم ہوجانا چاہتی ہو۔

شاردا: میں تمھارے مُکھ سے پریم کے سوا اور کوئی شبد سننا نہیں چاہتی، بسنت۔ پریتے، مجھے اپنے ہردے میں جگہ دو، دیکھو دیکھو، میں تمھارے چرنوں پر سر جھکا کر پریم کی بھیک مانگتی ہوں۔

(پیروں پر گر پڑتی ہے)

بسنت کمار: اُٹھو شاردا اُٹھو، میں اپنے دھرم اور متر کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ ابھاگنی، میں پھر کہتا ہوں کہ اپنا سرو ناش نہ کر، سوریہ بنا تیج کے اور ناری بنا دھرم کے کچھ نہیں ہے۔ سنسار کا گہنا ناری ہے اور ناری کا گہنا سونا چاندی نہیں۔ لاج، سوامی بھگتی اور ستیہ ہے۔

شاردا: ہردیشور۔ نہیں سمجھ سکی کہ تم مجھ سے کیوں گھرنا کرتے ہو، کہو۔ کہو۔ پریم اَپرادھ کے اَتی رکت میں نے اور کیا اَپرادھ کیا ہے؟

بسنت کمار: اَپرادھ؟ نرلج، اپنا اَپرادھ پوچھتی ہے؟ پتی کا وشواس اور ناری دھرم کو نشٹ کرنے سے بڑھ کر ناری کا اور کیا اَپرادھ ہو سکتا ہے؟

شاردا: نسچے، میں پتی سے وشواس گھات کرنے جا رہی ہوں، لیکن جیون کے انت تک تمھارے ساتھ......

بسنت کمار: بس میں کبھی تمھارا وشواس نہیں کر سکتا۔

شاردا: نہیں، کس لیے؟

بسنت کمار: اس لیے کہ جو آج ایک کو دھوکا دینے جا رہی ہے، وہ کل دوسرے کو بھی دھوکا دے گی جو ناری اپنے پتی کی نہ ہوئی، وہ پُرش کی کبھی نہیں ہو سکتی۔

شاردا: پریم کا یہ بدلہ، ایک ناری کے لیے گالی سے بھی کڑوے شبد، بس آج سمجھ گئی کہ پُرش ناری کے دُربل ہردے کو ٹھکرانے ہی میں اپنی جے سمجھتا ہے، دھتکارتی ہوں، تجھے بھی، تیرے پریم کو بھی اور اس نرلج جیون کو بھی۔

(ٹیبل پر رکھے ہوئے پھلوں کے تھال سے چھری اُٹھا لیتی ہے)

میں بھی مروں گی، تو بھی مر۔

(کرودھ سے اُنمت ہوکر چھری مارنے جاتی، اُسی سے واسو دیو واپس آتا ہے، واسودیو کو دیکھتے ہی چھری شاردا کے ہاتھ سے چھوٹ کرگر پڑتی ہے)

واسودیو: متردر—

(رَسِک لال سامنے آتا ہے)

رَسک لال: (آگے بڑھ کر) تمسک۔

ایکٹ پہلا— سین پانچواں

ہیرا لال کا گھر

(رتی اپنی دو پڑوسنوں کے ساتھ آتی ہے)

رتی: سکھی، گھر گھر یہی سیاپا ہے، تم بھی کانٹوں کی سیج پر سوتی ہو اور میں بھی انگاروں پر لوٹتی ہوں، تمھیں جوان سوت کا جلاپا اور مجھے بڑھیا ساس کا پٹنا۔

پڑوسن 1: بہن، ان کی سوت نے تو ان کے پتی پر جادو کردیا ہے، جب سے نیا کھلونا ہاتھ لگا ہے، وہ ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔ ہردے کے کٹورے کا میٹھا شربت ہے تو وہ اور پریم کی تھالی کا موہن بھوگ ہے تو وہ۔

رتی: سکھی، تمھیں اس طرح پیروں کے نیچے رکھ چھوڑا ہے، پھر بھی تم نئے جوتے کی طرح کاٹ نہیں کھاتیں؟ ارے تمھاری جگہ میں ہوتی تو جھاڑو سے سوت کے سر پر جما ہوا جالا بھی جھاڑ دیتی اور پتی کی مونچھ پر بھی تیل چھڑک کر دیا سلائی دکھا دیتی۔

پڑوسن2: رتی بہن، جب مجھے پتی ہی کے ساتھ جینا اور پتی ہی کے چرنوں میں مرنا ہے، تب وہ چاہے گھر کو سوتوں کا ڈربا بنا دیں، پھر بھی مجھے تو نباہنا ہی ہوگا، کنتو تمھاری بڑھیا ساس تو......

رتی: (بات کاٹ کر) ارے وہ بڑھیا نہیں زہر کی پڑیا ہے، دیکھو بہن، تم تو میرے ساتھ کی کھیلی ہوئی ہو، اس لیے اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اپنے باپ کے گھر میں دن کو دس بجے سوکر اٹھتی تھی، نوکروں سے ذرا سا قصور ہوا تو اُن پر باول

کی طرح برس پڑتی تھی، گھر کا کام دیکھنے کے بدلے پلنگ پر لیٹ کر ناٹک اور ناول دیکھا کرتی تھی، اور اب یہ بڑھیا کہتی ہے کہ چار بجے سویرے اُٹھ کر پوجا پاٹھ کرو، دن بھر گھر کا کام دیکھو، نوکروں کو بلیا بھیا کہہ کر پکارو، ناٹک اور ناول کے بدلے رامائن اور بھاگوت پڑھو— اس کا بس چلے تو مجھے دن بھر بکری کی طرح ہنکاتی پھرے— مجھے تو جان پڑتا ہے کہ یہ بڑھیا پچھلے جنم میں کسی چرواہے کی لڑکی تھی۔

پڑوسن 2: رتی، سچی بات کڑی کمان کے تیر کی طرح کان میں لگتی ہے، پھر بھی تمھارے بھلے کے لیے کہے بنا رہا نہیں جاتا۔ گنگا دیوی جیسی ساس کے تو پاؤں دھو دھو کر پینا چاہیے۔ ایسی پریمی، ایسی منگل مئی، ایسی......

رتی: (بات کاٹ کر اور اُس کے منھ پر ہاتھ رکھ کر) بس بس بس، اس کے آگے اور نہ بولنا نہیں تو آج ہی میرے تمھارے بہناپے کا سمبندھ ٹوٹ جائے گا۔ وہ میری ساس ہے، یا گروانی، میں پڑھی لکھی ہو کر ایک اَن پڑھ بڑھیا کی بات کیوں سنوں؟ (پہلی کا ہاتھ کھینچ کے) کیوں نہیں، سننا چاہیے؟

پڑوسن2: جنم دینے والی ماتا اور پیار کرنے والی ساس جب کہے گی، بھلائی کی بات کہے گی۔ (پہلی کا ہاتھ کھینچ کر) کیوں بہن نہ سننا چاہیے؟

رتی: بڑھیا مجھے بیاہ کر کیوں لائی؟ کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ بیاہ سے پہلے بیٹے کے گھر میں ماں کا راج اور بیاہ کے بعد بہو کا راج ہوتا ہے۔ (پہلی کا ہاتھ کھینچ کر) کیوں بہن ٹھیک ہے نا؟

پڑوسن 2: اور تم بیاہ کر کے کیوں آئیں؟ کیا نہیں جانتی تھیں کہ پتا کے گھر کی رانی جی کو پتی کے گھر میں داسی بن کر رہنا پڑتا ہے۔ (پہلی کا ہاتھ کھینچ کر) کیوں بہن سچ ہے نا؟

پڑوسن 1: ارے تم دونوں کیا ساس بہو کے جھگڑے میں میرا ہاتھ توڑ دو گی؟ کرپا کرو، میرے پتی کے پاس ڈاکٹر کو دینے کے لیے فیس نہیں ہے۔

رتی: جوانی گئی، بڑھیا ہوئی، اب کب تک گھر کی چودھرانی بنی رہے گی؟ حکم چلائے گی تو میں اس طرح منھ توڑ جواب دوں گی۔ (پہلی کو کھینچ کر) کیوں بہن، اینٹ

کا جواب پتھر سے دینا چاہیے نا؟

پڑوسن 2: اور تمھارے گالوں پر کب تک جوانی کا روغن رہے گا؟ ایک دن بڑھیا بھی ہوگی اور ساس بھی بنوگی، پھر بڑھاپے میں تمھاری بہو بھی تمھاری اسی طرح دُرگت کرے گی۔ (پہلی کا ہاتھ کھینچ کر) کیوں بہن جھونٹے پکڑ کر جوتیاں لگائے گی نا؟

پڑوسن 1: وہ جوتیاں لگائے یا نہ لگائے لیکن تم دونوں کے بیچ میں میں بولی تو ضرور مفت میں جوتیاں کھاجاؤں گی۔

رَتی: ہوں۔ اب سمجھی— تم تو آج میری ساس کی طرف سے مجھ سے لڑنے آئی ہو، کیا میری ساس تمھارے منھ میں لڈو دیتی ہے اور میں تمھیں گوبر کھلاتی ہوں۔

پڑوسن 1: (منھ پھیر کر) اب ضرور یدھ ہوگا، کیونکہ سورپ نکھا کو غصہ آگیا۔

رتی: نکل جاؤ، ابھی نکل جاؤ، میرے گھر سے، پھر اس گھر کی چوکھٹ لانگھی تو جھاڑو مار کے پاؤں سُجا دوں گی۔

پڑوسن 2: بڑی جھاڑو مارنے والی، جھاڑو مار اپنی صورت پر، اپنے باپ کے نام پر۔

پڑوسن 1: ارے یہ کیا!— لڑنے لگیں— رتی بہن۔

رتی: بس، اس کی طرف سے بولنا ہے تو تم بھی جاؤ۔

(دھکا دیتی ہے، پہلی دوسری پر جا کر گرتی ہے)

پڑوسن 1: آج سے تیری چوکھٹ پر تھوکنے آؤں تو میرے منھ پر تھوک دینا۔

رتی: نکل نہیں تو— دانتوں سے بھنبھوڑ کھاؤں گی۔

پڑوسن 1: بچنا، کاٹ کھائے گی۔

(غصے میں ایک طرف رتی اور دوسری طرف دونوں پڑوسنیں جاتی ہیں)

ایکٹ پہلا — سین چھٹا

راستہ

(شیو دیال بغل میں کھاتا دبائے ہوئے آتا ہے)

شیودیال: آفس بند کر کے سیڑھیوں سے اُترتے سمے بسنت کے گھر کی طرف نظر پھینکی تو اندر کا اکھاڑا دکھائی دیا، رنگ میں بھنگ کرنے کے لیے بس اب اس کالے دیو کے پہنچنے کی دیر ہے۔

(آگے بڑھتا ہے، سامنے سے آتے ہوئے رسِک لال سے ٹکر ہوتی ہے)

رسِک لال: (بنا پہچانے) گدھی کے نواسے، آنکھیں دُم میں بندھی ہوئی ہیں، دیکھ کر نہیں چلتا۔

(ایک دھپ مارتا ہے)

شیودیال: کیسا پاجی ہے، دھکّا بھی دیا اور کھوپڑی کو طبلہ سمجھ کے ایک تھاپ بھی لگا دی۔ (پہچان کر) ارے رسِک بابو؟ بھول ہوئی، شما کرنا۔

رسِک لال: منیم جی، یہ کیا، اَپرادھ میرا اور شما تم مانگتے ہو؟

شیودیال: رسِک بابو۔ درخت کی جڑ زمین کے نیچے اور نوکری کی جڑ زمین سے ڈھائی ہاتھ اوپر ہوتی ہے، اس لیے مالک اَپرادھ کرے تو بھی نوکر ہی کو شما مانگنی چاہیے۔

رسِک لال: اچھا کہو، کہاں چلے۔

شیودیال: بسنت کے گھر اُس کی لڑکی کی ورش گانٹھ کا جلسہ ہے، آپ کے بابو جی کی آ گیا

سے روپیوں کا تقاضا کرنے جارہا ہوں۔

رَسِک لال: تب جاؤ اور مہمانوں کے بیچ میں اُس کے سر پر بم کے گولے کی طرح پھٹ پڑو۔

شیودیال: یہ چلا، لیکن ہاں، آپ ذرا دیکھ کے رستہ چلیے، میں نے تو بھلے مانس کی طرح چپت کھالی، لیکن کسی بگڑے دل سے ٹکر ہوگئی تو وہ سر کے خربوزے کو مارے چانٹوں کے بیکانیر کا لال تربوز بنا دے گا۔

(جاتا ہے)

رَسِک لال: آفس کے نوکر چھٹی پاچکے۔ باوا جی گھر پر براجمان ہیں اور شری یُت منیم جی مہاراج، بسنت سے کھوپڑی لڑانے گئے ہیں— چابیاں پہلے سے بنوا رکھی ہیں— آج آفس کی تجوری سے نوٹوں کا ایک دو بنڈل اُڑا لینا چاہیے۔ باوا جی روئیں گے— لیکن اپنی تو کچھ دنوں ہنستے کھیلتے کٹے گی— واہ رے میں۔

(جاتا ہے)

ایکٹ پہلا — سین ساتواں

(بسنت کا گھر — گھر کے سامنے ہیرا لال کا آفس)

(منورما کی سال گرہ کا جلسہ، گھر کے سب لوگ اور مہمان جمع ہیں)

بسنت کمار: بیٹی منورما، دوج کا چاند جوں جوں بڑھتا ہے، اس کا الوکک روپ اور پرکاش بھی بڑھتا جاتا ہے، میں تمھیں آشیرواد دیتا ہوں کہ آیو کے ساتھ سدگن کی اور سوندریہ کے ساتھ آتمک تیج کی بھی وردھی ہو۔

سرسوتی: (مہمانوں سے) بھوجن کے لیے کرپا کریں۔

(سب مہمان سرسوتی کے ساتھ اندر جاتے ہیں)

بسنت کمار: پیتامبر آج کیسا سکھ کا دن ہے؟

پیتامبر: ہاں پربھو، آج ایسا جان پڑتا ہے کہ یہ گھر نہیں سکھ کا سُرووَر ہے اور میں پیتامبر نہیں اس سرووَر میں تیرتا ہوا کمل ہوں۔

(شیودیال کا پرویش)

شیودیال: بسنت کمار جی، یہ بے بلایا مہمان بھی آگیا، حساب کا کھاتا بغل میں اور ہیرا لال جی کا حکم میرے ہونٹوں پر ہے، کھاتا دیکھ لو اور روپیے گن دو۔

بسنت کمار: شیو دیال، کیسے روپیے؟

شیو دیال: سرکاری ٹکسال میں ڈھالے ہوئے روپیے، چاندی کے روپیے، گول گول

روپے، ملکہ وکٹوریا کے پوتے کی جس پر تصویر بنی ہے، وہ روپے اور کیسے روپے۔

بسنت کمار: تو کیا ہیرا لال کے قرض کا روپیہ مانگنے آئے ہو؟

شیو دیال: اور نہیں تو کیا ورش گانٹھ کے جلسے میں ڈھول بجانے آیا ہوں۔

پیتامبر: منیم جی، گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں، آدمی کی طرح باتیں کرو۔

شیو دیال: آدمی نہیں تو کیا تمھارے سامنے دو پاؤں کا جانور کھڑا ہوا ہے، گالیاں دینے سے جان نہیں بچے گی، روپیہ دینا ہوگا، مُول اور بیاج دونوں دینا ہوگا اور ابھی کا ابھی دینا ہوگا۔

بسنت کمار: ہیرا لال سے کہہ تو دیا تھا کہ روپے کا بندوبست کر رہا ہوں، نہیں ہوا تو ابھی کا ابھی کس طرح دوں؟

شیو دیال: کسی سے اُدھار لو۔

بسنت کمار: اُدھار بھی نہیں ملا۔

شیو دیال: تو سڑک کے کنارے چادر پھیلا کر راستہ چلتوں سے بھیک مانگو۔

بسنت کمار: کیا کہا۔ بھیک؟

شیو دیال: ہاں۔ بھیک بھی نہ ملے تو آج کل موٹر میں بیٹھ کر ڈاکا ڈالنا فیشن ہوگیا ہے۔ تم بھی پستول ہاتھ میں لے کر کسی مہاجن کے گھر پر چھاپا مارو۔

پیتامبر: منھ میں لگام دو، کیا تم ایک شریف کے گھر میں روپے کے ساتھ اُس کی عزت بھی لینے آئے ہو؟

شیو دیال: اس دنیا میں مفلسوں کی نہیں پیسے والوں کی عزت ہوتی ہے، کاسمیٹک لگا کر موچھوں کو بل دے کے منھ کے دونوں طرف گرگٹان کے دم جیسی دو نوکیں نکال دینے سے آدمی عزت دار نہیں بن جاتا۔

بسنت کمار: بس۔ لاچار آدمی کے دھیرج کی بھی حد ہوتی ہے، گھایل شیر چھاتی پر شکاری کی دوسری گولی کھاسکتا ہے لیکن گیدڑ کی لات سہن نہیں کرسکتا— چلے جاؤ۔

شیو دیال: سفید ٹھگ، جلسے اور مہمانوں کی دعوت کے لیے روپے ہیں اور باوا کا قرض

ادا کرنے کے لیے روپے نہیں ہیں، اتنی بڑی ناک اور اتنی بھی شرم نہیں۔

بسنت کمار: ٹھنڈا پانی بھی کھولانے سے گرم ہوجاتا ہے، مجھے کرودھ نہ دلا۔

شیودیال: کیا کرے گا؟

بسنت کمار: کتے یہ کروں گا۔

(لات مارتا ہے)

شیودیال: مجھے لات ماری اور کتا بھی کہا، اچھا اب اس کتے کے دانت سے بچے رہنا، کل ہی ہتھکڑی لگا کر جیل نہ پہنچایا اور تیرے دروازے پر نیلام کی تھالی نہ پٹوائی تو مجھے شیودیال نہ کہنا۔ بدمعاش— جوا چور—

(جاتا ہے)

بسنت کمار: پاجی—

(مارنے جاتا ہے، پیتامبر روکتا اور سرسوتی آکر ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

پیتامبر: پربھو، پربھو۔

سرسوتی: ناتھ، ناتھ۔

پیتامبر: کمینے کی بات پر اتنا غصہ، بچوں سے دھول اُڑائے تو کیا چاند میلا ہوجاتا ہے؟

بسنت کمار: میں رکت مانس کا پتلا ہوں، میری جگہ پتھر ہوتا تو اس سے بھی چنگاریاں اُڑنے لگتیں۔

سرسوتی: قرض کے پتھر سے ہاتھ دبا ہو تو مانگنے والے کی کڑوی کسیلی بات سہنی پڑتی ہے— بیٹھو شانت ہو۔

بسنت کمار: شانتی! قرض ادا کیے بنا شانتی؟ جس غریب ہرن کے پیچھے بھوکے بھیڑیے پھاڑ کھانے کو دوڑ رہے ہوں، کیا وہ شانتی سے ایک جگہ ٹھیر کر سکھ کی سانس

لے سکتا ہے؟ کہاں جاؤں؟ کس سے مانگوں؟ آشا کی آخری کرن واسودیو تھا، وہ بھی یہاں نہیں ہے۔ اوپر، نیچے، دائیں، بائیں چاروں طرف اندھیرا دکھائی دیتا ہے— کل جیل جانا ہوگا— یہ ہاتھ ہتھکڑی پہنیں گے۔ اس بے عزّتی سے پہلے مرجاؤں گا، یا مار ڈالوں گا۔

(جانا چاہتا ہے)

سرسوتی: سنو، غصے کے طوفان میں پانی کے ریلے کی طرح کہاں بہے جاتے ہو؟

بسنت کمار: ہاتھ چھوڑ دو، سمے کا پہیہ ہمارے حکم سے آہستہ نہیں چل سکتا، دنیا میں روپیہ ہی عزّت دلاتا اور روپیہ ہی بے عزّت کراتا ہے، روپیہ ہی آشیرواد ہے اور روپیہ ہی شراپ ہے۔

(چلا جاتا ہے)

پیتامبر: پربھو، ٹھہریے، سنیے۔

(پیچھے جاتا ہے)

سرسوتی: دیا مے یہ کیا کیا؟ کس اپرادھ پر اُس سکھ کے دن کا آنند اور ہونٹوں کی ہنسی چھین لی۔

(اندر جاتی ہے)

(ہیرا لال کے آفس کی سیڑھیوں سے رَسک لال اوپر جاتا۔ دروازہ کھولتا اور تجوری سے نوٹ نکال کر جیب میں بھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے)

(شاردا اندر سے سوچتی ہوئی آتی اور بسنت کے گھر سے رسک لال کو آفس میں چوری کرتے ہوئے دیکھتی ہے)

شاردا: سب ہنس رہے ہیں۔ کنتو میرا ہردے رو رہا ہے، یہ تجوری کھول کر نوٹ کون نکال رہا ہے؟ یہ تو ہیرا لال کا لڑکا رَسِک لال معلوم ہوتا ہے— ہاں وہی—

(شیو دیال سیڑھیوں سے اوپر جاتا، کھلی ہوئی تجوری اور رَسِک لال کے ہاتھ میں نوٹ دیکھ کر چونکتا اور نوٹ چھیننے کے لیے رسک سے گتھ جاتا ہے)

شاردا: یہ دوسرا کون؟ ہیرا لال کا منیم، نوٹ چھین رہا ہے۔ چھری نکالی (رَسِک کرودھ سے اُنمت ہوکر شیودیال کی چھاتی میں چھری بھونک دیتا ہے) آہ مار دیا— خون— خون— گھاتک بھاگا جارہا ہے۔

(منورما کا پرویش)

منورما: ماتا جی آپ کو بُلا رہی ہیں۔

شاردا: (سُنے بِنا) ایک ہی وار میں ٹھنڈا ہوگیا۔

منورما: بلا رہی ہیں— چلیے۔

شاردا: (سنے بِنا) دھرتی اور آکاش کانپ اٹھے ہوں گے۔

منورما: آپ نے اُتر نہیں دیا۔

شاردا: (چونک کر) کون منورما۔

منورما: میں آپ کو بُلانے آئی ہوں۔

شاردا: اچھا، جاؤ (منورما جاتی ہے) یہ کیا تھا؟ چوری بھی اور خون بھی۔ ہردے کانپ رہا ہے میں چکّر کھاکر گر پڑوں گی۔

(ہاتھ سے منھ ڈھانک، کرسی پر بیٹھ جاتی ہے۔ رَسِک گھبرایا ہوا آتا ہے)

رَسِک لال: سمجھایا نہ مانا، لالچ دیا، نہ ملا اور انت میں میرے کرودھ کی بھینٹ ہوگیا— باپ شما کردے کِنتو پولس شما نہیں کرے گی، اب چوری اور خون کے دونوں

بوجھ اپنے سر سے اُتار کر بسنت کے کندھوں پر رکھ دیتا ہوں۔ اس طرح ایمان کا بدلہ بھی لے لوں گا اور پھانسی سے بھی بچ جاؤں گا — شاردا۔ یہ چوری اور خون کا درشیہ دیکھ رہی تھی، اسی کو اپنے ہاتھ کا اوزار بنانا چاہیے — کہاں گئی؟ — یہ رہی — (شاردا کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہے) — اُٹھو۔

شاردا: کون؟ چور — خونی۔

رَسِک لال: چپ۔ میں چور ہوں تو تو بھی چور ہے، میں نے خون کیا ہے تو تو نے بھی خون کیا ہے۔

شاردا: کیا میں تیرے جیسی چور اور خونی ہوں؟

رَسِک لال: نشچے، میرا ہاتھ چوری کرتا ہے اور تیرا ہردے چوری کرتا ہے، میں نے اپنے باپ کے نوٹ چوری کیے اور تو نے اپنے پتی کا وشواس چوری کیا، میں نے شیودیال کا خون کیا اور تو نے واسودیو کے سکھ کا خون کیا ہے۔

شاردا: بدمعاش — ہوش میں ہے؟ کیا بک رہا ہے؟

رَسِک لال: میں یہ بک رہا ہوں کہ ایسنس اور لیونڈر سے سڑی ہوئی آتما کی دُرگندھ نہیں دب سکتی، بھڑکیلی، سنہری پوشاک سے ہردے کا کوڑھ نہیں چھپ سکتا، سفید پاؤڈر منھ پر لگی ہوئی پاپ کی سیاہی کو نہیں ڈھانک سکتا، وہ دن بھول گئی جب اپنے پتی کے گھر کی چھت کے نیچے بسنت کے پیروں میں بیٹھ کر پریم کی بھکشا مانگ رہی تھی — اور — کانپ کر ہٹ کیوں گئی — آگے سنو۔

شاردا: چپ چپ، ہوا اور دیواریں سُن رہی ہیں — بول کیا چاہتا ہے؟

رَسِک لال: اگر اَستی ہوکر بھی ستی کا روپ دھارن کرکے جگت کو انت تک دھوکے میں رکھنا ہے تو آنکھوں دیکھا ہونٹوں سے ظاہر نہ ہو۔ (ٹیبل کی طرف اشارہ کرکے) یہاں بیٹھ، اور میرے شبدوں میں بسنت کے نام ایک چٹھی لکھ۔

شاردا: کیوں؟

رَسِک لال: قرض ادا کرنے کے لیے بسنت کو روپیوں کی ضرورت آپڑی ہے، اُسے تیری چٹھی کے ساتھ یہ نوٹ ملیں گے تو ایک دم جی اُٹھے گا۔

شاردا: مسان کے بھوت کی طرح تیری آنکھوں میں پاپ ناچ رہا ہے۔ چٹھی کے دوارا تو کوئی اور اتیاچار کرنا چاہتا ہے۔ میں تیری چھری کی دھار نہیں بنوں گی۔

رَسِک لال: مجھے اس گھر کے آدمیوں اور پولس کا ڈر ہے، زیادہ نہیں ٹھہر سکتا— لکھ—

شاردا: کبھی نہیں لکھوں گی۔

(جانا چاہتی ہے)

رَسِک لال: کہاں؟ (ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیتا ہے، شاردا لڑکھڑاتی ہوئی ٹیبل کے پاس رکھی ہوئی کرسی پر گرجاتی ہے) حرام زادی— (چھری دکھا کر)— لکھ— (رسک لال بولتا اور شاردا چھری کے ڈر سے رُک رُک کر لکھتی ہے) "ہردیشور۔ تم کو روپے کی ضرورت ہے، اس لیے اپنے سوامی کی چوری سے گہنے گرو رکھ کر یہ نوٹ بھیجتی ہوں، روپیہ کہیں سے مل جانے پر واپس کردینا۔ بسنت۔ میرے پران ایشور میں تمھیں دُکھ میں نہیں دیکھ سکتی۔ تمھاری شا۔"— لفافے پر پتہ لکھو۔ "بسنت کمار جی کی سیوا میں" ٹھیک ہے۔ (لفافے میں چٹھی اور نوٹ بند کرکے ٹیبل پر رکھ دیتا ہے) نظر پڑتے ہی اُٹھا لے گا، وہ رہا دروازہ— جاؤ۔

شاردا: میں گھبرا گئی ہوں، ہردے کی ہلچل تھمنے تک یہیں ٹھہروں گی۔

رَسِک لال: اس لیے کہ میرے جانے کے بعد اس چٹھی کو پھاڑ کر پھینک دے؟ یہ نہیں ہوسکتا، جاؤ— ویشیا، نہیں سنتی۔ کیا چاہتی ہے کہ اس چھری سے ایک عورت کا بھی خون ہو؟ (چھری دِکھا کر)— جا۔

(شاردا ڈرتی کانپتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھتی اور اس کے ساتھ ساتھ چھری سے دھمکاتا ہوا رَسِک بھی جاتا ہے— گھبراہٹ اور نراشا کے ساتھ بسنت کمار کا پرویش)

بسنت کمار: سوکھے شبدوں کے سوا کچھ نہ ملا، ہونٹوں سے سب نے، کنجو جیب کے منھ

سے ایک نے بھی سہانو بھوتی نہ دکھائی (میز پر لفافہ دیکھ کر)— کس کی چٹھی؟— (لفافہ پھاڑتا ہے) چٹھی کے ساتھ ہزار ہزار کے نوٹ (پڑھ کر) شاردا نے بھیجے اور زیور گرد رکھ کر!— رکھ لوں یا واپس کردوں، (دروازے کی طرف پیروں کی چاپ سنائی دیتی ہے) یہ شور کیسا، رَسِک لال اور اس کے ساتھ پولس—

(انسپکٹر اور پولس کے سپاہیوں کے ساتھ رَسِک کا پرویش)

رَسِک لال: مل گیا— یہ رہا— اُڑنے کے لیے سمیٹے ہوئے پر کھل چکے تھے، ذرا دیر سے پہنچتے تو یہاں سے کوسوں دور ہوتا۔

بسنت کمار: (پولس افسر سے) کیا ہے؟ کیوں آئے ہو؟

انسپکٹر: نہیں جانتے— بتانا ہوگا؟

(سرسوتی کا پرویش)

سرسوتی: یہ گھر میں پولس کیسی؟

رَسِک لال: (بسنت کے ہاتھ کی طرف اشارہ کرکے) وہ دیکھیے، ڈھونڈھنے کی ضرورت نہ رہی، یہ رہے نوٹ۔

انسپکٹر: مجھے دو، (بسنت سے نوٹ لے لیتا ہے) خون کے داغ بھی لگے ہیں، یہ نوٹ تمھارے ہیں؟

بسنت کمار: ہاں۔

انسپکٹر: کہاں سے پائے؟

بسنت کمار: ایک متر سے۔

انسپکٹر: اُس متر کا نام؟

بسنت کمار: نہیں بتا سکتا۔

انسپکٹر: دیکھو، تمھارے گھر کے سامنے جو ہیرا لال مہاجن کا آفس ہے، اُس آفس سے

نوٹوں کی چوری ہوئی ہے اور چوری کے ساتھ ہی ہیرا لال کے منیم شیو دیال کا خون بھی ہوا ہے۔

سرسوتی: چوری اور خون ہوا؟

بسنت کمار: شیودیال مارا گیا؟

انسپکٹر: ہاں، اور یہ دونوں اَپرادھ تم نے کیے ہیں۔

سرسوتی: کیا— کیا!— انھوں نے— کارن؟

انسپکٹر: یہ نوٹ۔

بسنت کمار: مجھے چوری جیسا نیچ کام اور خون جیسا مہاپاپ کرتے کس نے دیکھا؟

رَسِک لال: میں نے۔

بسنت کمار: تو نے؟

رَسِک لال: ہاں، چوری اور خون کرتے بھی دیکھا، اور چوری اور خون کر کے بھاگتے بھی دیکھا۔

سرسوتی: نہیں۔نہیں۔ یہ جھوٹ ہے۔ اسمھو ہے، ایک چیونٹی کا بھی دُکھ دیکھ کر جس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے ہیں، وہ تچھ دھن کے لیے منشیہ کا خون کبھی نہ کرے گا۔

بسنت کمار: اَدَھم، نیچ۔ تُو منشیہ نہیں، پشو ہے، بھولتا ہوں، تو پشو سے بھی گرا ہوا ہے۔

رَسِک لال: کیوں؟

بسنت کمار: کیونکہ تو نیتی دھرم کو ماننے والا ہوکر جھوٹ بول رہا ہے، لیکن پشو نہ نیتی جانتے اور نہ دھرم جانتے ہیں، پھر بھی تیرے جیسے منشیہ کی طرح کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔

رَسِک لال: یہ اُپدیش تب کرنا جب عدالت نیائے کی زبان سے پھانسی کا حکم سنا چکے۔

انسپکٹر: اپرادھی کو گرفتار کرو۔

سرسوتی: نہیں— ٹھہرو— یدی نیائے کی پیاس نِش پاپ منشیہ کا لہو پیے بنا نہیں بجھ سکتی، یدی عدالت پر ان کے بدلے ایک نردوش کا پران ہی لینا چاہتی

ہے تو میرے سوامی کو چھوڑ دو اور ان کے بدلے مجھے ہتھکڑی پہنا کر پھانسی کے تختے پر لے چلو، مجھے یہ تچھ پران نہیں، پران پتی چاہیے۔

انسپکٹر: ہتھکڑی لگاؤ۔

(ایک طرف سے منورما اور دوسری طرف سے پیتامبر کا آنا)

پیتامبر: یہ کیا!

منورما: پتا جی۔

سرسوتی: ناتھ۔ ناتھ۔

(مورچھت ہوکر گر پڑتی ہے)

—ڈراپ—

ایکٹ دوسرا— سین پہلا

ہیرا لال کا گھر

ہیرالال: روپیوں کے لیے چوری اور چوری چھپانے کے لیے خون، وہ بھی آدھی رات کے سناٹے اور اندھیرے میں نہیں، ٹھیک اُس وقت جب چراغوں کی روشنی میں رات دن گلے مل رہے تھے، کتنا ساہس!— بسنت تُو اپنے ہی ہاتھ کے بُنے ہوئے جال میں پھنس گیا ہے، دم گھٹ کر مرنے کے لیے میں ان جال کے پھندوں کو اور بھی کس دوں گا۔ (گنگا اورسرسوتی کا پرویش) کون؟ بسنت کی اِستری! ناری تُو یہاں کیوں آئی؟

گنگا: نہیں سمجھے؟ دوپہر کی دھوپ سے جھلسا ہوا مسافر گھنے ورکش کی چھاؤں میں کیوں جاتا ہے؟ پیاس سے ہانپتی ہوئی ہرنی بہتے ہوئے جھرنے کے پاس کیوں جاتی ہے؟

سرسوتی: اس بھارت دیش کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ دلت جاتی کو سوتنترتا، تیاگی کو موکش، بھکتوں کو ہری نام جتنا پیارا ہے، اُتنا ہی ہندوناری کو اپنا پتی پیارا ہوتا ہے۔ پتی ہی اس کی آتما اور پتی ہی اُس کی سانس ہے، سنسار کے دوسرے جنتو اَن اور جل سے جیتے ہیں اور ہندو ناری پتی کے پریم اور بھکتی سے جیتی ہے۔

ہیرالال: تو؟

سرسوتی: آج اپنے آنسوؤں کی ورشا میں بھیگتی ہوئی ایک بھکارن تمھارے دروازے پر آئی ہے، دھن اور دھام مانگنے کے لیے نہیں، اپنے پتی کے پران مانگنے۔

بھکشا دو— دیالو— بھکارنی کو بھکشا دو۔

ہیرالال: دیا کی بھکشا دوں، کس کے لیے؟ ایک چور اور خونی کے لیے؟

گنگا: بیٹا— پُرش کے سوبھاؤ اور چرتر کا حال اُس کی جیون سنگنی سے بڑھ کر اور کوئی نہیں جان سکتا، یہ شپتھ کھا کر وشواس دلاتی ہے...

ہیرا لال: کہ اس کا پتی نردوش ہے؟

سرسوتی: ایسا ہی نردوش، جیسے چوری اور ہتیا کے شبدوں کا ارتھ نہ سمجھنے والا بالک۔

ہیرا لال: اسے نردوش کون کہتا ہے؟

سرسوتی: میرا انوبھو۔

ہیرا لال: اُس کے نردوش ہونے کا کون ساکشی ہے؟

سرسوتی: جگت کے پُنیہ پاپ کو دیکھنے والا ایشور۔

ہیرالال: پیروں کے نیچے سے پھانسی کا تختہ سرکنے تک اَپرادھی اور اَپرادھی کے سمبندھی یہی کہتے رہتے ہیں— جاؤ، جو کہنا ہو، عدالت میں کہو۔

سرسوتی: میں ایک نردوش کی طرف سے عدالت ہی میں دُہائی دینے آئی ہوں، جانتے ہو، کون سی عدالت؟— ہیرا لال، وہ عدالت خود تم ہو۔

ہیرا لال: میں!

سرسوتی: ہاں تم، جیسے مٹی پتھر سے بنی ہوئی چار دیواری کے اندر ایک عدالت ہے، ویسے ہی رکت، مانس سے بنی ہوئی دیہہ کے اندر بھی ایشور نے ایک عدالت بنائی ہے، باہر کی عدالت کے حاکم کا نام جج ہے اور اندر کی عدالت کے حاکم کا نام وویک ہے، اُس کے رہنے کی جگہ کا نام اجلاس ہے اور اِس کے نیائے کی جگہ کا نام ہردے ہے۔ اُس کے ہاتھ میں قلم ہے اور اِس کے ہاتھ میں دھرم ہے۔ اُس کے فیصلے کی اَپیل ہائی کورٹ میں ہوتی ہے اور اِس کے فیصلے کی اپیل ایشور کے یہاں ہوتی ہے۔

ہیرا لال: یہ پراچین بھارت نہیں، نوین بھارت ہے، دیادھرم کا اُپدیش سُننے سُنانے کا سمے رام راجیہ کے ساتھ چلا گیا، نکل جاؤ۔ یہاں کوئی خریدار نہیں ہے۔ اپنے

آنسوؤں کا کھلونا کسی اور جگہ جاکر بیچو۔

سرسوتی: کیسا آشچریہ ہے، بین کی آواز سن کر سانپ بھی تھوڑی دیر کے لیے ڈسنا بھول جاتا ہے، کِنتو تم شیشے کی طرح ٹوٹے ہوئے ہردے کی جھنکار سن کر بھی ڈنک مارنا نہیں بھولتے۔ اچھا نہ بھولو، جاتی ہوں، منشیہ کا دروازہ کھٹکھٹا چکی، اب اُس دیامے کے دروازے پر دُہائی دوں گی۔

(روتی ہے)

گنگا: بٹیا۔ بٹیا۔ یہ کیا کیا؟ دُکھیا کے آنسو پونچھو۔ وہ اَبلا ہی کے آنسو تھے جس میں کوروؤں کا راج اور راون کی لنکا ڈوب گئی۔

ہیرالال: رامائن اور مہابھارت کے سمے میں ناری کے آنسو کداچت ایسے پربھاؤشالی ہوں، کِنتو اب ان میں، ایک تنکا بھی نہیں ڈوب سکتا۔

گنگا: ماتائیں اپنے بچوں کو دودھ میں مٹھاس ملا کر پلاتی ہیں اور میں نے تمھیں اپنی چھاتیوں سے دودھ میں دھرم ملا کر پلایا ہے، کِنتو آج دیکھتی ہوں کہ جیسے تپتی ہوئی مردبھوی میں جل دھارا سوکھ جاتی ہے، ویسے ہی تمھارے ہردے میں دھرم کا سوتا سوکھ گیا ہے۔

ہیرالال: دھرم، کیسا دھرم؟ پشوپکشیوں کا کون سا دھرم ہے؟ ندیوں اور پربتوں کا کون سا دھرم ہے؟ ہوا، پانی، آگ کا کون سا دھرم ہے؟ جب سنسار کی کسی وستو کو دھرم کا پریوجن نہیں ہے، تب کیوں منشیہ ہی کے لیے دھرم کی کیا ضرورت ہے؟ میں دھرم کو بھی نہیں مانتا اور دھرم جس کے سہارے سے جگت میں راج کررہا ہے، اُس ایشور کو بھی نہیں مانتا۔

گنگا: ایشور کو بھی نہیں!— کیوں؟

ہیرالال: کیونکہ پرکرتی کے سوا اس جگت کا اور کوئی ایشور نہیں ہے، جیسے جل میں لہریں اور بُلبُلے اٹھتے ہیں، ویسے ہی پرکرتی آپ ہی اپنے انیک روپوں کی رچنا کیا کرتی ہے۔

گنگا: یدی ایشور نہیں ہے تو آکاش میں آگ کے گولوں کی طرح دوڑتے ہوئے نکشتر کس کی آگیا سے پرسپر ٹکرانے سے بچے ہوئے ہیں؟ یدی ایشور نہیں ہے، تو برہمانڈ کی ہر ایک دستو گھڑی کے پُرزوں کی طرح نیم پورؤک کس کے اشارے پر کام کررہی ہیں؟ ارے مورکھ، ایشور کا اِنکار تو راون جیسے ابھیمانی اور کنس جیسے اگیانی نے بھی نہیں کیا۔

ہیرالال: اس کا یہ کارن ہے کہ وہ بلوان تھے، وچاروان نہ تھے۔

(غصّے میں چلا جاتا ہے)

سرسوتی: ماں۔ اب کیا کروں؟ اَنتم آشا نے بھی دھوکا دیا۔

گنگا: بیٹی۔ عدالت سرکار کی طرف سے پرجا کے سکھ، دھن اور پران کی رکشک ہے۔ نیائے کی کرسی پر بیٹھنے والے جج آخری حکم لکھنے کے لیکھنی اُٹھاتے سے اپنے آپ کو دھرم، وِویک اور ایشور کے سامنے اُتر دائی سمجھتے ہیں، اس لیے نراش نہ ہو، وہ نیائے استھان ہے اور نیائے ہی ہوگا۔

سرسوتی: نشچے وہ نیائے استھان ہے۔ کِنتو مجھے وشواس نہیں کہ وہاں سدا نیائے ہی ہوتا ہے۔

گنگا: سندیہہ کا کارن؟

سرسوتی: میں نے سنا ہے کہ عدالت میں مجرم کی طرح جج کے وِویک کی سوتنترتا بھی قانون کی زنجیروں میں جکڑی ہوتی ہے، قانونی شبدوں کے ارتھ کی الٹ پھیر گواہوں سے اپنے مطلب کی بات کہلانے کے لیے وکیلوں کی کھینچ تان اور سرکار میں نام پانے کے لیے اندھادھند ریتی سے سنگرہ کیے ہوئے پولس کے پرمان یہ سب مل کر نش پکش نیائے کی آنکھوں کے سامنے ایسا گھور اندھیرا پھیلا دیتے ہیں کہ جج اپنے من میں اپرادھی کو نراَپرادھ جانتے ہوئے بھی ساکشی اور قانون کی دھارا کے انوسار سزا دینے کو بادھیہ ہوجاتے ہیں۔

گنگا: بیٹی، بجلی سے جلا ہوا ورکش ہرا نہیں ہوتا، دھرم کے ابھاؤ نے اس کے ہردے کو پتھر بنا دیا ہے، پھر بھی میں اس پتھر سے شروت نکالنے کے لیے یتن کروں گی۔

— گانا —

ایکٹ دوسرا — سین دوسرا

ہیرا لال کے گھر کا دوسرا بھاگ

(سادھو لوگ ہر بھجن کر رہے ہیں، اور ان کے سامنے گنگا
شردھا پوروک ہاتھ جوڑے بیٹھی ہے)

— گانا —

گنگا: رادھے شام۔ رادھے شام۔ آیا کیسا آنند — بھکت گن، جب ہری بھجن کی مدھر دھونی آتما کے سوئے ہوئے تاروں کو جاگرت کرتی ہے تب سارا سنسار ایک پریم کا راگ جان پڑتا ہے۔

سادھو 1: جہاں پریم ہے، وہیں ہری ہیں اور جہاں ہری ہیں وہیں لوک پرلوک کا آنند ہے۔

(رتی کا پرویش)

رتی: یہ دیکھو۔ مفت کا لڈو اور مال پوا کھا کر لمبی ڈکار کے ساتھ، اوم سواہا، کہہ کے پیٹ پھیرنے والے اکٹھے ہیں (آگے بڑھ کر) بھکتنی جی۔

گنگا: کیوں بیٹا؟

رتی: بٹیا بٹیا کیا کہا کرتی ہو؟ میں تمھارا بٹیا نہیں، اپنے باپ کی بیٹی ہوں۔ بیٹے کی ناک کے نیچے تو گھاس اُگی رہتی ہے اور میرا منھ تو چھلا ہوا کسیرو ہے۔

گنگا: اس کا اَرتھ؟

رتی: اس کا ارتھ یہ کہ جس کے منھ پر مونچھیں ہوں اُسے بیٹا کہنا چاہیے کیا تمھیں

میرے قلاقند جیسے ہونٹوں پر کالے کالے چیونٹے دکھائی دیتے ہیں۔

گنگا: اچھا بھول ہوئی، کہو۔ کیا کہتی ہو؟

رَتی: میں یہ کہتی ہوں کہ آج اس گھر میں کس کا بیاہ ہے، جو یہ براتی آئے ہوئے ہیں اور براتی بھی کیسے، جو بیاہ سے پہلے ہی بھوجن مانگتے ہیں (سادھوؤں سے) اے کچوڑی مہاراج اور لڈو سوامی بھنگ کا لوٹا چڑھا کر بھی یہ دروازہ نہیں بھولتے۔ کیا انکم ٹیکس والوں کی طرح گھر کا نمبر یاد کرلیا ہے؟

سادھو2: مائی۔ ہم تو بھکتوں کے بھکت ہیں۔ جو پریم سے بھوجن کو بلاتا ہے اُس کے گھر چلے جاتے ہیں۔

رَتی: اچھی بات ہے، تو ایک پرایے گھر کا ٹھکانا میں بھی بتائے دیتی ہوں۔ چڑیا گھر میں کئی پنجرے خالی ہیں، وہاں جا بیٹھو۔ روز۔ سیخوں میں سے امرود اور لڈو کھانے کو ملیں گے۔

گنگا: بٹی— بٹی۔ یہ تم کیسے کہہ رہی ہو؟

رَتی: انھیں، انھیں، جن کے مُکھ کے چندرما پر داڑھی کا بادل چھایا ہوا ہے، کیا جس راستے سے گرہست گھر کی بہوبیٹیاں جاتی ہوں، اُس راستے پر ننگ دھڑنگ بیٹھ کر اَلکھ جگانے، بھکتوں سے گانجے کی چلمیں بھروانے، پرائی استریوں سے پاؤں چُھوانے کا نام سادھو پن ہے، سچے سادھو ہیں تو پراچین رشیوں کی طرح ہمالے پر جاکر تپسیا کریں، گپھاؤں میں سادھی لگائیں، ایکانت استھان میں کٹی بنا کر دوسروں کو وید اور شاستر کی شکشا دیں— (سادھوؤں سے) سادھو کے دستر میں چھپے ہوئے ڈھونگیو، اُٹھو— اور انگلیوں کی کھپاچی سے پیٹ کا تاشا بجاتے ہوئے چلے جاؤ۔

سادھو 1: مائی، ہم چلے جائیں؟

رَتی: نہیں، اس گھر کا پتہ لکھوا کر جانا— ارے کچوڑی اور ربڑی تو کھا چکے، اب کیا اس بڑھیا کو کھا کے جاؤ گے۔ اُٹھاؤ توبڑا۔ توند کے بوجھ سے ہلا نہیں جاتا— اچھے بیٹھے رہو۔

(اندر جاتی ہے)

سادھو2: دیوی، جس منتھرا داسی نے رانی کیکیئی کو بہکا کر شری رام کو بن باس دلایا تھا، تمھاری یہ بہو بھی اُسی کبڑی منتھرا کا اوتار جان پڑتی ہے۔

گنگا: مہاتما— اس لڑکی کو پتا اور پتی کے گھر میں دھرم اور دیا کی شِکشا نہیں ملی، اسی لیے اتنی ابودھ ہے۔ آپ دیالو ہیں، شما کریں۔

(رَتی ایک بانس لیے ہوئے آتی ہے)

رَتی: لڈو اور کچوڑی تو کھاچکے، کچھ اور کھاؤ گے؟

سادھو1: مائی۔ یہ بانس لے کر کیوں آئی ہو؟

رَتی: اپنی بہادری دکھانے۔

گنگا: تو کیا اَہنسک سادھوؤں سے لڑوگی؟

رَتی: یہ آپ سے نہ بھاگیں تو لڑنا ہی پڑے گا، میں عورتوں میں گدادھاری بھیم پیدا ہوئی ہوں، اور یہ بانس میرا گدا ہے۔

سادھو1: چلو بھائی۔ عورت پاگل ہے۔ جیسے بھیم نے دُریودھن کی جانگھ توڑ دی تھی، اسی طرح یہ ہمیں بھی لنگڑا نہ بنا دے۔

رَتی: ہاں بھاگو۔ نہیں تو سنگر مشین کی طرح ایک ٹانگ سے زمین پر بخیہ کرتے ہوئے جانا ہوگا— نکلو— میں گدا گھماتی ہوں۔

(رَتی دھمکانے کے لیے بانس پھراتی ہے، سادھو گھبرا کر بھاگتے ہیں)

گنگا: بہو۔ اتنی گرم طبیعت، منشیہ کیول آگ سے نہیں بنا ہے۔ یہ کیا کیا؟

رَتی: کیا کیا؟ بانس کی گدا سے مونچھوں والے مردوں کو بھگا کر عورتوں کی ناک اونچی کردی۔

ایکٹ دوسرا — سین تیسرا

عدالت

(جج، جیوری، سررشتہ دار، واسودیو، سرکاری وکیل اِتیادی اُپستھت ہیں۔ ملزم کے کٹہرے میں بسنت کمار اور گواہ کے کٹہرے میں رَسِک لال کھڑا ہے)

سرکاری وکیل: ہاں تو ہیرا لال کی چوری اور شیودیال کا خون کرتے ہوئے تم نے اَپرادھی کو دیکھا؟

رَسِک: جی ہاں۔

سرکاری وکیل: تم اُس سے کہاں تھے؟

رَسِک لال: گھٹنا استھل سے کیول چار سو فٹ کے فاصلے پر ایک مکان کے برآمدے میں۔

سرکاری وکیل: کیا کر رہے تھے؟

رَسِک لال: سوریہ نارائن است ہو چکے تھے، اس لیے آکاش کی اور ہاتھ جوڑ کے سندھیا اُپاسنا کر رہا تھا۔

سرکاری وکیل: اس سے کتنے بجے تھے؟

رَسِک لال: ٹھیک سات۔

سرکاری وکیل: کیا دیکھا؟

رَسِک لال: برآمدے سے میری درشٹی آفس کی اور گئی تو میں نے دیکھا کہ اَپرادھی کے ساتھ شیودیال کا جھگڑا ہو رہا ہے، ایک منٹ کے بعد شیودیال نے اَپرادھی کو آفس سے باہر نکل جانے کے لیے دروازے کی طرف دھکا دیا۔ اس پر کرودھ سے اُنمت ہوکر اَپرادھی نے اپنے کوٹ کے اندر سے چھری نکالی اور شیودیال

کی چھاتی میں بھونک دی، اور ساتھ ہی تجوری سے نوٹوں کا بنڈل نکال کر لہو بھری چھری اسی جگہ پھینک کر میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہانپتا کانپتا نکل بھاگا۔

سرکاری وکیل: اس کے بعد؟

رَسِک لال: اس کے بعد میں نے پاس کے پولس اسٹیشن میں جاکر چوری اور خون کی خبر دی — اور پولس کے لائق افسر نے اَپرادھی کو بھاگنے سے پہلے اسی کے گھر میں چوری کے نوٹوں کے ساتھ گرفتار کرلیا۔

(سرکاری وکیل بیٹھ جاتا ہے، واسودیو بحث کرتا ہے)

واسودیو: تم نے اپنی ساکشی میں کہا کہ شیودیال کا خون شام کو ٹھیک سات بجے ہوا؟

رَسِک لال: جی ہاں۔

واسودیو: یہ کیسے جانا کہ اُس وقت ٹھیک سات ہی بجے تھے؟

رَسِک لال: گرجا گھر کا گھنٹہ سات دفعہ ٹن ٹن کرکے بولا تھا۔

واسودیو: اور جس گھر کے برآمدے سے تم نے اَپرادھی کو چوری اور خون کرکے بھاگتے ہوئے دیکھا وہ گھٹنا استھل سے چار سو فِٹ دور تھا۔

رَسِک لال: جی مہاشے۔

واسودیو: سانجھ کے اندھیرے میں چار سو فٹ کے فاصلے سے ایک بھاگتے ہوئے آدمی کی صورت ٹھیک طور سے پہچانی نہیں جاسکتی، پھر تم نے کیول چہرے کی جھلک دیکھ کر کیسے نشچے کرلیا کہ بھاگنے والا آدمی یہی اَپرادھی تھا۔

رَسِک لال: جی۔ میں نے (کھانستا ہے) پاجی کے بچّے نے بڑا ٹیڑھا پرشن کیا۔

واسودیو: اُتر دو۔

رَسِک لال: دیتا ہوں (کھانستا ہے) میں نے اس لیے نشچے... (کھانستا ہے)

واسودیو: پھر چپ ہوگئے، کیا کوئی جھوٹا اُتر سوچ رہے ہو؟

رَسِک لال: مہاشے، مجھے کھانسی سچ بولنے نہیں دیتی لیکن آپ نشچے کیجیے کہ یدی میرے باپ کو بھی پھانسی ہوتی ہو تو میں اُسے بچانے کے لیے بھی جھوٹ نہ بولوں گا۔

واسودیو: اچھا، تو پھر جواب دو۔

رَسِک لال: اُسامی بھاگتے ہوئے یہ دیکھنے کے لیے کہ کوئی اُس کے پیچھے تو نہیں آرہا ہے، ایک منٹ روشنی کے کھمبے کے پاس ٹھہرا، اور میونسپلٹی کے لمپ کی روشنی چہرے پر پڑنے سے میں نے اُسے تُرنت پہچان لیا۔

واسودیو: کیا یہ سچ ہے کہ تم اُسامی کی لڑکی سے بیاہ کرنا چاہتے تھے۔

رَسِک لال: جی ہاں۔ چاہتا تھا۔ برہمنوں نے جنم کنڈلی دیکھ کر یدھ بھی ملا دی تھی۔ کنتو اسامی کا دُربھاگیہ کہ اُس نے یہ سمبندھ سویکار نہ کیا اور میرے جیسا لائق جنوائی ہاتھ سے کھودیا۔

واسودیو: اور اسی لیے تم اور تمھارے پِتا اُسامی کے شترو ہوگئے؟

رَسِک لال: چھی چھی۔ ایسا دوش نہ دیجیے۔ میں ہندوؤں کے نوین اوتار بدھ بھگوان کی طرح کسی سے شترو تا نہیں رکھتا۔ ''اَہنسا پرمو دھرما۔''

واسودیو: بیٹھ جاؤ۔

رَسِک لال: اسکول ماسٹر بھی لڑکوں کو اتنی دیر بنچ پر کھڑا نہیں رکھتے جتنی دیر اس نے مجھے گواہ کے کٹہرے میں کھڑا رکھا ہے، اگر اس وکیل کو کسی جھوٹے مقدمے میں پھانس کر بدلہ نہ لیا تو سمجھوں گا کہ میرے باپ کا نام ہیرا لال نہیں چمار داس ہے۔

سرکاری وکیل: (بسنت سے) یہ نوٹ پہلے سے تمھارے پاس ہیں؟

بسنت کمار: نہیں۔

سرکاری وکیل: پھر کہاں سے آئے؟

بسنت کمار: ایک متر نے سہایتا کے طور پر بھیجے تھے۔

سرکاری وکیل: بھیجنے والے کا نام؟— اُتر دو۔

بسنت کمار: میرے پاس اس پرشن کا کوئی اُتر نہیں۔

سرکاری وکیل: مائی لارڈ اینڈ جیوری، یہ ایک سیدھا اور صاف مقدمہ ہے۔ پولس کا بیان، گواہوں کی ساکشی، تلاشی کے وقت ملزم کے گھر سے چوری کے نوٹوں کی پراپتی، نوٹ بھیجنے والے کا نام بتانے سے انکار، یہ ساری باتیں اسامی کو چوری اور

خون کا اَپرادھی پرمانت کرتی ہیں، میرے وچار میں اب کسی وشیش پرمان کی آوشیکتا نہیں ہے۔ یدی عدالت اپنے اَدھک سنتوش کے لیے اور پرمان چاہتی ہو تو میں وہ بھی اُپستھت کرسکتا ہوں۔

جج: کوئی ضرورت نہیں۔

(سرکاری وکیل بیٹھ جاتا ہے)

واسودیو: مائی لارڈ اینڈ جیوری، یہ اَپرادھی کی انگلیوں کے چِنھ ہیں۔ اس چنھ کو نوٹ پر کے رَکت رَنجِت چنھ سے ملایا جائے تو دونوں چنھ ایک ہی آدمی کے پرمانت نہیں ہوتے۔ اس کے اُپرانت کسی گواہ نے اَپرادھی کو چوری اور خون کے سمے صاف طور سے نہیں پہچانا، اور نہ گھٹنا سے پہلے اور نہ گھٹنا کے بعد کسی پڑوسی، یا راستہ چلتے آدمی، یا پہرے کے سپاہی نے اَپرادھی کو ہیرا لال کے آفس میں اُتچِت بھاؤ سے جاتے اور پھر پلٹ کر ڈر اور گھبراہٹ کے ساتھ سیڑھیوں سے اُترتے اور بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اس لیے ایسے بودے اور شنکا یکت پرمانوں پر اَپرادھی دنڈ کا پاتر نہیں ہوسکتا۔ نشچے کسی گپت شترو نے متربن کر ان نوٹوں کے دوارا اَسامی کو پھنسانے کا پریتن کیا ہے اور مجھے پورن وشواس ہے کہ نوٹ بھیجنے والا ہی چوری اور خون کا واستوک اَپرادھی ہے۔ (ٹفن کے لیے جج اور اُس کے بعد جیوری اُٹھ کر چلے جاتے ہیں) (بسنت سے) بندھو، نوٹ بھیجنے والے کا نام پرکٹ کرو۔ سنا نہیں۔ میں کیا پوچھ رہا ہوں؟

بسنت کمار: بس کرو۔ بس کرو۔ تمھارا پرشن میرے لیے پھانسی کی سزا سے بھی زیادہ دُکھ دایک ہے۔

واسودیو: بندھو، میں تمھارے چپ رہنے کا کارن نہیں سمجھ سکتا۔ کیا دباؤ، کیا ڈر ہے، جو تم نوٹ بھیجنے والے کا نام چھپا رہے ہو۔

(پیتامبر کا آنا)

پیتامبر: نوٹ بھیجنے والے کا نام یہ پتر پرکٹ کرے گا۔

بسنت کمار: یہ تو وہی پتر۔ ساؤدھان۔ دیتا نہیں (واسودیو پیتامبر کے ہاتھ سے چٹھی لے لیتا ہے) آہ، دنیا مجھے چور اور خونی تو سمجھ ہی رہی تھی، آج سے متر گھاتک اور نیچ بھی سمجھے گی۔

واسودیو: تمھیں یہ پتر کہاں سے ملا؟

پیتامبر: لکھنے کی ٹیبل پر ایک پُستک کے اندر رکھا ہوا تھا۔ پڑھیے۔ اس پتر سے مقدمے کے سمجھنے میں ضرور سہایتا ملے گی۔

واسودیو: یہ پتر کسی استری کا ہے۔ ایسا جان پڑتا ہے کہ یہ ہستاکشر میں نے کہیں دیکھے ہیں (بسنت سے) لیکھک نے اپنا پورا نام لکھنے کے بدلے کیول 'شا' لکھا ہے۔ اس شا کا کیا اَرتھ ہے؟

بسنت کمار: میں نہیں جانتا۔

واسودیو: پورا نام؟

بسنت کمار: نہیں بتا سکتا۔

واسودیو: نہیں!

بسنت کمار: دیا کرو۔ شما کرو۔ جس کے پراربدھ میں جیل کی چکّی پیسنا یا پھانسی کی رسّی سے مرنا لکھا ہے اُسے تمھارا کوئی اُپائے دُکھ اور مرتیو سے نہیں بچا سکتا، میں سورگ کا سکھ سمجھ کر جیل کے دکھوں کا سواگت کروں گا۔ پھانسی کو متر سمجھ کر گلے لگاؤں گا، لیکن زبان سے وہ نام کبھی ظاہر نہ کروں گا۔

واسودیو: دیکھو نام بتانے ہی پر تمھارا جیون نربھر ہے، نہ بتاؤ گے تو میں سمجھوں گا کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے گلے میں پھانسی کی رسی ڈالنا چاہتے ہو۔

رَسِک لال: (خود سے) مقدمہ چوپٹ ہوا چاہتا ہے۔ نوٹوں کا چور دوسرا ثابت ہوا تو ضرور بسنت پھانسی سے بچ جائے گا۔ اس لیے اس وکیل کو بھی اس کے خون کا پیاسا بنا دینا چاہیے۔ (ایک کاغذ کے ٹکڑے پر پنسل سے کچھ گھسیٹ کر چپراسی کو دیتا ہے) یہ پرزہ وکیل مہاشے کو دو۔

(چپراسی واسودیو کو پرزہ دیتا ہے)

واسودیو: کس نے دیا؟

چپراسی: ایک بابو نے۔

واسودیو: (پتر پڑھتا ہے) تم ایک نیچ وشواس گھاتی کی سہایتا کر رہے ہو، بسنت نے شیو دیال ہی کا نہیں تمھاری عزت کا بھی خون کیا ہے۔ اپنی بدنامی کا ڈھنڈورا پٹوانا نہیں چاہتے، تو چپ ہوکر کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ اکشر پہچانو۔ یہ پتر بسنت کی پران ایشوری ارتھات تمھاری دیا بھی چارنی استری شاردا کا لکھا ہوا ہے۔ (پھر پڑھتا ہے) ''یہ پتر بسنت کی پران ایشوری ارتھات تمھاری دیا بھی چارنی استری''— کیا دنیا اتنی نیچ ہوگئی؟ کیا متر اور استری کے شبد اتنے ارتھ ہین اور تیج ہین ہوگئے—جس استری کو میں نے اپنا ہردے، پریم، وشواس، سُکھ، سمان، سمپتی سب کچھ ارپن کر دیا وہ استری انت میں کل کلنکنی پرمانت ہوئی— کل کلنکنی ہی نہیں، چور بھی— چور ہی نہیں، خونی بھی— سروناشی، راکشسی— (مڑ کر بسنت کمار سے) کامی کتے۔ کیا تو نے مترتا اور وشواس کی چھاتی میں اپنے زہری دانت گڑونے ہی کے لیے جنم لیا تھا؟ پرنالے کے کیڑے سے بھی اُدھک گھرنت اھیشاپ تیرے جیون کا شرنگار اور نرک تیری شیش سمپتی ہو— دِھکار— دِھکار۔

بسنت کمار: بندھو۔ شپتھ کھا کر کہتا ہوں کہ میں نردوش...... چُپ بسنت چُپ۔ متر کے سمان رکشا کے لیے تجھے نرواک رہ کر سب کچھ سہن کرنا ہوگا۔

واسودیو: کیسا آشچریہ۔ کیسا نوین انوبھو۔ جو استری ہردے میں اتھاہ پریم، مکھ پرسیتوں کی ہنسی، آنکھ میں دیویوں کا تیج اور دیہہ پر سورگ کا سوندریہ لے کر اتنے دنوں تک سنسار یاترا کے ہر ایک مارگ میں میری جیون سنگنی تھی جس کا مُکھ دیکھ کر میں جیتا تھا۔ جس کی آواز سن کر ورشا جل کی مدھر راگنی پر ناچتے ہوئے مور کی طرح میرا روم روم جھومنے لگتا تھا جس کو بھکتی، پریتی، ستیہ، دیا، دھرم کے پنچ تتو سے بنی ہوئی مورتی سمجھ کر اپنے ہاردِک پریم کے پھول

چڑھایا کرتا تھا۔ وہی ناری امرت سے وِش بن گئی۔ وہی دیوی استری سے راکشسی ہوگئی۔ (بسنت سے) ارے نیچ۔ ارے دودھ پی کر ڈسنے والے سانپ، یہ تونے کیا کیا؟ میرے پران کی شانتی، سنسار کا سُکھ، سنکٹ کا سہارا، جیون کا سمست آشیرواد چھین کر، لہو کی ایک ایک بوند اور دیہہ کی ایک ایک نس میں یہ کیسی نہ دبنے اور نہ بجھنے والی جوالا بھردی— اُف کیسی گرمی— میں کہاں ہوں— اندھیرا— اندھیرا—

(بیہوش ہوکرگر پڑتا ہے۔سرکاری وکیل اِتیادی سنبھالتے ہیں۔ اُسی وقت جج اور جیوری واپس آتے اور یہ گھٹنا دیکھ کر آشچر یہ میں پڑجاتے ہیں)

ایکٹ دوسرا — سین چوتھا

واسودیو کا گھر

(شاردا سوچتی ہوئی آتی ہے)

شاردا: سوریہ نارائن آکاش ساگر میں اپنی پرتیبھا کی ناوکرنوں کی سنہری ڈانڈ سے کھیتے ہوئے اسی طرح پورب سے پچھم کو جاتے دکھائی دیتے ہیں۔ شرمیلی سندھیا دن کی نظر سے بچنے کے لیے ملگجی ساڑی کا گھونگھٹ نکالے اور ستاروں کے پھولوں سے بھرا ہوا چندرما کا تھال ہاتھ پر لیے ہوئے اُسی طرح دیوی وسندھرا کی پوجا کرنے آیا کرتی ہے۔ بسنت رتو کے سروور میں سگندھ کی لہریں اور نووکست کلیوں کے بلبلے اسی طرح اٹھتے رہتے ہیں — سب کچھ پہلے ہی جیسا ہے۔ ایک میں ہی پہلے جیسی نہیں رہی۔ پتی کا وشواس کھویا، پتنی کا دھرم کھویا، ناری جاتی کا گورو کھویا، گرہستی کا سکھ کھویا، ہردے کا چین، آتما کی پوترتا اور مکھ کا سوندریہ کھویا، پھر بھی پران کھوئے نہیں جاتے۔ جینے کی اِچھا نہ ہونے پر بھی ابھی تک جی رہی ہوں۔

(عدالت کے آدمی مورچھت اوستھا میں واسودیو کو لاتے ہیں)

یہ کیا! انھیں کیا ہوا؟ — ناتھ ناتھ۔

سرکاری وکیل: عدالت میں چپراسی نے کسی کی طرف سے ایک چٹھی دی، جسے پڑھتے ہی چہرا پیلا پڑ گیا، ہاتھ پاؤں کانپنے لگے اور دیوانوں کی طرح منھ ہی منھ میں کچھ کہہ کر مورچھت ہو گئے۔

شاردا: چٹھی بھیجی— کس نے؟— کیا لکھا تھا؟

سرکاری وکیل: غصے میں چٹھی پھاڑ ڈالی، اس لیے کیا لکھا تھا، یہ نہ جان سکا، بیچ میں ایک بار آنکھ کھولی تھی۔ لیکن آپ کا اور بسنت کمار کا نام لے کر کچھ بڑبڑائے اور پھر مورچھت ہو گئے۔

شاردا: (خود سے) بسنت کے ساتھ میرا نام!— کیا پاپ کی چھپی ہوئی آگ نے دھواں دے کر اپنے آپ کو پرگٹ کر دیا؟

سرکاری وکیل: دیکھو۔ دیکھو۔ بولنے کے لیے ہونٹ ہل رہے ہیں۔ انھیں پھر ہوش آ رہا ہے۔

واسودیو: (تھوڑا ہوش میں آ کر) ڈاکو تو نے میرے کلیجے میں سیندھ لگا کر میرے سُکھ کی ساری پونجی لوٹ لی، آنسو اور ہائے ہائے کے سوا کچھ نہ چھوڑا۔

شاردا: (لوگوں سے) آپ مہاشے۔ اب اَدِھک کشٹ سہن نہ کریں۔ جائیے، میں انھیں سنبھال لوں گی۔

سرکاری وکیل: ایشور تمھارے دیوتا سوروپ سوامی کی رکشا کریں۔

(سب کا جانا)

شاردا: ناتھ۔ پربھو۔ بولو۔ بات کرو۔ کیا ہوا؟

واسودیو: ارے میں نے کیا دُکھ دیا تھا، جس کا بدلہ لینے کے لیے بسنت نے متر اور تو نے پتنی ہو کر میرے سُکھ سنسار کو شمشان بنا دیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میں اپنے بھولے پن سے متر اور پتنی کا روپ دھارن کیے ہوئے سانپ کے جوڑے کو چھاتی سے لگائے ہوں۔ جن کا سوابھاوک گُن ڈسنا ہے اور ہائے انت میں انھوں نے ڈس لیا۔

شاردا: شما— شما۔

(پیروں پر گر پڑتی ہے)

واسودیو: شما۔ تجھ کو؟ نہیں۔ جیتے جی، کبھی نہیں، اور مرنے کے بعد بھی نہیں۔ پاپنی دور

ہو۔ (لات مارتا ہے)— مگر نہیں— یہ تیرا نہیں، میرا ہی اَپرادھ ہے— بڑھاپے کے بیاہ کا یہی پرینام ہونا چاہیے— جوانی ختم ہونے، گالوں پر جھریاں پڑنے۔ سر کے آدھے سے زیادہ بال پک جانے کے بعد، تیرہ، چودہ برس کی یُوا کنّیا سے جب بیاہ ہوگا، تب پتی اور پتنی میں کبھی سچّا پریم نہیں ہوسکتا۔ پورب اور پچھم کے بہتے ہوئے دریا کبھی ایک ہوکر نہیں بہہ سکتے۔ ٹوٹ کر گرتا ہوا تارا اور اُدے ہوتا ہوا چندرما کبھی ایک ساتھ آکاش پر نہیں چمک سکتے۔ جا اپنے پاپ کا پرائشچت کر— میں نے شما کیا— تجھے بھی— اور اس وشواس گھاتک متر کو بھی۔

شاردا: کتنا دیالو ہردے۔ کیسی مہان آتما۔

واسودیو: اوہ— یہ کیا ہورہا ہے؟— پھر— پھر سانس رکی جاتی ہے— آہ— ایشور۔

(واسودیو مرجاتا ہے)

شاردا: پربھو— ناتھ— ہردیشور— چلے گئے— پاپی دنیا کو گھرنا کرکے چلے گئے؟— دیکھ دیکھ، ابھاگنی دیکھ— ایشور نے تجھے کیسا انمول رتن دیا اور تو نے اندھی ہوکر اُسے کس طرح ہاتھوں سے کھودیا— اب میں تمھیں کہاں پاؤں گی— سوامی۔ دیوتا......

(ہاتھ جوڑ کر بھکتی بھاؤ سے واسودیو کے پیروں پر سر جھکاتی ہے)

ایکٹ دوسرا — سین پانچواں

راستہ

(ہیرا لال اور رَسِک لال آتے ہیں)

ہیرا لال: رسک۔

رَسِک لال: ہاں باوا جی۔

ہیرا لال: تونے عدالت میں پنسل سے گھسیٹ کر واسودیو کو جو چٹھی بھیجی تھی، اُس میں کیا لکھا تھا؟

رَسِک لال: یہ نہ پوچھو کہ کیا لکھا تھا؟— یہ دیکھو کہ کیا ہوا؟— باوا جی آپ کویتا اور ناول لکھنے والوں کی لیکھنی کی تعریف کیا کرتے ہیں۔ اب میری دو پیسے والی پنسل کی بھی تعریف کرنی ہوگی۔ کیسی زوردار چٹھی تھی؟ پڑھنے کے ساتھ ہی واسودیو کی زبان اس طرح رُک گئی جیسے پنچر ہوجانے سے بھاگتا ہوا موٹر ''پھٹ'' کرکے کھڑا ہوجاتا ہے۔

ہیرا لال: چٹھی کیا بم کا گولا تھی۔ ایسی دل پر چوٹ لگی کہ گھر جاکر مر ہی گیا۔

رَسِک لال: تو اچھا ہی ہوا۔ ایک آدمی کے کم ہونے سے کچھ نہ کچھ اناج سستا ہی ہوجائے گا۔

ہیرا لال: لیکن بیٹا رَسِک۔

رَسِک لال: ہاں باوا جی۔

ہیرا لال: مجھے جج اور جیوری پر بڑا غصہ آرہا ہے، پھانسی کے بدلے بسنت کمار کو صرف

چودہ برس جیل کی سزا دی۔

رسِک لال: تو باوا جی، کیا تم پھانسی کو آدمی کے لیے سب سے بڑی سزا سمجھتے ہو؟

ہیرا لال: نشچے۔

رسِک لال: باوا جی، تمھاری عقل پر گھاس جم گئی ہے۔ اُسے کُھرپے سے صاف کرڈالو۔

ہیرالال: کیوں؟ کیا تو مجھے عقل میں گدھا سمجھتا ہے؟

رسِک لال: سر پر سینگ نہ ہونے سے کبھی کبھی دھوکا تو ہوجاتا ہے۔ باوا جی پھانسی بھی کوئی سزا ہے؟ تختہ ہٹا، گڑھے میں گرے، دو تین منٹ چھچھوندر کی طرح ناچے اور پیاسے کتے کی طرح ڈیڑھ بالشت زبان نکال کر ہاتھ پاؤں ڈھیلے کرکے ٹھنڈے ہوگئے اور ساتھ ہی دنیا کی ساری جھنجھٹوں سے چھٹکارا پاگئے۔ لیکن جیل کے اندر تو ایک ایک دن میں ایک ایک ہزار مرتبہ مرنا پڑتا ہے— آیا کھوپڑی کے بیچوں بیچ میں۔

ہیرالال: سمجھا۔

رسِک لال: اسی سے میں جیل کی سزا کو سزا اور پھانسی کی سزا کو عدالت کی دیا سمجھتا ہوں۔

ہیرالال: اچھا بسنت کو جیل تو ہوگیا، اب کیا کرنا چاہیے؟

رسِک لال: پہلے نالش— پھرڈگری— اس کے بعد قرقی— اور سب سے آخر میں ہزاروں کی جائیداد کا کوڑیوں میں نیلام— اس طرح ایک ڈھیلے سے دو چڑیوں کا شکار ہوگا۔ روپیہ بھی ملے گا اور بدلہ بھی— اور داؤں چل گیا تو روکن میں منورما بھی۔

ہیرا لال: ٹانٹ میں اُترتی تو ہے۔ اچھا سوچوں گا۔

رسِک لال: اس میں سوچنا کیا ہے۔ نشانہ سامنے ہے۔ بندوق اُٹھاؤ اور دَن سے مار دو— پھر سر کھجا رہے ہو— دیکھو باوا، میں اس لیے جل کے کہتا ہوں کہ تم میرے جیسے لائق بیٹے کے باپ بننے کے قابل نہیں ہو۔

ہیرا لال: خوب رائے دیتا ہے، تجھے میرے گھر کے بدلے کسی بیرسٹر کے گھر میں جنم لینا تھا— اچھا جا ڈگری اور قرقی کا بندوبست کر۔

رَسِک لال: تو خرچ کے لیے روپیے تو دو— کیونکہ عدالت کے گھوڑے سنہری اور رُو پہلی گھاس کھائے بغیر نہیں دوڑتے۔

ہیرالال: آفس میں آکر لے جانا۔

(جاتا ہے)

رَسِک لال: واہ واہ۔ بوڑھے کے گال کی طرح پچکی ہوئی جیب روپیے سے بھر کر پھلکنے کی طرح پھرتن جائے گی۔ کوئی ٹٹ پونجیا دو روپیے پیشی والا وکیل کر کے باواجی سے کہوں گا کہ مسٹر نارٹن بیرسٹر کو کھڑا کیا ہے۔ اس ترکیب سے ٹھیٹھ ایمان دار کی طرح پانچ خرچوں گا اور جھوٹا بل بنا کر پچاس وصول کروں گا— بسنت تُو یہ نہ سمجھنا کہ تجھے جیل کے پھاٹک تک پہنچا کر میری دشمنی ختم ہوگئی۔ نہیں، جس دن تیرا گھر نیلام پر چڑھے گا، تیری استری دروازے دروازے بھینک مانگے گی— تیری لڑکی ایک مٹھی اَن کے لیے ویشیا کا دھندا کرے گی— اُس دن— اُسی دن— میری پرتی ہنسا کا انت ہوگا۔

ایکٹ دوسرا — سین چھٹا

ہیرا لال کا گھر

گنگا: بہو، اتنے اُپدیش پر بھی سمجھ نہیں آتی، تو کیا تب سمجھ آئے گی جب میں مرجاؤں گی۔

رَتی: تم مروگی کبھی نہیں — تمھارا بٹیا کہتا ہے کہ میری ماں کے پاس دو لاکھ کے نوٹ ہیں۔ بڑھیا مرے تو نوٹوں کا صندوقچہ ہتھے چڑھے۔ دیکھو، بہت کھا پی چکیں، بیٹے کی آشا پوری کرنے کے لیے اب جلدی سے مرجاؤ۔ ساسو جی۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔ بڑی کرپا ہوگی۔ آج سانجھ تک ضرور مرجاؤ۔

گنگا: بہو — اب میرے مرنے میں کیا دیر ہے۔ جیون کے دن پورے ہوچکے۔

رَتی: یہ تو میں بھی جانتی ہوں کہ جیون ہنڈی کے دن پورے ہوچکے، مگر یم راج کی گدی پر اس ہنڈی کا بھگتان بھی تو ہو۔

گنگا: تمھاری یہی اِچّھا ہے؟

رَتی: میری اِچّھا پوچھتی ہو؟ میری تو یہ اِچّھا ہے کہ تمھیں بھولا ہوا مرنا یاد دلانے کے لیے جیتے جی تمھارا شرادھ کردوں — ہونھ — ابھی تک بڑھاپے اور مسان کے بیچ میں جھولا جھول رہی ہے۔ ارے مر۔مر۔مر۔

(ساس کا گلا دباتی ہے)

گنگا: (گلا چھڑاتے ہوئے) بیٹی۔ بیٹی۔

رَتی: مرنا کیسا — کبھی بخار بھی نہیں آتا — کتنا جیے گی؟

(پھر گردن دبا کر جھنجھوڑتی ہے، ہیرا لال کا پرویش)

ہیرالال: یہ کیا۔ یہ کیا۔

رَتی: دیکھو، دیکھو۔ تمھاری ماں میرا گلا گھونٹ رہی ہے۔ ٹوٹ گئیں رے، میرے گلے کی ساری نسیں ٹوٹ گئیں۔

(اپنا گلا تھام کر بیٹھ جاتی ہے)

گنگا: بہو— کیا تم میرے سفید چونڈے میں کالک پُتواؤ گی؟

رَتی: اُف— سانس رکی جاتی ہے— آنکھیں نکلی پڑتی ہیں— میرے منھ میں پانی دو— میں بیہوش ہوئی جاتی ہوں۔

(ہاتھ پاؤں ڈھیلے کرکے ہچکیاں لیتی ہے)

ہیرالال: ارے کیا گلے کی کوئی نس اُکھڑ گئی؟ دیکھیں۔ دیکھیں۔

(رَتی کے گلے میں ہاتھ لگاتا ہے)

رَتی: (اُچھل کر) اوئی۔ مرگئی۔ چھوؤ نہیں۔ چھوؤ نہیں۔

ہیرا لال: بڑھیا۔ یہ کیا کیا؟ ایسی بھولی بھالی بہو، جو بِتی سے پوچھے بنا چھینکتی بھی نہیں— اس کا گلا دبا دیا۔

گنگا: میں ایسی نردئی ہوں، تم وشواس کرتے ہو؟

رَتی: (ہیرا لال سے) دیکھو جی۔ تمھیں وشواس ہو یا نہ ہو، لیکن اب اس گھر میں یا بہو رہے گی یا ساس رہے گی۔ اپنی جورو کو اُس کے باپ کے گھر جانے دو یا اپنے باپ کی جورو کو دوسرے گھر میں بھیج دو۔

ہیرالال: ٹھیک کہتی ہے۔ ایک جوتے میں دو پاؤں نہیں رہ سکتے۔

رَتی: فیصلہ کرو جی— کیا سوچ رہے ہو؟

ہیرالال: میں یہ سوچ رہا ہوں کہ بھارت کا ستیاناس بھارت واسیوں ہی کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے — باہر بھی پھوٹ اور گھر میں بھی پھوٹ — بہو اچھی ہوئی تو ساس بندریا کی طرح اُسے نوچ کھاتی ہے اور ساس سیدھی سادی ہوئی تو بہو کٹکھنی کُتیا کی طرح اُس کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔

رَتی: ٹھیک ہے۔ گھٹنا جھکے گا تو پیٹ کی طرف۔ بیٹے ہو نا۔ اس لیے ماں ہی کی ہاں میں ہاں ملاؤ گے۔

ہیرا لال: ارے ماں کی ہاں میں ہاں ملانے کا سمے تو شرون کمار جی سے سورگ میں ملنے چلا گیا — آج کل کے بیٹوں کی حالت تو تھالی کے بینگن جیسی ہے۔ ماں نے ٹھنڈی سانس لی تو اُدھر جھک پڑے اور بیوی نے گھونگھٹ کے اندر سے رسیلی نظر پھینکی تو اُس کی طرف لڑھک گئے۔

رَتی: ارے رے رے رے۔ جان گئی — پتی جی شما کرنا۔ میں مرتی ہوں۔

ہیرالال: مرنا نہیں۔ مرنا نہیں۔ آج کل بوڑھوں نے دنادن بیاہ کرنا شروع کردیا ہے۔ اس لیے جورو ملنا مشکل ہوگئی ہے۔ (ماں سے) دیکھو جی — اس ہر روز کے جھگڑے کا انت آنا چاہیے۔ تم یہ گھر چھوڑ کر باغ والی کوٹھی میں چلی جاؤ۔

گنگا: بیٹا۔

ہیرالال: بس میں جورو کے حکم کے سوا کسی کی بات سننا نہیں چاہتا۔

گنگا: دنیا کیا کہے گی؟

ہیرالال: بہت سے بہت کہے گی تو جورو کا ٹٹو کہے گی۔

گنگا: تو میں دوسرے گھر میں چلی جاؤں؟

ہیرالال: ہاں۔ آج ہی۔

گنگا: بٹیا، میں اس گھر میں تمھارا نقصان تو نہیں کرتی۔ کچھ سیوا ہی کرتی ہوں۔

رَتی: ہونھ۔ سیوا۔ رستہ لو۔ جورو بھی ماں کی طرح سیوا کرسکتی ہے۔

گنگا: اچھا سکھی رہو — جاتی ہوں۔

رَتی: جاتی ہو؟ نمسکار۔ لیکن ہاں۔ ہاتھ کھجائیں گے، ایک دفعہ اور گلا دباتی جاؤ۔

(گنگا ٹھنڈی سانس بھر کر چلی جاتی ہے)

ہیرالال: لو۔ بڑھیا گئی اور اس کے ساتھ دو لاکھ کے نوٹوں کا صندوقچہ بھی گیا۔

رَتی: ارتھی پر رکھ کر ساتھ تھوڑا ہی لے جائے گی۔ اُس کے مرنے کے بعد تو تمھیں کو ملے گا۔

ہیرالال: ارے تو اس کی عمر تو ربڑ کی بنی ہوئی ہے ربڑ کی۔ چھوٹی ہوہو کے بڑھ جاتی ہے۔ یہ بڑھیا تو لاٹھی ٹیکتے ٹیکتے پندرہ برس اور کھینچ لے جائے گی۔

رَتی: تو کھانے میں زہر دے دو۔

ہیرا لال: پولس کے ساتھ دوستی ہوتی تو ایسا بھی کرگزرتا۔

رَتی: اُف اُف۔ پریتمے۔ ذرا میری گردن سہلا دو۔

ہیرالال: (گردن پر ہاتھ پھیر کے) آہا۔کیا نرم چمڑا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وارنش کے جوتے پر مکھن لگا رہا ہوں۔

رَتی: اب نس سیدھی ہوئی۔

ہیرالال: کہو، گلے کا درد کم ہوا؟

رَتی: اب گلے کا درد اُتر کر دل میں آگیا ہے۔

ہیرالال: کیا نئی بیماری شروع ہوگئی، دل میں کیوں درد ہونے لگا؟

رَتی: نہیں جانتے؟ تمھارے پریم کا کانٹا چُبھا ہوا ہے۔

ہیرالال: اچھا تو اس کانٹے کو سنبھال کر رکھنا، ایسا نہ ہو کہ کوئی چلم پر آگ رکھنے کے چمٹے سے کھینچ کر نکال لے۔

— گانا —

ایکٹ دوسرا — سین ساتواں

سرسوتی کا غریب گھر

(سرسوتی بیمار پڑی ہے، منورما اس کے پائینتی بیٹھی ہے)

منورما: جیسے سورج کی دھوپ میں برف گلتی ہے، ویسے ہی دن بدن یہ بیماری ماتا جی کو گھلا رہی ہے۔ نردئی ہیرالال نے اپنے رن کے بدلے ہمارا گھر، باغ، گھوڑا، گاڑی، سب کچھ گھاس پھوس کے داموں نیلام کرادیا۔ اب ہمارے پاس سنسار کی وستوؤں میں سے کیول پچھلے سکھوں کی یاد اور یہ ٹوٹا پھوٹا گھر رہ گیا ہے۔ اس کی چھت کے نیچے سے بھی ہنکا دیے گئے، تب ندیوں اور پہاڑوں سے سر ٹکراتی ہوئی ہوا کی طرح ہمارا کہیں ٹھکانا نہ ہوگا۔ ہم دُکھیا، بیمار ماں کو لے کر کہاں جائیں گے، اور کیا کریں گے؟ (پیتامبر کا پرویش) پیتامبر کاکا تم آگئے۔ کہو، کہیں روپیوں کا بندوبست ہوا؟

پیتامبر: اُس بادل کی طرح جو کڑک گرج کر جل کی ایک بوند برسائے بنا نکل جاتا ہے، آج کل کے مِتر بھی مِترتا کا غُل مچانا جانتے ہیں، کنتو سمے پر کام آنا نہیں جانتے۔ وہ لوگ جو سکھ کے سمے میرے پربھو کے پسینے پر خون بہانے کا دعویٰ کرتے تھے، میری ہاہاکار سُن کر اُن کی آنکھ سے دیا کا ایک آنسو بھی نہیں نکلا۔ پھر ان سوارتھیوں کے جیب سے روپے کس طرح نکل سکتے تھے۔

منورما: تب تھوڑی دیر بعد کیا ہوگا؟

پیتامبر: آنکھ اور رستے کے بیچ میں اونچی دیواریں کھڑی ہیں، کچھ سجھائی نہیں دیتا—

لیکن ٹھہرو— متر مر گئے— آشا نہیں مری۔ میں ایک بار پھر جاؤں گا۔

منورما: پیتامبر کاکا— کہاں جاتے ہو؟

پیتامبر: روپیہ لانے۔

منورما: جن لوگوں پر پتا جی نے ہزاروں اُپکار کیے، ہزاروں سنکٹوں میں سہایتا کی۔ ہزاروں روپے دے کر ایک روپیہ کبھی واپس نہیں مانگا۔ جب اُن سے کچھ نہ ملا— تو اب اور کس سے جا کر مانگو گے؟

پیتامبر: دغاباز دوستوں سے مانگا، دیادھرم کے اوتاروں سے مانگا۔ پراربدھ سے مانگا۔ ایشور سے مانگا اور اب اپنے ساہس اور باہو بل سے مانگنے جاتا ہوں۔

منورما: ارتھات۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟

پیتامبر: وہی کام، جو قسمت کے دروازے سے ہنکائے اور بوکھلائے ہوئے آدمی سے لاچاری اور غریبی کرواتی ہے۔نہیں سمجھیں۔سن کر چونکنا نہیں۔ میں چوری کروں گا۔

منورما: کیا کہا— چوری؟

پیتامبر: ہاں۔ وہی پیتامبر۔ جو پرائے دھن کو جلتا ہوا انگارا سمجھ کر ہاتھ لگانے سے ڈرتا تھا، اب اپنے سوامی کی استری اور کنیا کی رکشا کے لیے چوری کرے گا— پرینام جیل ہو، یا نرک ہو— ضرور چوری کرے گا۔

منورما: نہیں نہیں پیتامبر کاکا— بادل کتنے ہی کالے اور گہرے ہوں، کنتو سدا سوریہ کے اُجالے کو نہیں ڈھانک سکتے۔ دُکھ راتری کا ایک دن ضرور سویرا ہوگا۔ اس لیے دھیردھرو اور سنکٹ میں ایشور اور اس کے نیائے پر وشواس رکھو۔

پیتامبر: نیائے۔ ایشور؟— یہ دونوں منشیہ کے ہونٹوں اور پُستک کے اکشروں کے سوا کہاں ہیں؟— یدی جگت میں نیائے ہوتا، تو کیا دیا اور دھرم کی اتنی ہانی ہوتی۔ ایشور ہوتا تو کیا ہیرالال جیسے پاپی سکھ اور تم جیسے نردوش اتنا دکھ بھوگتے؟ میں تو نیائے اور ایشور کے بدلے اس سنسار میں ہرطرف پاپ، سُوارتھ، ادھرم اور اتیاچار ہی کا راج دیکھتا ہوں— بس مجھے جانے دو۔

منورما: نہیں نہیں۔یدی قسمت میں بھیک مانگنا لکھا ہے تو ایک ساتھ مل کر بھیک مانگیں گے۔

مگر دُکھ کے کلھاڑے کے سامنے پاپ کے پیسوں کو اپنی ڈھال کبھی نہ بنائیں گے۔

پیتامبر: دوسنو۔ دروازے پر غُل ہو رہا ہے۔شاید راکشس اپنی اتیاچار سینا کے ساتھ آگیا۔

(ہیرالال، رَسِک لال عدالت کے بیلف اور سپاہی کے ساتھ آتے ہیں)

ہیرالال: پیتامبر۔تم سب کے دَیا مانگنے پر شیش رِن کے لیے آٹھ دن کا سمے دیا تھا، جو کل پورا ہو چکا۔ ڈگری کے باقی روپے دو یا ان سب کا ہاتھ پکڑ کر اس مکان سے باہر نکل جاؤ۔

منورما: مہاشے۔ آپ نے ہماری لاکھوں کی جائیداد مٹی کے داموں نیلام کرادی۔ اب یہ ٹوٹا پھوٹا سر چھپانے کا انتم سہارا بھی چھین لینا چاہتے ہیں؟

ہیرالال: ہاں۔

منورما: کیول ایک ہزار روپے کے لیے۔ جتنے روپے آپ سال بھر میں پان کھا کر تھوک دیتے ہیں، اتنے روپے کے لیے؟

ہیرالال: ایک ہزار تو بڑی رقم ہے۔ میں تو اس ہزار کے ہزارویں بھاگ کے لیے بھی یہی کرتا، جو کر رہا ہوں۔

پیتامبر: ہیرالال، تم نے ہندو ماتا کے گربھ سے ہندو گھر، ہندو سماج، ہندو جاتی میں جنم لیا ہے۔کون ہندو جاتی۔ وہی ہندوجاتی جو اہنسا کو پرم دھرم سمجھتی ہے۔ ڈسنے والے سانپ کو بھی دودھ پلاتی ہے۔ تُچھ چیونٹی کو بھی دُکھ دینا پاپ جانتی ہے— پھر تم اپنا جاتی گُن اور ہندو سوبھاؤ بھول کر اتنے نِرمم اور کٹھور کیوں ہو رہے ہو— دَیا کرو— دَیا کرو۔

رَسِک لال: ہم یہاں دیا کا دان کرنے نہیں، اپنے ٹکے وصول کرنے آئے ہیں (بیلف سے) روپے مانگو یا ان سب کو دروازے کی طرف دھکا دے کر گھر پر قبضہ کرو۔

بیلف: تم روپے چُکانے کو تیار ہو؟

پیتامبر: ہماری آنکھ کے آنسو چاندی کے ٹکڑے نہیں بن سکتے، پھر روپے کہاں سے چکائیں۔

بیلف: (سپاہیوں سے) گھر پر قبضہ کرو۔

سپاہی: (منورما کا ہاتھ پکڑ کر) باہر جاؤ۔

منورما: ماں۔ ماں۔

پیتامبر: خبردار۔ ہاتھ چھوڑ دو۔

ہیرالال: الگ ہٹ۔

(ہیرالال کا پیتامبر کو دھکا دینا)

سرسوتی: (چونک کر) یہ کیا— یہ کیسا درشیہ— تم کون؟

بیلف: یہ عدالت کے سپاہی اور میں بیلف ہوں، مکان قُرق کرنے آئے ہیں۔

سرسوتی: ہیرالال۔تم نے مجھ سے میرا پتی چھین لیا، میرا سکھ چھین لیا، میری تندرستی چھین لی، اب یہ شمشان بھومی کے برابر چار گز زمین بھی چھین رہے ہو۔ ہمارے سکھ شانتی کی پکی ہوئی کھیتی ڈبا دینے کے بعدبھی بھرے ہوئے بادل کی طرح ہمارے سر پرگرج رہے ہو۔ ہمارے دُکھ ہی میں تمھارا سکھ ہے، تو اچھا، دنیا میں کیول تمھیں سکھی رہو۔ ہم گھرسے نکل جاتے ہیں— لیکن یہ بولوکہ نکل کرکہاں جائیں؟

ہیرالال: راستے پر جاؤ— اناتھ شالے میں جاؤ— کوڑے خانے میں جاؤ— جہاں بھکشا اور مرتیو ملے وہاں جاؤ۔

سرسوتی: پیتامبر۔ اب ہم کیا کریں؟

(روتی ہے)

رَسِک لال: روتی ہو؟ روؤ۔ خوب روؤ۔ تمھارا رونا ہی ہمارے روپیوں کا بیاج ہے۔

سرسوتی: نا۔ نا۔ ایسے کٹھورشبد نہ کہو۔تم جو ہو اورجیسے ہو، پھربھی منشیہ ہو اور میں کبھی وشواس نہیں کرسکتی کہ منشیہ کا ہردے رکت اور مانس کے بدلے پتھر کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ منورما! پاس آ—ہم دونوں نردھن، نراُپائے پاؤں پکڑکر آج دَیا کی بھیک مانگیں۔

(ہیرالال کے پاؤں پکڑتی ہے)

منورما: دیالو—

ہیرالال: میرے پاؤں اپنے آنسوؤں سے گیلے نہ کر (لات مارتا ہے) جس نے کبھی اپنے ماں، باپ بھائی پر دیا نہیں کی، وہ تجھ پر کب دیا کرسکتا ہے۔ (بیلف سے) تم سوچتے رہو گے یا انھیں لات مار کر باہر نکالو گے۔

بیلف: دیوی، ایسی نس سہائے اوستھا اور بیماری میں آپ کو گھر سے نکالتے ہوئے مجھے گھور دکھ ہوتا ہے، مگر کیا کروں اس پاپی پیٹ کے لیے جس عدالت کی نوکری کرتا ہوں، اُس کا یہی حکم ہے۔ اس لیے بنتی پُوروک کہتا ہوں کہ گھر خالی کردیجیے۔

ہیرالال: تم بنتی کرنے کے لیے نہیں، حکم دینے کے لیے آئے ہو، منھ کے شبدوں سے کام نہیں چلے گا، اس طرح ہاتھ پکڑ کر باہر کردو۔

(منورما اور سرسوتی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہے)

پیتامبر: بس۔ بس۔ دھرم اتنا سہن نہیں کرسکتا— دھرتی اتنے بڑے اتیاچار کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ تم منشیہ ہوکر دَیا نہیں کرسکتے تو پشو بن کر ناری ہتیا بھی نہ کرو۔

سرسوتی: ہیرالال، یہ سب کس دن کے لیے؟ کس لوک کے لیے؟ منشیہ کا سکھ اور شانتی دھن میں نہیں، دھرم میں ہے، منشیہ کی بڑائی بدلہ لینے میں نہیں، دَیا اور شما کرنے میں ہے۔ دیا کرو— اور یہ سادھارن رن چھوڑ دو۔

ہیرالال: چُپ۔ چُپ۔ روپیے نہ پانی کی طرح آکاش سے برستے ہیں اور نہ گھاس کی طرح دھرتی سے اُگتے ہیں— جو روپیہ ہزاروں جھوٹ، ہزاروں دھوکے، ہزاروں اتیاچار، ہزاروں محنت اور ہزاروں یکتی سے پیدا ہوتا ہے، اُسے کیول دیالو کہلانے کے لیے چھوڑ دوں۔ نہیں، یدی مجھ سے ایشور یا کسی دیوتا نے رن لیا ہوتا، تو اُس سے بھی ایک پیسہ نہ چھوڑتا۔

رَسِک لال: (بیلف سے) یہ کیا!— تمھاری آنکھ میں آنسو دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا اپنے کرتویہ پالن میں تمھیں دُکھ ہو رہا ہے؟

بیلف: لاچاری (سرسوتی سے) بھدرے اُٹھو۔ (منورما سے) بھگنی، گھر خالی کرو۔

سرسوتی: نہیں۔ نہیں۔ نہ اس کا پربھو ہے۔ نہ اس کا پتا ہے اور نہ میرا پتی ہے۔ آج

ہم سب سے زیادہ کوئی دکھی اور اناتھ نہیں ہے۔ یدی یہ دیا نہیں کرتا تو تم دیا کرو۔ دیکھو میری طرف دیکھو، میں تمھارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ ہم پر دیا کرنے سے یدی عدالت کا حاکم تم پر ناراض ہوگا تو وہ حاکموں کا حاکم تمھاری دیا سے پرسن ہوکر لوک پرلوک میں تمھارا منگل کرے گا۔

بیلف: کیسی دیا جگا دینے والی پرارتھنا— کیسا کپکپا دینے والا ولاپ۔ کیا کروں؟ یہ نس سہائے اور یہ نشٹھر — ایک دھن ہین، اور ایک ہردے ہین (ہیرا لال سے) مہاشے ایشور نے آپ کو دنیا کے دھن سے بہت کچھ دیا ہے اور آپ دین دکھیوں کا آشیرواد لیں گے تو آگے بھی بہت کچھ دے گا۔

ہیرالال: اس لیے؟

بیلف: اس لیے جس طرح اس لوک کے لیے دھن جمع کیا ہے، اسی طرح اُس لوک کے لیے بھی کچھ دھن جمع کیجیے۔ سوارتھی منشیہ سے اُپکاری دیوتا بنیے، اور یہ تُچھ، سادھارن رِن اور اس دَرِدر ہندو ابلا کو چھوڑ دیجیے۔

ہیرالال: عدالت نے کیا تمھیں یہاں دھرم شکشا دینے کے لیے بھیجا ہے، اِس کا رونا دیکھ کر تمھیں دُکھ ہوتا اور دیا آتی ہے تو تمھیں اس کا قرض چکا دو۔

بیلف: میں پچاس روپیہ مہینے پر سارا دن سرکار کی غلامی کرتا اور اِسی پچاس کے اندر اس مہنگی کے سمے میں اپنی استری، کنیا، دو وِدھوا بہنوں اور اُن کے بچوں کا پالن پوشن کرتا ہوں۔ میرے پاس نقدی کے روپ میں ایک پیسہ نہیں ہے۔ ہاں۔ میری استری کے بدن پر دو چار چاندی کے گہنے ہیں۔ چلو میرے گھر چلو۔ میں اپنے ہاتھ سے اپنی استری کے گہنے اُتار کر تمھیں دے دیتا ہوں۔ اُنھیں لے لو، اور اس دُکھیا ہندو دیوی کا قرض چھوڑ دو۔

رَسِک لال: تمھارے سو پچاس روپیے کے گہنے سے ہزار روپے کا قرض کس طرح ادا ہوجائے گا؟ یہ روپیہ دینا چاہے تو سویم دے سکتی ہے اور آج ہی دے سکتی ہے۔

سرسوتی: کس طرح۔ کہو کہو۔ میرے پاس اب کون سا دھن رکھا ہے؟

رَسِک لال: مہا اَمولیہ دھن۔ خریدار کے پسند کے لائق دھن۔ بازار میں لے جانے کے

ساتھ ہی جس کا منھ مانگا دام مل جائے، ایسا دھن۔

سرسوتی: وہ کیا؟

رَسِک لال: تمھاری لڑکی۔

سرسوتی: کیا میری لڑکی!

رَسک لال: ہاں، تمھاری لڑکی منورما۔ قرض کے روپے ادا کرنا چاہتی ہو، تو اس سے کہو کہ آنکھوں میں کاجل اور منھ پر پاؤڈر لگا کے بازار میں جاکر ویشیا کا دھندا کرے۔

پیتامبر: پاجی کیا کہا؟

(مارنے دوڑتا ہے)

رَسِک لال: میں نے یہ کہا کہ روپیہ چاہیے تو بازار جا کر اس کی جوانی اور جوبن بیچو۔

پیتامبر: بس اور سہن نہیں ہوسکتا۔ نیچ کتے۔ تیرے بھونکنے کا یہ جواب ہے۔

(چھری اُٹھا کر مارتا ہے)

ہیرالال: خون۔ خون۔ پولس۔ پولس۔

سرسوتی: آہ، پیتامبر۔کیا کیا؟

(مورچھت ہوجاتی ہے)

منورما: ماں۔ ماں۔

(دوڑ کر سرسوتی کو سنبھالتی ہے)

(پولس کا پرویش)

افسر: کیا ہوا؟

ہیرالال: خون— یہ رہا خونی۔

(پولس پیتامبر کو گرفتار کرتی ہے)

ایکٹ دوسرا—— سین آٹھواں

محلہ

پڑوسی 1: کلجگ کو ساکشات روپ میں دیکھنا ہو تو نرادھم ہیرالال کو دیکھ لو۔ پشو بھی جننی کو سینگ نہیں مارتا۔ کنتو اس نے مشیہ ہوکر اپنی استری کو پرسن کرنے کے لیے گئو سمان، پتیہ وتی ماتا کو گھر سے نکال دیا۔

پڑوسی 2: کنتو کل میں نے سنا ہے کہ وہ اپنی ماں کو سمجھا منا کر پھر گھر واپس لے جانا چاہتا ہے۔

پڑوسی 1: ہاں۔ کنتو جانتے ہو، کیوں؟ پرائشچت کے لیے نہیں، سوارتھ کے لیے۔ بڑھیا اس نگر کو تیاگ کر بندرابن جاکر بسنے کا وچار رکھتی اور جانے سے پہلے اپنے دو لاکھ کے نوٹ یہاں کے ودھوا آشرم اور اناتھ شالے کو دان کرنا چاہتی ہے۔ اس لیے لوبھی ہیرا لال کی اِچھا ہے کہ یہ دو لاکھ کے نوٹ بھی دِین دکھیوں کے ہاتھ میں پہنچنے کے بدلے اُس کی تجوری میں پہنچ جائیں۔

پڑوسی 2: جیسے آگ لکڑی کو کھاجاتی ہے، ویسے ہی اَدھرم اور پاپ ایک دن اُس کا بھی ناش کردیں گے۔

(دونوں کا جانا—— ہاتھ میں مشعل لیے ہوئے رَتی کا پرویش)

رَتی: میرے پتی کے لوبھ اور میری گھرنا کی طرح آگ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ مجھے ادھیکار چاہیے اور میرے لوبھی پتی کو دھن چاہیے۔ میں نے ادھیکار کے لیے بڑھیا ساس کو گھر سے نکلوا دیا اور اب وہ کیول دھن کے لیے اُسے سمجھا بُجھا

کر پھر گھر میں لانا چاہتے ہیں۔ کیا میں رانی سے پھر گھر کی داسی بن جاتی۔ کیا میں جیتا ہوا راج پھر ہارے دشمن کو واپس کر دیتی؟— کبھی نہیں۔ بس یہی انتم اُپائے تھا۔ رات کے اندھیرے اور سناٹے میں آکر چپکے سے ساس کے گھر میں آگ لگا دی ہے— تھوڑی دیر میں گھر بھی جل جائے گا، گھر میں رکھے ہوئے دو لاکھ کے نوٹ بھی جل جائیں گے اور نوٹوں کے ساتھ میرے پتی کی آشا بھی جل جائے گی۔

(پڑوسیوں کا گھبرائے ہوئے پِنہ پرویش)

پڑوسی 1: دیکھتے ہو۔ آکاش کے نیچے دھوئیں کا ایک اور آکاش بن گیا ہے۔

پڑوسی 2: محلے کے لوگ نیند سے جاگ کر آنکھیں ملتے ہوئے دوڑے جا رہے ہیں۔

پڑوسی 1: چلو۔ جلدی چلو۔ اُسے خبر دیں۔

پڑوسی 2: وہ کہاں ہوگی؟

پڑوسی 1: یہاں سے تھوڑی دور پر ایک مندر میں ستیہ نارائن کی کتھا ہو رہی ہے۔ میں نے اُسے وہیں دیکھا ہے۔

پڑوسی 2: (سامنے سے آتے دیکھ کر) یہ کون استری؟— وہی۔

(گنگا کا پرویش)

گنگا: رادھے شام۔ رادھے شام۔

پڑوسی 1: دیوی، دوڑو۔ تمھارے گھر میں آگ لگ گئی۔

گنگا: آگ لگ گئی۔ ارے بچاؤ بچاؤ! میرے سب سے اُدھک اَمولیہ دھن کی بچاؤ۔

پڑوسی 1: امولیہ دھن!— کیا سونا؟

گنگا: وہ تو پیلے رنگ کی مٹی ہے۔

پڑوسی 2: کیا ہیرے موتی؟

گنگا: وہ تو بچوں کے کھیلنے کے کنکر پتھر ہیں۔

پڑوسی 1: پھر اور کون سا اُمولیہ دھن؟

گنگا: اِس گھر میں میرے رادھا ولبھ، برج بہاری، شام مراری کی مورتی رکھی ہے۔ وہی میرا اُمولیہ دھن ہے۔ سب کچھ جل جانے دو۔۔۔ مجھے اس دھن کے سوا سنسار کا کوئی دھن نہیں چاہیے۔

(جاتی ہے، شری کرشن اور رادھا پرگٹ ہوتے ہیں)

شری کرشن: رادھے۔ یہی دیویاں ہیں، جن سے اس کل یگ میں تپیہ کا تیج کبھی کبھی اُسی پرکار دکھائی دیتا ہے جیسے شیام ورن میگھ سے ڈھکے ہوئے آکاش کو بجلی چمک کر پرکاش مان کر دیتی ہے۔ آؤ۔ آج بنا بادل کے جل دھارا برسے گی۔

رادھا: پربھو۔ کس سے؟

شری کرشن: اُسی مرلی سے، جس کے مدھر سُروں سے برج میں پریم رس کی اور سنسار پر گیتا روپی امرت کی ورشا ہوئی تھی۔

(انتر دھیان ہوجاتے ہیں)

—سین ٹرانسفر—

اُسی محلے کا دوسرا بھاگ

(گنگاوتی کا جلتا ہوا گھر)

چاروں طرف آگ اور دھواں دکھائی دیتا ہے۔ گنگا جلتے ہوئے گھر میں گھس کر شری کرشن کی مورتی باہر نکال لاتی ہے۔ آکاش میں رادھا اور گوپیوں کے ساتھ شری کرشن پرگٹ ہوتے ہیں۔ گوپیوں کی مٹکیوں اور شری کرشن کی بانسری سے جلتے گھر پر جل ورشا ہوتی ہے۔

—ڈراپ—

ایکٹ تیسرا — سین پہلا

جیل

(بسنت کمار قیدیوں کے ساتھ کام کر رہا ہے)

بسنت کمار: منشیہ چرتر کا پتن، جسے پاپ کہتے ہیں، یہ بھی ایک قسم کا روگ ہے۔ دیہہ کے روگوں کی چکِتسا اسپتال میں اور منشیہ چرتر کے روگوں کی چکِتسا جیل میں ہوتی ہے۔ کنتو کس پرکار؟ دیہہ کے اسپتال میں دیا سہانو بھوتی اور اُتکرشٹھ اَوشدھیوں سے روگی کے روگ نورتّ کیے جاتے ہیں اور جیل روپی اسپتال میں رسّے کھینچنا، چکی پیسنا، کولھو چلانا، یہ سواوشٹ اَوشدھیاں ہیں جو گالیوں، ہنٹروں اور بوٹ کی ٹھوکروں دوارا روگی کو سوستھ کرنے کے لیے پلائی جاتی ہیں۔ اُس اسپتال میں چیچک، ہیضہ، پلیگ کے بھینکر، روگیوں سے بچانے کے لیے سادھارن روگی کو دور رکھتے ہیں اور اِس اسپتال میں پہلی مرتبہ کے بیمار کو سر سے پاؤں تک سڑے گلے ہوئے روگیوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور سونے کے لیے بادھیہ کیا جاتا ہے۔ اُس اسپتال میں تھوڑے ہی دنوں کے اندر سو روگوں میں سے ایک روگ بھی نہیں رہتا اور اِس اسپتال میں منشیہ ایک روگ لے کر آتا ہے اور سو نئے روگ لے کر باہر نکلتا ہے— آہ، کیسا ہردے وِدارک درشیہ ہے۔ میلے کپڑے کو گرم بھٹی میں اُبالنے، ہاتھ سے رگڑنے، بار بار پتھر پر پٹکنے سے اچھا ہوتی ہے کہ وہ اُجلا اور پوتر ہوکر پھر سے کام میں آنے کے یوگیہ ہوجائے۔ جیل خانے بھی شکشا اور سدھار کے لیے بنائے گئے ہیں لیکن کیا اس اسوابھاوک

اُپائے اور اسمپیہ دیوہار سے یہ سماج کی دیہہ کے روگی انگ سوستھ ہوکر سماج کے سہایک اور لابھ دایک بن سکتے ہیں۔ کیا دن بھر گھوڑے اور بیل کی طرح محنت کرانے اور سانجھ کو جانوروں کی بھانتی ہنکا کر بدبودار کوٹھریوں میں بند کردینے سے اُن کی آتما میں اُچ بھاوجیوت کیے جاسکتے ہیں؟— آہ، دُردر دیش کا جتنا روپیہ نگر نگر میں مٹی اور پتھر کے جیل بنوانے اور جیل کے کرمچاریوں کی تنخواہوں پر پانی کی طرح بہایا جاتا ہے، یدی اُس کا چوتھائی روپیہ ان ابھاگوں کے واستوک سدھار پر خرچ ہوتا، اتھوا انھیں نیتی اور دھرم کی شکشا دے کر ابودھ پشو سے بھدرنا گرک بنانے کا یتن کیا جاتا تو آج یہ سب بھی سکھی ہوتے اور ان کے دوارا سماج اور دیش کا بھی منگل ہوتا— ہوگا— بسنت کام کر۔ دنیا نہ تیری ہائے ہائے سننا چاہتی ہے اور نہ تیری صلاح مانگتی ہے۔

ایک: یار یہ نیا جیلر تو اپنے باپ کا بیٹا ہی نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کل جھگڑو اَہیر نے چکی گھر میں آٹا چرا کر کھالیا تو سالے نے ایک درجن بیت پڑوا دیے۔

دو: ہاں یار، ہے تو دس نمبر کا حرامی، جب بچارے جھگڑو کے چوتڑوں پر بیت پڑ رہے تھے، تب اس طرح آواز نکل رہی تھی، مانو کسی کی بارات میں تاشا بج رہا ہے۔

تین: ابے شمبھو؟

چار: کہو بیٹا لبو۔

تین: ابے ابھی تو تجھے چھوٹ کر گئے ہوئے اتوار اتوار آٹھ، سوموار نو، منگل دس، کیول دس ہی دن ہوئے تھے، کیا گھر کی روٹی ہضم نہیں ہوتی تھی جو اتنا جلد آن دھمکا۔

چار: کیوں نہ آتا؟ جیل تو ہماری سسرال ہے، ہم کو تو جیل کے داروغہ جی نے اپنا گھر جنوائی بنا رکھا ہے۔

تین: لیکن پچھلی بار تو تھیٹر کے ٹکٹ آفس کے پاس ایک بنیے کی جیب کتری تھی، اب کی کون سا پنیہ کیا جس کے پرتاپ سے دو برس کو جیل میں تسلا بجانے کے لیے آگیا۔

چار: ارے یار، وہ ہے نا۔ وہ، وہ حرامی کالی چرن نا۔تم تو اسے اچھی طرح جانتے ہو۔

تین: ارے وہی نا، جس نے ڈکیتی کے مقدمے میں سرکاری گواہ بن کر کھڑگ سنگھ کو سات برس لدوا دیا۔

چار: ہاں۔ وہی مونچھوں والا ہجڑا۔

تین: اچھا تو کیا ہوا؟

چار: ہوتا کیا۔ ایک کوکین کی پڑیا پر جھگڑا ہوا۔ اُس نے میرے منھ پر تھپڑ کھینچ مارا۔ میں نے غصے میں دانت سے اُس کی تین انچ ناک میں سے ڈیڑھ انچ کم کردی۔

پانچ: جیو، میرے بہادر۔

تین: لیکن، ناک کاٹنے میں دو برس! یہ تو آخری سزا ہے۔

چار: گروجی۔ سزا تو چھ مہینے کی ہوئی تھی۔ لیکن میں نے وچار کیا کہ دو چار مہینے کے لیے گیا تو جیل میں کیا عزت ہوگی۔ سب دوست یہی کہیں گے کہ جیل کے کپڑے میلے کرنے آگیا ہے۔

ایک: بالکل ٹھیک۔ تم جیسے بھلے آدمیوں کو اپنی عزت کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

چار: اس لیے میں نے سزا بڑھوانے کی یہ ترکیب سوچی کہ جیسے ہی حاکم کے منھ سے یہ نکلا کہ ''ویل سمجھو، تمھیں چھ مہینے جیل'' ویسے ہی میں نے پاؤں سے جوتا اُتارا اور جس پرکار توے پر روٹی چپکاتے ہیں، دَن سے حاکم کے منھ پر رسید کردیا۔

سب: شاباش۔ شاباش۔

دو: اِدھر آ بیٹھے۔ بان کوٹنے کی موگری سے تیری پیٹھ ٹھونک دوں۔

تین: تو یہ کہو کہ جوتے کے زور پر چھ مہینے کو ٹھونک کر دو برس بنا دیا۔

چار: ہاں یار۔ ایشور نے بڑی لاج رکھی۔ نہیں تو تم دوستوں کو منھ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک: (چھ کی طرف اشارہ کرکے) تم تو کل چھوٹ جاؤ گے نا۔ کبھی باہر ملاقات ہو تو جیل کے دوستوں کو پہچان لینا۔

تین: جاتے تو ہو، لیکن دیکھو بہت دنوں سے دم نہیں لگایا ہے۔ کوئی نیا قیدی آتا

ہو، تو اُس کے ہاتھ تھوڑا سا گانجا بھیج دینا۔

چار: ہاں۔ پھر بھی تو کسی دن یہاں آنا ہی پڑے گا۔ اس احسان کے بدلے میں ہم تمھارا کمبل اور تسلا سنبھال کر رکھ چھوڑیں گے۔

تین: چپ چاپ، کام کر۔ وہ دیکھ اپنی جورو کا باپ آرہا ہے۔

(سب قیدی کام کرنے لگتے ہیں۔ داروغہ پیتامبر کو لیے آتا ہے)

داروغہ: نمبردار۔ یہ نیا قیدی ہے۔ آج اِدھر اُدھر کا کام لو۔ کل چکی پر جائے گا۔

(داروغہ کا واپس جانا)

پیتامبر: پاجی۔ میری چھری سے گھائل ہوکر جیتا بچ گیا۔ جان پڑتا ہے کہ اس کے پرابدھ میں اس سے بھی زیادہ بُری موت سے مرنا لکھا ہے۔

(کھانے کا گھنٹہ بجتا ہے۔ سب قیدی کام چھوڑ کر اندر جاتے ہیں)

بسنت کمار: کھانے کا گھنٹہ بجا۔ چلوں پیٹ کے نرک میں ایندھن ڈالوں۔ آہاہا۔ اس دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ جو سکھ ہو یا دُکھ، نہ منشیہ کو چھوڑتی ہیں اور نہ منشیہ ان کو چھوڑ سکتا ہے۔ ایک بھوک اور دوسری نیند (آگے بڑھتا اور پیتامبر کو دیکھ کر چونکتا ہے) یہ صورت— یہ آدمی— وہی یا کوئی اور— پیتامبر۔

پیتامبر: کس نے پکارا؟— یہ کون؟— میرے سوامی— میرے پربھو۔

(بسنت کے پیروں سے لپٹ جاتا ہے)

بسنت کمار: پیتامبر۔ تم وشواس گھاتی نہیں، چور نہیں، خونی نہیں، پھر اس پاپ اور دکھ کے نواس استھان میں کیسے آئے؟

پیتامبر: کسی کو اَپرادھ لاتا ہے۔ کسی کو دُربھاگیہ لاتا ہے اور مجھے میرا کرتویہ لایا ہے۔ کس طرح آیا۔ سنیے گا؟ نہیں، نہ سنیے۔ اس بات کی چوٹ سے یدی آپ

کی چھاتی پتھر کی چٹان ہوگی تو بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی۔

بسنت کمار: تم میرے دھیرج کی پریکشا نہ لو۔ لگاتار سنکٹوں نے مجھے دھیرج رکھنا سکھا دیا ہے۔ کہو۔ کیا ہوا؟

پیتامبر: آپ کے جیل ہونے کے پشچات، پاشان ہردے ہیرا لال نے اپنے روپیوں کی ڈگری کراکے گھر اور گھر کا ایک ایک تنکا ہم سے چھین لیا۔ رہنے کے لیے ایک پھوس کا جھونپڑا تک نہ چھوڑا۔

بسنت کمار: کیا کہہ رہے ہو؟

پیتامبر: یہاں تک بھی ہم نے سہن کرلیا تھا، لیکن نیچ رسِک لال نے میری بچی منورما کا ایسا اپمان کیا کہ یدی میری چھری اوچھی نہ پڑتی تو آج وہ اسپتال کے بدلے نرک میں ہوتا، اور میں اس جیل کی دھرتی پر دکھائی دینے کے بدلے پھانسی کے تختے پر دکھائی دیتا۔

بسنت کمار: لیکن میری منورما، میری سرسوتی۔

پیتامبر: میرے ہاتھوں میں ہتھکڑی دیکھ کر منورما ماں ماں کہہ کر چلاّ اٹھی اور روگ شوک سے ستائی دُکھیا سرسوتی مورچھت ہوکر گر پڑی، نہیں کہہ سکتا کہ ابھی تک جی رہی ہے یا مرچکی۔

بسنت کمار: مرچکی؟

پیتامبر: اتنے دنوں کی بیماری اور اتنے شوک میں مرہی جانا چاہیے۔

بسنت کمار: سرسوتی مرگئی ہوگی؟ تب کون رہا؟ اکیلی منورما۔ باپ نہیں، ماں نہیں، پیتامبر نہیں، پھر اس بدمعاش دنیا میں اس کی کون رکشا کرے گا؟ ارے یہ کیا ہورہا ہے؟ میرا سر گھوم رہا ہے یا بھوکمپ سے دھرتی کانپ رہی ہے۔ میں کہاں ہوں؟ مجھے کہاں ہونا چاہیے۔

پیتامبر: پربھو۔ پربھو۔

بسنت کمار: جب ہوا اور پانی جیسی نرجیو وستوئیں سوتنتر پھر رہی ہیں، تو کیا منشیہ بل اور بدھی رکھ کر سوتنتر نہیں ہوسکتا؟ پیتامبر سنتے ہو؟ جیل کی دیوار جتنا تم سمجھتے ہو اُتنی مضبوط

نہیں ہے۔

پیتامبر: ارتھات؟

بسنت کمار: منورما کی آواز نہیں سنتے — سنو سنو۔ وہ رکشا رکشا پکار رہی ہے۔ بھاگنا ہوگا۔ بھاگوں گا۔ کیا ایک بھی اندھیری رات جیل والوں کے لیے گہری نیند لے کر نہ آئے گی۔ پیتامبر، بوڑھے ہاتھ پاؤں کے ساتھ جوانوں کی سی ہمت کرو گے؟

پیتامبر: کروں گا۔

بسنت کمار: تب تیار رہنا۔ دن یا رات، جب اَوسر مل جائے، نکل گئے تو رہائی۔ پکڑے گئے تو موت۔ دونوں طرح دکھ سے مکتی ہوجائے گی۔

(لڑکھڑا کر گرتا ہے۔ پیتامبر سنبھالتا ہے)

ایکٹ تیسرا — سین دوسرا

سرسوتی کا غریب گھر

سرسوتی: سکھ کے ہنستے ہوئے دن دکھ راتری کے اتھاہ اندھیرے میں ڈوب گئے۔ اس اندھکار ساگر میں بُلبُلے جتنی آیو لے کربھی کوئی آشا کی لہر اُتپن نہیں ہوئی، جب بدن میں جیل کا کپڑا اور پیروں میں بیڑیاں پہنے ہوئے ان کی سوکھی مرجھائی ہوئی چھایا روپی پرتیما سامنے آکر کھڑی ہوجاتی ہے، تب ہردے میں رکی ہوئی دکھ دھارا کا بند ٹوٹ جاتا اور جھرنے کی طرح آنکھوں سے آپ سے آپ آنسوؤں کی باڑھ چلنے لگتی ہے۔

کشور: جس دن پتا کی مرتیو ہوئی اُس سے ایک دن پہلے میں بی۔ اے کی پریکشا دینے کے لیے کلکتہ چلا گیا تھا۔ پریکشا سماپت ہوتے ہی بیمار پڑگیا اور زبردست علاج ہونے پربھی تین مہینے تک بیماری کے بستر سے نہ اُٹھ سکا۔ کل ہی پنجاب میل سے گھر پہنچا ہوں۔ یہاں ہوتا تو پاپی ہیرالال کبھی ایسا اتیارچار نہ کرسکتا۔

سرسوتی: للاٹ کی لکیریں وِدھاتا کی لیکھنی کے اکشر ہیں۔ ان اکشروں میں جو لکھا تھا وہ پورا ہوا اور جو رہ گیا ہے، وہ پورا ہوگا۔

کشور: آپ کے پتی کو میں اپنے پتا تلیہ اور آپ کو اپنی پوجیہ نیہ ماتا کے سمان جانتا ہوں۔ اس لیے آپ کی رکشا اور سیوا میرا پرتھم دھرم ہے۔ میں ابھی جاکر ایک سکھ دایک گھر کرائے پر لیتا ہوں۔ وہاں چل کر رہیے اور اپنی سیوا کی آگیا دے کر مجھے کرتارتھ کیجیے۔

سرسوتی: مرجھائے ہوئے پھول کے لیے باغ اور آگ کی بھٹی دونوں ایک سمان ہیں۔

میں جہاں ہوں، اچھی ہوں۔

کشور: یدی آپ مجھے پرایا نہیں سمجھتیں، تو میری یہ پرارتھنا مانی ہی ہوگی— پرنام۔

(جاتا ہے)

سرسوتی: دھنوانوں کے لڑکوں کو باپ کے مرنے پر ان کا سنچے کیا ہوا دھن ملتا ہے۔ کنتو اس نے اپنے سورگیہ پتا کا دھن ہی نہیں، اُن کے اُچ سوبھاؤ اور گُن بھی پائے ہیں۔

— گانا —

ایکٹ تیسرا— سین تیسرا

برندابن۔ جمنا کا گھاٹ

(سوریہ است ہو رہا ہے۔ نگر کی استریاں جمنا جل سے گاگریں بھر کے گھر جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔ گنگا ایک مندر کے دروازے کے سامنے بیٹھی مالا پھرا رہی ہے)

استری 1: سکھی سانجھ کے سمے سیندور کے رنگ کا آکاش کیسا منوہر دکھائی دیتا ہے۔

استری 2: ایسا جان پڑتا ہے کہ سندھیا دیوی کا گلابی دوپٹہ سر سے گر کر ہوا میں پھیل گیا ہے۔

استری 3: نہیں جی— ایسا جان پڑتا ہے کہ تارا منڈل میں ہولی کھیلی جا رہی ہے اور سوریہ کی کرنوں نے دن کے منھ پر گلال مل دیا ہے۔

استری 4: اب گھر چلو۔ جیسے اشنان کرنے کے بعد بال نچوڑ کر جھٹکارتے ہوئے کالی کالی لٹیں تمھارے گورے مکھ پر بکھر گئی تھیں، ویسے ہی تھوڑی دیر میں اندھیرا پھیل جائے گا۔

(سب گاگریں کمر پر رکھ کر ہنستی بولتی ہوئی جاتی ہیں۔ گنگا جاپ پورا کر کے اُٹھتی ہے۔ رتی کا پرویش)

گنگا: رادھے شام— رادھے شام۔

رتی: شما کرو— شما کرو۔ ماتا جی۔ اس مہا دُربھاگنی، مہا پاپنی کو شما کرو۔

(پاؤں پکڑ لیتی ہے)

گنگا: بیٹی رتی۔ کیا سچ مچ یہ تم ہو؟ آشچریہ۔ جو گھر سے نکل کر بھگوان کے درشن کے لیے مندر تک نہیں جاتی تھی، اُسے آج میں بندرابن میں دیکھ رہی ہوں۔

رتی: ماتا جی۔ آپ جس دن اپنا سارا دھن اناتھوں اور ودھواؤں کو دان کرکے شری بندرابن چلی آئیں، اسی دن سے سنسار میرے لیے نرک بن گیا ہے۔ اپنے مجھ سے گھرنا کرتے ہیں۔ پرائے مجھے لڑاکا اور گھر بگاڑو سمجھ کے اپنی بہو بیٹیوں کو میری چھایا سے بچاتے ہیں۔ خود میرا وِویک میری آتما کو رات دن کوڑے مارا کرتا ہے۔

گنگا: بیٹی......

رتی: ماتا جی۔ جتنی کبھی سکھی تھی، اتنی ہی اب دکھی ہوں۔ آپ کے بندرابن آنے کے چار ہی دن بعد آپ کے پُتر نے یہ کہہ کرکہ تیرے ہی کارن دو لاکھ روپے ہاتھ سے جاتے رہے، مجھے گھر سے نکال دیا، اور جب میں روتی ہوئی پتا کے گھر پہنچی تو انھوں نے بھی آنسو پونچھنے کے بدلے اسیم گھرنا کے ساتھ میری طرف سے منھ پھیر لیا۔

گنگا: تمھارے پتی کا ہردے تو سوارتھ سے بنا ہوا ہے۔ تمھارے پتا کے پریم ساگر میں بھی جوار نہیں آیا؟

رتی: پتا نے کہا۔ راکشسی۔ میں تیرے سب اتیاچار سن چکا ہوں۔ میری شرن چاہتی ہے تو پہلے بندرابن جاکر اُس دیوی کے چرنوں میں گر کر شما مانگ۔ شما کی پرارتھنا تیرے پاپ کا پہلا پرائشچت ہے۔

گنگا: رتی۔ شما کسے دوں؟ میں اس سنسار میں کسی کو اَپرادھی نہیں سمجھتی۔ اس پوتر پریم نگری کی یاترا کا پنیہ اور میرا آشیرواد لےکر گھر لوٹ جاؤ، اور لوبھ، سوارتھ کے اندھیرے جنگل میں بھٹکتے ہوئے پتی کو کلیان مارگ بتا کر اُس کا اور اپنا جیون سپھل کرو۔

رتی: میں ان پوجنیہ چرنوں کو آنترک بھکتی کے ساتھ پرنام کرتی ہوں۔

گنگا: کلیان ہو۔

(دونوں جاتی ہیں)

ایکٹ تیسرا— سین چوتھا

راستہ

(پوجا کی سامگری لیے ایک بوڑھا برہمن اپنی ودھوا
لڑکی کے ساتھ آتا ہے)

برہمن: بیٹی مرنالنی۔ ایک سے تھا، جب برہمن کو دیکھ کر بڑے بڑے چکرورتی راجا ہاتھ جوڑکے سنگھاسن سے نیچے اُتر آتے اور اُن کے ہاتھ اُٹھا کر آشیرواد دینے کو اپنا سوبھاگیہ سمجھتے تھے۔ کِنتو اس نوین یگ میں نہ ویسے برہمن ہیں اور نہ ویسے ہندو ہیں۔ نہ اُن میں ست یگ کے برہمنوں کا دھارمک بل اور آتمک تیج ہے اور نہ اِن میں پراچین ہندوؤں کی بھگتی اور شردھا ہے۔

مرنالنی: پتا جی۔ اس کلجگ میں یہی دیکھ رہی ہوں۔

برہمن: یہی کارن ہے کہ وید، ویدانگ، شاستر، سمرتی، پرانوں کا گیاتا ہوکر بھی تیرا اور اپنا پالن پوشن نہیں کرسکتا۔ نوکری ملتی نہیں اور بھکشا مانگنا نہیں چاہتا۔ پھر جیون بتانے کا کیا اُپائے کروں؟

مرنالنی: پتا جی۔ منشیہ انّ سے نہیں، من میں سنتوش دھارن کرنے اور ایشور پر وشواس رکھنے سے جیتا ہے— مندر آگیا— چلیے درشن کرلیں۔

(دونوں کا پرستھان— رَسِک اور ہیرا لال کا پرویش)

ہیرالال: سُن لیا رَسِک؟

رَسِک لال: ہاں باوا جی۔

ہیرالال: میرا دھن سمدر کا پانی نہیں ہے جو دنیا بھر کے بادل پئیں اور ختم نہ ہو۔ روپیے میرے پیدا کیے ہوئے بچے ہیں۔ میں ایک بیٹے کے ہاتھ سے لاکھوں بیٹوں کا قتل نہیں کراؤں گا۔ سمجھا؟

رَسِک لال: ہاں باواجی۔ میرے دونوں کانوں کے بیچ میں سیر بھر کی کھوپڑی اور کھوپڑی میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ سمجھ موجود ہے، اس لیے خوب سمجھ رہا ہوں۔

ہیرا لال: میرے پاس جو دولت ہے وہ تمھاری ماں تمھارے ناناکےگھر سے نہیں لائی تھی۔

رَسِک لال: ہاں باوا جی۔

ہیرالال: میں نے اپنی محنت سے پیدا کی ہے۔

رَسِک لال: ہاں باوا جی۔ میں کب کہتا ہوں کہ حجامت کرکے پیدا کی ہے۔

ہیرالال: اس لیے اب تم ہاں باواجی، ہاں باوا جی کرکے چوہے کی طرح میری جیب نہیں کتر سکتے۔ روپیہ کھوکر مجھے سمجھ آگئی ہے۔ آج سے میرے گھر کی چوکھٹ کے اندر پاؤں رکھو گے تو میں پولس کے حوالے کردوں گا۔

رَسِک لال: باوا جی۔ سانپ کے منھ میں انگلی نہ دو۔تم بیچارے مکندرام کے مرنے کے بعد جھوٹا تمسک بنا کے اُس کے لڑکے پر جوبیس ہزار کا دعویٰ کررکھا ہے، ابھی پولس میں جاکر اس کا کچا چٹھا کھول دوں گا اور پھر قیدیوں کی سسرال میں اوئی میں مرگیا۔ ہائے میں لٹ گیا کہہ کر اور ناک پر انگلی رکھ کے ناچتے پھرو گے۔

ہیرالال: بدمعاش۔ میں نے تیرے ہی کہنے سے جھوٹا تمسک بنایا۔ واسودیو وکیل کے منع کرنے پر بھی تیرے ہی اُکسانے سے دعویٰ کیا اور اب تو ہی گواہی اور ثبوت دے کر مجھے قید کرائے گا۔

رَسِک لال: قید نہ کراؤں گا تو دنیا مجھے پاجی باپ کا شریف بٹیا کیسے کہے گی؟

ہیرالال: ایسے بیٹے کی ایسی تیسی۔ جا جو ہوسکے وہ کر— اب تیری صورت دیکھنا تو کیا تیری ارتھی جاتی ہوگی تو اُس پر بھی نہ تھوکوں گا۔

رَسِک لال: تو کیا اس کا یہ ارتھ ہے کہ آج سے نہ تم میرے باوا جی اور نہ میں تمھارا بٹیا جی۔

ہیرا لال: جس دن تو ماں کے گربھ سے دھرتی پر آیا، اُسی دن آکاش پر جھاڑو تارا دکھائی دیا۔ محلے کے ایک آدمی کو پاگل کتے نے کاٹ کھایا اور میرے سر پر سے تین مرتبہ اُلّو بولتا ہوا نکل گیا۔ میں تب ہی سمجھ گیا تھا کہ میرے گھر میں لڑکے کے روپ میں بھسما سُر کے اوتار نے جنم لیا ہے۔

(چلا جاتا ہے)

رَسِک لال: سنو سنو باواجی۔ باوا جی۔ ہائے ہائے باواجی تو بگڑ گئے اور وہ بھی اس طرح جیسے مفلس تماش بین سے رنڈی بگڑ جاتی ہے۔ یا غریب بیمار کے گھر سے فیس نہ ملنے پر ڈاکٹر صاحب خفا ہوکر چلے جاتے ہیں۔ شراب بھی پینی ہے۔ رنڈی کی فرمائش بھی دینی ہے۔ ریس بھی کھیلنی ہے۔ لیکن ان سب کے لیے روپیہ چاہیے۔ کہاں سے آئے؟ ہاں، اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔ بھید ظاہر کرنے کی دھمکی دے کر شاردا سے دو چار ہزار اینٹھنے چاہیے۔ اپنی عزّت بچانے کے لیے اُسے دینا ہی پڑے گا۔

(اندر غُل ہوتا ہے)

پہلی آواز: موٹر روکو— موٹر روکو۔

دوسری آواز: ہائے مرگیا— بچارا برہمن دب کر مرگیا۔

رَسِک لال: یہ کیسا شور!— موٹر کے نیچے کون آگیا؟— کوئی آرہا ہے، اس سے پوچھنا چاہیے۔ (ایک آدمی آتا ہے) ٹھہرو— وہاں کیا ہوا؟

آدمی: موٹر کے نیچے ایک بوڑھے برہمن کی ہتیا۔

رَسِک لال: کس طرح؟

آدمی: بچارا برہمن اپنی ودھوا لڑکی کے ساتھ مندر سے پوجا کرکے اپنے گھر جارہا تھا۔ اتنے میں پیچھے سے ایک موٹر دوڑتی ہوئی آئی اور اُس کے پہیے برہمن کے اوپر سے نکل گئے۔

رَسِک لال: موٹر کون گدھا چلا رہا تھا۔

آدمی: میں اُسے نہیں پہچانتا۔ لیکن لوگ کہہ رہے تھے کہ اس کا نام ہیرا لال ہے۔ ایسا منحوس ہے کہ بھوک کے سمے صورت دیکھو تو دن بھر روٹی نہیں ملتی اور ملے تو کھانے کے بعد ہضم نہیں ہوتی۔

رَسِک لال: لوگ ایسا کہتے ہیں؟

آدمی: ہاں مہاشے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ بڑا ہی پاجی اور اس کا بیٹا اس سے بھی زیادہ پاجی ہے۔

رَسِک لال: اچھا۔ رستہ ناپو (آدمی جاتا ہے) واہ باواجی۔ تم نے اپنے ساتھ مجھے بھی سرٹیفکٹ دلوا دیا۔ چل کر دیکھوں— باوا جی دیکھو، یہ دھرماتما بیٹے کا شراپ پھل رہا ہے۔

(رَسِک لال جاتا اور ہیرا لال واپس آتا ہے)

ہیرا لال: شام بابو کو گھر پہنچا کر میری موٹر واپس آرہی تھی۔ مجھے پیدل جاتے دیکھ کر ڈرائیور نے گاڑی روکی۔ میں گاڑی چلانے کے شوق میں ڈرائیور کو ہٹا کر خود اس کی جگہ جابیٹھا اور بریک قابو میں نہ رہنے سے بوڑھا برہمن پہیوں کی بھینٹ ہوگیا۔ کیا ہوگا؟— ہوگا کیا— پیسے کے زور سے ڈاکٹر، پولس، جوری سب کا منھ بند کردوں گا۔ کوئی امیر مرتا تو کوئی دھر پکڑ بھی ہوتی— غریب مرگیا تو مانو موٹر کے نیچے ایک کتّا دب کر مرگیا۔

(مونچھوں پر بل دیتا ہوا جاتا ہے)

ایکٹ تیسرا— سین پانچواں

دیوان خانہ

(دیوار میں واسودیو کی بڑی تصویر لگی ہے، شاردا اس تصویر کو پھولوں کا ہار پہناتی اور کچھ پھول چڑھاتی اور ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے دو زانو بیٹھ جاتی ہے)

شاردا: شما کرو— شما کرو۔ ہے سورگ واسی، پشچاتاپ کی دھک دھک کرتی ہوئی اگنی میں رات دن جلنے والی اَپرادھنی کو شما کرو۔ ناتھ، تمھارا ہردے ایک پریم کی پُستک تھا، جس کا تم نے مجھے کئی بار پاٹھ کرایا۔ کِنتو میں اَبودھ اُس کا گوڑھ رہسیہ نہ سمجھ سکی۔ تمھارے جیتے جی۔ 'تم کیا ہو' یہ نہ جان سکی۔ کِنتو اب تمھیں تمھارے مہامے روپ میں دیکھ رہی ہوں اور تمھارے ہردے پُستک کے اکشر اکشر کا اَرتھ سمجھ رہی ہوں۔ تم منشیہ نہیں، دیوتا تھے۔ میں نے اس جیون میں تمھیں آشیرواد کی طرح پایا تھا اور پاپ کے وش ہوکر سورگ کی طرح کھودیا۔

(رَسِک لال کا آدمی آتا ہے)

آدمی: آپ کے نام یہ چٹھی ہے۔

شاردا: چٹھی کس نے بھیجی؟

آدمی: رَسِک بابو نے۔

شاردا: رَسِک کی چٹھی۔ وہ سانپ جو ایک بار ڈس چکا، کیا پھر ڈسنا چاہتا ہے؟— لا— (پڑھنے کے بعد) پانچ ہزار روپے مانگتا ہے اور اس نیچ کُتے کے آگے چاندی کی ہڈیاں نہ پھینکوں تو بدنام کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ اُف میرے لیے کہیں سکھ نہیں۔

کہیں شانتی نہیں۔ سنسار نرک بن گیا ہے۔ اس نرک کے دروازے کو توڑ کر کون سے لوک میں بھاگوں۔ میں نشچے آتم گھات کرلوں گی، یا پاگل ہوجاؤں گی۔

(جانا چاہتی ہے)

آدمی: میری چٹھی کا جواب؟

شاردا: جواب— اس دھرتی کے کوڑے کا یہ جواب ہے۔

(چٹھی پھاڑ کر پھینک دیتی اور چلی جاتی ہے، اس کے بعد آدمی کا پرستھان اور کشور کا پرویش)

کشور: کھانا، پینا، ہنسنا، بولنا، ملنا، سب کچھ چھوڑ دیا، اور جب اس اُداسی اور تیاگ کا کارن پوچھتا ہوں تو جواب میں کیول ہونٹ ہل کر رہ جاتے اور آنکھوں کے دونوں کناروں پر آنسو کی دو موٹی موٹی بوندیں دکھائی دیتی ہیں— ماں، ماں۔ میری آرادھیہ دیوی۔ تمھارے ہردے میں کیا ویدنا ہے جسے مکھ سے کہہ بھی نہیں سکتیں اور سہن بھی نہیں کرسکتیں— یہ پھٹی ہوئی چٹھی کس کی؟— کیا لکھا ہے؟ (جوڑ کر چٹھی پڑھتا ہے) ''مجھے روپیوں کی بہت سخت ضرورت ہے۔ اس لیے میں تمھارا بھید تمھارے ہاتھ بیچنا چاہتا ہوں— یدی اپنے پاپ پر پردہ پڑا رکھنا چاہتی ہو، تو سوریہ است ہونے سے پہلے پانچ ہزار روپے میرے پاس بھیج دو۔ نہیں تو کل سارا شہر جان جائے گا کہ بوڑھے واسودیو کی مرتیو کا کارن شاردا۔ دیا بھی جارنی۔ جسے میں شردھا اور بھگتی سے ماں کہہ کر پکارتا تھا، وہ اَستی۔ سمجھا، اب سمجھا۔ یہی پاپ کالیما تھی جو اس کے مکھ پر دُکھ کی چھایا بنی رہتی تھی۔ آہ پتا جی— پتا جی۔ آپ نے کیا بھول کی؟— جب آپ جانتے تھے کہ سوکھے، مرجھائے ہوئے درخت پر بسنت کی کویل بسیرا نہیں بناتی— جب آپ جانتے تھے کہ ایک بوڑھا آدمی، کنیا کے ماں باپ کو روپیہ دے کر کنیا مول لے سکتا ہے، کنتو کنیا کے ہردے کا پریم مول نہیں لے سکتا، تب آپ نے وردھ اوستھا میں چودہ پندرہ برس کی کنیا سے کیوں ووّاہ کیا؟— اس بڑھاپے کے بیاہ سے ناری

کا ستیہ، آپ کا جیون، میرا سُکھ، کل کی مریادا، جو کچھ تھا، سب ناش ہوگیا۔

(شاردا واپس آتی ہے)

شاردا: کیا کروں؟ پاجی نے دھمکی کی تلوار گلے پر رکھ دی ہے۔ نہ اسے گلے سے ہٹا سکتی ہوں اور نہ اس کی دھار کُند کرسکتی ہوں— کون؟— کشور۔

کشور: ناگن۔

شاردا: کشور۔ اتنے آشچریہ کے ساتھ مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟

کشور: دیکھ رہا ہوں کہ جگت کی وستوؤں میں سے تم کون وستو ہو؟

شاردا: اس کا ارتھ؟— میں منشیہ ہوں۔

کشور: اور؟

شاردا: استری ہوں۔

کشور: اور؟

شاردا: تمھارے سورگیہ پتا کی ودھوا اور تمھاری وماتا ہوں۔

کشور: چندن سے سُگندھ، سوریہ سے تیج، دھرم سے سچائی الگ کر دو تو چندن کیول ایک سادھارن لکڑی سوریہ بجھا ہوا کوئلہ اور دھرم جھوٹ بیچنے کی دکان رہ جاتا ہے۔ کیا تم گن نشٹ ہوجانے پر بھی گُنی کو پہلے نام سے پکار سکتی ہو؟

شاردا: نہیں۔

کشور: تب تم ابھی تک اپنے کو منشیہ، استری اور ماتا کیوں سمجھ رہی ہو؟ تم نے اپنے اندر سے منشیتا نکال کر پھینک دی، اس لیے منشیہ نہیں ہو۔ لاج کھودی، اس لیے استری نہیں ہو اور ماتا کا گورونشٹ کردیا اس لیے ماتا نہیں ہو۔

شاردا: تم ہی بول رہے ہو یا میرے کانوں کو دھوکا ہورہا ہے۔ کیا پُتر ماتا سے یوں ہی باتیں کرتے ہیں؟

کشور: سرشٹی کی ساری بھاشاؤں میں مہاپوتر اور مہا تیجسوی دو ہی شبد ہیں۔ ایک ایشور اور دوسرا ماتا۔ تم نے پہلے کو بھلا دیا اور دوسرے کو کلنکت کردیا۔ تم جیسی پاپنی

کو ماں کہنا، ماتا کے مہامئی شبد کا اپمان کرنا ہے۔

شاردا: جیسے کوئی بارود کے ڈھیر میں جلتی ہوئی دیا سلائی پھینک دے، اسی طرح تمھارے ہونٹوں سے آگ کی چنگاریاں اُڑ رہی ہیں— اُس اُتیجنا کا کارن؟

کشور: کارن؟ تم۔

شاردا: میں؟

کشور: ہاں۔

شاردا: پرمان؟

کشور: (پھٹی ہوئی چٹھی دکھا کر) یہ۔

شاردا: رَسِک کی چٹھی۔ بس۔ کھیل سماپت ہوگیا۔ سچ ہے جیسے ڈوبے ہوئے آدمی کی لاش پانی کو چیرتی ہوئی دریا کی گہرائی سے اوپر آجاتی ہے، ویسے ہی پاپ لین آتما کا کلنک بھی اوپر کے اندھیرے کو ہٹا کر ایک دن ضرور پرکٹ ہوجاتا ہے۔

کشور: کیوں— اس پاپ کی دستاویز کو پڑھنے کے بعد بھی تم منشیتا کی عدالت میں، ماں کی پدوی پر اپنا ادھیکار ثابت کرسکتی ہو— کیا ماں کا یہی دھرم ہے۔ کیا ناری نے منشیہ کے جیون میں وِش گھولنے ہی کے لیے جنم لیا ہے۔ پاپنی کیا کروں؟ تجھے ماں کہہ چکا ہوں اور گرو، گئو، برہمن اور ماتا پر ہاتھ نہیں اُٹھایا جاتا۔ نہیں تو جیسے پھونک مار کر چراغ بجھا دیتے ہیں، ویسے ہی گلا گھونٹ کر تجھے یہیں شیش کردیتا۔

شاردا: کشور۔ نشچے میں ٹھوکر اور دھکار کے یوگیہ ہوں، کنتو دھرم اور ایشور جانتا ہے کہ میں ستیہ سے ڈگمگائی مگر پاپ کے گڑھے میں نہیں گری۔ سمجھ کھوئی، کنتو پتی ورت دھرم نہیں کھویا۔ یدی دیوی نہیں تو دانوی بھی نہیں ہوں۔

کشور: ٹھگنی۔ جیسے میرے سرل ہردے پتا کو ٹھگا تھا، ویسے ہی مجھے بھی ٹھگنا چاہتی ہے۔ کیسا آشچریہ ہے کہ اس جگت میں ہزاروں دھرمی، پروپکاری، منگل مے پرشوں کی مرتیو ہورہی ہے اور تیری جیسی پاپنی کی اب تک مرتیو نہ ہوئی۔ کیا کھانے کے لیے زہر، جلنے کے لیے آگ، بھونکنے کے لیے چھری، پھانسی کے لیے رسّی، آتم ہتیا کا کوئی اُپائے نہ تھا جو بے شرمی سے ابھی تک جی رہی

ہے۔ یدی لاج ہو تو اب بھی بول کہ مروں گی اور مرجا۔

شاردا: مرنا ہی ہوگا۔ دُکھ اور اپمان کے ساتھ جینا، جینا نہیں۔ اس لیے آج ہی مروں گی۔لیکن مرنے سے پہلے مجھے پاپ کا پرائشچت کرنا چاہیے۔ جاؤ۔ سرکاری وکیل، پولس اور ان کے آچکنے کے بعد دروازے پر کھڑے ہوئے رَسک لال کو بلاؤ۔

کشور: کیوں؟

شاردا: سرکاری وکیل اور پولس کے ساتھ کمرے میں چھپ کر میری باتیں سنو۔ سننے کے بعد اِس کیوں کا اُتر مل جائے گا۔

کشور: آج کا ہنستا ہوا دن کیول مجھے رُلانے کے لیے آیا تھا۔

(جاتا ہے)

شاردا: جیون راتری آگئی۔ دُکھ، بھے، چنتا سے چھڑانے والی میٹھی نیند کی آشا میں چتا شیّا پر سونے جارہی ہوں۔ اس نیند سے بھی کرموں کا پھل بھوگنے کے لیے جاگنا ہوگا-- نہیں جانتی۔ کہاں جاگوں گی؟ سُورگ میں یا نرک میں؟

(پولس کے سپاہی، افسر اور سرکاری وکیل آتے ہیں)

سرکاری وکیل: بھگنی، آپ کی اِچھا نوسار کشور نے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔

پولس افسر: کیا آگیا ہے؟

شاردا: آپ لوگ نیائے کے سیوک اور رکشک ہیں-- اور اپرادھی کو دنڈ دلانا اور نراپرادھی کو بچانا آپ کا کرتویہ ہے۔

سرکاری وکیل: نشچے۔

شاردا: ایک چھن میں رَسک لال یہاں آئے گا، آپ لوگ کمرے میں چھپ کر ہم دونوں کی باتیں سنیے اور پھر وِویک اور دھرم کے انوسار نیائے کی سہایتا کیجیے۔

پولس افسر: سمجھ گیا۔

(شاردا کے اشارے پر سب الگ الگ کمروں میں چھپ جاتے ہیں۔کشور کا پرویش)

کشور: سرکاری وکیل اور پولس کے آدمی آگئے؟

شاردا: ہاں۔ اور رَسِک لال؟

کشور: وہ بھی آرہا ہے۔

شاردا: آڑ میں ہوجاؤ۔ (کشور دوسرے کمرے میں جاتا ہے) آرہا ہے، آج دھرتی کے کندھوں سے پاپ کے دو بوجھ اُتر جائیں گے۔

(رَسِک لال کا پرویش)

رَسِک لال: نتھنوں سے سانس کے بدلے دھواں نکل رہا ہے، مانو میرے سامنے جوالامکھی پہاڑ کھڑا ہے۔ جو زور کی گرج کے ساتھ آگ بھبکتا ہوا مجھ پر پھٹ پڑے گا۔

شاردا: بیٹھو۔ تمھیں دنیا میں دھرم، سورگ کچھ نہیں چاہیے۔ کیول روپیہ چاہیے، خون کرکے ملے، چوری کرکے ملے اور چاہے جگت کا سرو ناش کرکے ملے۔ کیوں؟

رَسِک لال: ہاں۔ روپیہ ہی میرا دھرم اور روپے سے جو سکھ ملے وہی میرا سورگ ہے۔ روپے کے لیے میں کسی پاپ کو پاپ نہیں سمجھتا۔

شاردا: تمھاری اس چٹھی سے پرکٹ ہوتا ہے کہ عدالت میں جس پتر کو پڑھ کر میرے سوامی کی مرتیو ہوئی، وہ بھی تم ہی نے لکھا تھا۔

رَسِک لال: ہوگا — میں نہیں جانتا۔

شاردا: تب نوٹوں کی چوری، شیو دیال کا خون اور مجھے دھمکا کر بسنت کے نام خط لکھانے کا حال بھی نہ جانتے ہوں گے — نیچ آج تو شاردا کے سامنے نہیں، اپنی موت کے سامنے کھڑا ہے، سویکار کر کہ جو کچھ کیا اور جو کچھ ہوا، سب جانتا ہوں۔

رَسِک لال: کیا تم مجھے دھمکا کر ہاں بلانا چاہتی ہو؟

شاردا: ہاں۔ میں دھمکانے کی شکتی رکھتی ہوں۔

رَسِک لال: شکتی — کون سی؟

شاردا: (ٹیبل کی دراز سے پستول نکال کر) یہ۔

رَسِک لال: یہ کیا؟

شاردا: پاجی۔ اُس دن تیرے ہاتھ میں چمکتی ہوئی چھری تھی اور آج میرے ہاتھ میں بھرا ہوا پستول ہے۔ اُس دن تو نے چھری کے دُوارا مجھے ڈرا کے نوٹوں کے ساتھ بسنت کو چٹھی بھجوائی تھی اور آج میں اس پستول کے دُوارا تیرے ہاتھوں سے کیے ہوئے پاپ کا تیرے منھ سے سویکار کراؤں گی۔

رَسِک لال: پاسا پلٹ گیا۔ ناری بھینکر ہوگئی۔ اب یہاں سے نکل جانا چاہیے۔

(جانا چاہتا ہے)

شاردا: خبردار۔ زمین پر گڑے ہوئے پتھر کی طرح کھڑا رہ، چور، خونی، تو ابھی تک ایشور کے کوپ سے بچا۔ لیکن آج میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا۔ اپنا پاپ سویکار کر یا مر۔

رَسِک لال: ناری۔ کیا تو پاگل ہوگئی ہے۔ اس دھمکی کا کیا اَرتھ ہے؟

شاردا: یہ ایک ناری اور ایک راکشس کا دوندو یُدھ ہے اور میں اس یُدھ میں تجھے پراجے کرانا چاہتی ہوں۔ بول۔ اُس دن تجوری سے نوٹ کس نے چوری کیے تھے؟

رَسِک لال: بسنت نے۔

شاردا: شیودیال کا خون کس نے کیا؟

رَسِک لال: بسنت نے۔

شاردا: تب سمجھ گئی کہ تو اِس لوک میں نہیں اُس لوک میں سچ بولے گا (پستول دکھا کر) پاجی۔ مر۔

رَسِک لال: ٹھہر ٹھہر۔ بولتا ہوں۔

شاردا: تو بول۔ چوری اور خون کا واستوِک اَپرادھی کون ہے؟

رَسِک لال: وہ۔ وہ۔

شاردا: پاجی۔ (پستول دکھاتی ہے) پاجی۔

رَسِک لال: مَ۔مَ۔ میں۔

شاردا: تب پولس اور عدالت کے سامنے جھوٹی ساکشی دے کر نِرپرادھ بسنت کمار کو

کیوں اَپرادھی ٹھہرایا؟

رَسِک لال: مجھے اپنے کو چوری اور خون کے آروپ سے بچانا اور ساتھ ہی بسنت سے اپنے پہلے اپمان کا بدلہ لینا تھا۔

(کشور غصے میں باہر نکل آتا ہے)

کشور: کُتے۔ کیا تیرے لیے نرک میں جگہ نہیں، جو ابھی تک دنیا کی چھاتی پر بوجھ بنا ہوا ہے۔

رَسِک لال: یہ کہاں چھپا تھا؟ سمجھ گیا۔ راکشسی، تو نے مجھے دھوکا دیا۔ رسک بھاگ۔''

(رَسِک بھاگتا ہے۔ سرکاری وکیل نکل کر روکتا ہے)

رَسِک لال: اور بھی۔ پہلے ہی سے جال بچھا رکھا تھا۔

(دوسری طرف بھاگتا ہے، پولس افسر نکل کر روکتا ہے۔)

افسر: بس۔

رَسِک لال: اُف قسمت نے سب رستے بند کردیے۔

افسر: اصل مجرم کو باندھ لو۔

(سپاہی رَسِک کو پکڑتے اور رَسِک افسر کا پستول چھین کر شاردا کو ماردیتا ہے)

رَسِک لال: مرنا ہی ہے تو تجھے مار کر مروں گا۔

سرکاری وکیل: آہ— دوسرا خون۔

شاردا: پاپ کے پیالے کا پہلا ہی گھونٹ میٹھا ہوتا ہے۔ شما۔ پتی دیو— شما۔

(مرجاتی ہے)

ایکٹ تیسرا ـــ سین چھٹا

ہیرا لال کا آفس

ہیرا لال: آشچریہ سے چونک پڑا اور ڈر سے سوکھ گیا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کان کے پاس توپ کا گولا چھٹنے سے سویا ہوا آدمی چیخ مار کر اُچھل پڑتا اور آگ کے نزدیک جا کر ہرا پتہ مرجھا جاتا ہے۔ پولس کہتی ہے کہ اُسے پھانسی کی سزا ہوگی۔ کیا یہ سزا ہے؟ نہیں۔ کیونکہ رَسِک خود ایک دن پھانسی کی سزا کو عدالت کی دیا بتاتا تھا۔ اچھا عدالت کو دیا ہی کرنے دو۔ شیر کے منھ میں آدمی کا خون لگ چکا ہے۔ وہ جیتا رہا تو روپیوں کے لیے ایک دن میرا بھی خون کرڈالے گا۔

(نوکر آتا ہے)

نوکر: شریمان، وہ وِدھوا برہمنی۔ جس کا بوڑھا باپ آپ کی موٹر کے نیچے دب کر مرگیا تھا۔ کچھ کہنے کے لیے آئی ہے۔

ہیرالال: کیا کہنا چاہتی ہے؟

نوکر: وہ ودھوا، اناتھ، غریب اور نراشرے ہے۔ اس لیے آپ سے کچھ سہایتا مانگنے آئی ہوگی۔

ہیرالال: سہایتا۔ اور کتنی سہایتا؟ جیوری نے تو اس کے باپ کی موت کو اکسیڈنٹ ٹھہرا کر مجھے ایک روپیہ جرمانہ بھی نہیں کیا، پھر بھی میں نے دیا کرکے ایک نہیں، دونہیں، ایک دم پچاس روپے اس کے پاس بھیج دیے تھے۔ کیا پچاس روپے کی رقم ایک غریب کی جان کی پوری قیمت نہیں ہے۔

(وِدھوا مرنالنی کا پرویش)

مرنالنی: کیا!— کیا!! ایک بوڑھے برہمن کی جان کی قیمت پچاس روپیہ۔ وہ برہمن جسے شاستر ہندو جاتی کا دیوتا کہتے ہیں۔ اُن کی جان اس وید پُران کی بھومی میں اتنی سستی ہوگئی؟ کیوں؟ اس لیے کہ برہمن جاتی کا اپمان کرنے والوں کو دنڈ دینے کے لیے اب برہمنوں میں کوئی پرشو رام جیسا جنم نہیں لیتا۔ اس لیے کہ آج کل کے برہمن دتا تریے رشی کی طرح شراپ دے کر بھسم کرنے کی شکتی نہیں رکھتے۔

ہیرالال: میرے پاس پُرانوں کی کتھا سننے کا سمے نہیں ہے، بول کیوں آئی ہے؟

مرنالنی: کیا تم ہندو ہو؟

ہیرالال: نشچے۔

مرنالنی: تمھارا ہردے بھی ہندو ہے؟

ہیرالال: ارتھات؟

مرنالنی: جیسے انار کے سخت چھلکے کے اندر رس اور مٹھاس سے بھرے ہوئے دانے ہوتے ہیں ویسے ہی یدی تم ہندو ہو، تو چاہے ہردے کتنا ہی کٹھور ہوگیا ہو، تو بھی اس کے اندر دیا کا بھاؤ نشچے ہوگا۔ میرا بھائی، ماں، پتی کوئی نہیں ہے۔ کیول ایک پالن پوشن کرنے والا پتا تھا، تم نے اُسے بھی مجھ سے چھین لیا۔ اب ہندو ہو تو اس نراشرے ودھوا برہمنی کی رکشا کرو اور راکشس ہو تو جیسے پتا کو مار ڈالا، ویسے ہی بٹی کو بھی مارڈالو۔

ہیرالال: جس راستے پر امیروں کی گاڑی اور موٹر دوڑتی ہیں، اُس راستے پر غریبوں کو چلنے کا کیا کام ہے؟ تیرا پتا اپنی بیوقوفی سے مرا ہے— جا— ایک غریب کے لیے پچاس روپے بہت ہوتے ہیں اور ایک پیسہ بھی نہ دوں گا۔

مرنالنی: تمھارے پچاس روپیوں سے میرے دکھی جیون کے کے دن کٹیں گے؟ لاج، دھرم اور ستیہ کے ساتھ ہندو ودھوا کا جیون بتانے کے لیے مجھے کیول برس

میں چار موٹے کپڑے اور سانجھ سویرے میں ایک بار دو مٹھی اَنّ چاہیے۔ یہ روپیہ نہیں چاہیے۔

(روپیے آگے پھینک دیتی ہے)

ہیرالال: آشچریہ۔ اتنی غریب اور اتنی نرلوبھ۔

مرنالنی: دیکھو۔ ادھر دیکھو۔ ہمالے پروت کی مہانتا برف سے ڈھکی ہوئی اونچی چوٹیوں سے نہیں ہے۔ اس بات میں ہے کہ اس سے ہزاروں ندیاں نکل کر دھرتی کے اُجاڑ اور بنجر ٹکڑوں کو پرپھلت بناتی ہیں۔ اسی طرح دھنوان کی بڑائی دھن میں نہیں، دان میں ہے۔ یہ ودھوا اَناتھ برہمنی بھی اَنّ اور آشرے کا دان مانگنے آئی ہے۔ دیا کرو۔ ہندو دھنوان۔ دُکھیا کا آشیرواد لو اور دیا کرو۔

ہیرالال: بس۔ یہ اناتھ شالہ یا ودھوا آشرم نہیں، میرا آفس ہے۔ یہاں جائیداد اور روپیے کا لین دین ہوتا ہے۔ آشیرواد اور دیا کا لین دین نہیں ہوتا— چلی جا— نہیں تو میں چابک مار کر باہر کردوں گا۔

مرنالنی: چابک مارو گے۔ کس اَپرادھ پر؟ اسی اَپرادھ پر کہ تم نے میرے بوڑھے پِتا کو اپنی موٹر کے نیچے کچل دیا اور میں رو کر رہ گئی۔ اس اپرادھ پر کہ تم نے میرا سروناش کردیا اور میں نے تمھارے ناش کے لیے ابھی تک ایشور سے پرارتھنا نہیں کی۔

ہیرالال: ہاں۔ اسی اپرادھ پر۔

مرنالنی: تب مارو۔ مارو۔ غریبوں کو مار ڈالنا ہی دھنوانوں کا دھرم ہے تو مارو اور ایشور کے کرودھ کو جو غریبوں کی ہاہاکار سے نہیں جاگتا، اپنے چابک کی پھٹکار سے جگا دو۔

ہیرالال: دھن اور بل کے سوا اس جگت کا کوئی ایشور نہیں ہے— ہے۔ تو اُسی کے پاس جا۔ اپنی پرارتھنا لے کر— نہیں جاتی— کھڑی ہے— تب چابک کی مار ہی سے جائے گی۔ (چابک مارتا ہے) حرام زادی۔ نکل۔

مرنالنی: آہ۔

ہیرالال: اور لے۔ (پھر مارتا ہے) اور لے۔

مرنالنی: او ماں۔

ہیرالال: (چابک مارتے ہوئے) اور ایک۔

مرنالنی: بس پاپی۔ بس۔ اس دیا مے جگدیشور نے تجھے پاپ کا پرائشچت کرنے کے لیے پورا سمے دیا تھا۔ کنتو اب نہیں دیں گے۔ اب نہیں شما کریں گے۔ یدی ایشور ہے، دھرم ہے، پاپ پنیہ کا نیائے ہے۔ ستی کے شراپ میں ستیہ کا تیج ہے، تب آج رات کا سویرا ہونے سے پہلے تیرے سمست سُکھ، سمپتّی اور شکتی کا سروناش ہوجائے گا۔ تیرے جیون کے باقی دن دُکھ کے اندھیرے نرک میں بیتیں گے اور تیری مرتیو پھانسی کے تختے یا جیل کی کوٹھری میں ہوگی۔

ہیرا لال: (کوڑا پھر مارتے ہوئے) منھ بند کر۔

مرنالنی: جگدیش کہاں ہو۔ چانڈال— پاشان۔

(روتی ہوئی جاتی ہے۔ پڑوسیوں کا آنا)

ایک: مہاشے۔ آپ کے گھر میں پرلے آگئی اور آپ ابھی تک یہیں ہیں؟

ہیرالال: کیا ہوا؟

ایک: آپ کی اِستری گھر کی تیسری منزل سے سر کے بل نیچے گری اور گرتے ہی مرگئی۔

ہیرالال: مرگئی!

ایک: ہاں۔ (خود سے) جو بہوویں اپنی دھرماتما ساسوں کو دُکھ دیتی ہیں۔ اُن کی یہی دُرگتی ہوتی ہے۔

ہیرالال: ماتا سنسار تیاگ کر بندرابن چلی گئی۔ پتنی چتا پر چلی اور پُتر چند دن کے بعد پھانسی کے تختے پر جائے گا۔ اب رہ گیا میں اور میرا دھن— سب کو جانے دو۔ مجھے جگت میں ماتا، پُتر، پتنی، کوئی نہیں چاہیے۔ کیول دھن چاہیے۔

(دوسرا پڑوسی آتا ہے)

دو: مہاشے۔ میں آپ کے وکیل کی طرف سے آپ کے لیے۔۔۔

ہیرالال: کوئی خبر لایا ہے؟

دو: ہاں۔ آپ نے جس تمسک کے دوارا مکند رام کے لڑکے پر بیس ہزار کا دعویٰ کر رکھا تھا، وہ تمسک عدالت میں جھوٹا ثابت ہوا اور آپ کی ہار ہوگئی۔

ہیرالال: تمسک جھوٹا ثابت ہوا۔ ہاتھ میں آئے ہوئے روپے ہاتھ سے نکل گئے— نا— نہیں نکل سکتے— میں اپیل کروں گا۔ دولت میں بڑا بل ہے۔ یہ جھوٹ کو بھی سچ بنا سکتی ہے۔

(تیسرا آدمی آتا ہے)

تین: مہاشے۔ مہاشے۔

ہیرالال: کیا تو بھی کوئی بھیانک خبر لایا ہے۔

تین: سیموئل بینک، جس میں آپ کا روپیہ جمع تھا، ابھی خبر ملی کہ ایک دم فیل ہوگیا۔

ہیرالال: کیا! کیا!! بینک فیل ہوگیا!!!

تین: جی ہاں۔ بینک کے دروازے پر دیوالے کی نوٹس لگ گئی۔

ہیرالال: نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ تیرے کانوں نے تجھے دھوکا دیا۔ اس بینک میں میرا جیون۔ میری آشا۔ میرا بھوشیہ۔ میرے پورے اَسّی لاکھ روپے جمع ہیں— نکل جا— تو جھوٹ بول کر مجھے پاگل بنانے آیا ہے— (آدمی جاتا ہے)— ہردے کانپ رہا ہے۔ کان سائیں سائیں کر رہے ہیں۔ سنسار اندھیرے میں لین ہوتا جارہا ہے۔ کیا بینک فیل ہوگیا؟ یدی یہ خبر سچ ہے تو— تب۔ ایک گھنٹے بعد میں کیا ہوں گا؟ دھنوان یا بھکاری؟— بھکاری— راستے کا بھکاری۔

(نوکر کا پرویش)

نوکر: سروناش۔ سروناش۔

ہیرالال: اب اور کیا؟

نوکر: آپ کی استری چھت سے گر کر مرگئی اور اُس کی مرتیو کے تھوڑی دیر بعد نہ جانے کس طرح گھر میں آگ لگ گئی اور سب کچھ جل گیا۔

ہیرالال: ہائے کیا گھر میں آگ لگ گئی— سب جل گیا؟

نوکر: ہاں۔ راستے پر بھیک مانگنے کے لیے ایک برتن بھی نہیں رہا۔

ہیرالال: ہا— سکھ کا سمندر، جس میں سونے چاندی کی لہریں اور ہیرے موتی کے بلبلے ناچ رہے تھے، سوکھ گیا— سپنے کا سامراجیہ سماپت ہوگیا— آ— وِدھوا برہمن پُتری اپنے شراپ کا پھل دیکھنے کے لیے واپس آ— تونے کھائل، ٹوٹے، دُکھی ہردے سے کہا تھا کہ آج رات کا سویرا ہونے سے پہلے ہی تیرا سب کچھ نشٹ ہوجائے گا— ہے ودھوا ہندُ وَستی۔ وہی ہوا— قسمت کی ایک ہی پھونک سے جو کچھ تھا، دُھول کی طرح اُڑگیا۔

(مورچھت ہوکر گر پڑتا ہے)

ایکٹ تیسرا — سین ساتواں

جیل

(بسنت کمار اور پیتامبر قیدیوں کے ساتھ کام کررہے ہیں)

بسنت کمار: سمے کا پکشی دن رات کے کالے پر لگا کر اُڑا جارہا ہے۔ اس لیے پیتامبر میرے لیے دُکھی نہ ہو، یہ قید کے چودہ برس چودہ دن کی طرح گزر جائیں گے — اور رہائی کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ ہم ایک بھیشن سوپن دیکھ کر جاگ اٹھے ہیں۔

پیتامبر: پربھو۔ اُپرادھ کے کارن اور میرے بڑھاپے کا وچار کرکے مجسٹریٹ نے مجھے کیول ایک مہینے کی سزا دی تھی، جس کا آج آخری دن ہے۔ لوگوں کو جیل سے چھوٹنے کی خوشی ہوتی ہے اور میرا دل آپ کو دُکھ کے اتھاہ ساگر میں چھوڑ کر جاتے ہوئے ٹکڑے ٹکڑے ہوا جارہا ہے۔

بسنت کمار: جاؤ، پیتامبر جاؤ۔ دُکھیا سرسوتی کو شانتی دو اور اناتھ منورما کی رکشا کرو۔ یدی ایشور رکشک، سنتوش اور دھیریہ ساتھی ہیں تو جیل میں بھی اسی طرح سکھی رہوں گا جیسے ماتا کے گربھ میں بچّہ رہتا ہے۔

(جیلر آتا ہے)

جیلر: بسنت کمار۔ تمھیں چوری اور خون دو چیزوں میں چودہ برس جیل ہوا تھا، لیکن تمھارا بےقصور ہونا ثابت ہوگیا۔ اس لیے سرکار کے حکم سے میں تمھیں رہا کرتا ہوں۔

بسنت کمار: کیا کہا۔ کیا کہا۔ میں جاگتا ہوں یا سوپن میں آپ کی آواز سُن رہا ہوں۔

جیلر: تمھاری طرح میں بھی سرکاری حکم پڑھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وشواس کرو اور خوش ہو۔ تم سچ مچ رہا کیے گئے۔

بسنت کمار: تب چوری اور خون کا اَپرادھی کون ثابت ہوا؟

جیلر: خود ہیرا لال کا لڑکا رَسِک لال۔

بسنت کمار: کون؟ پاجی بدمعاش رَسِک؟

پیتامبر: واہ واہ، کیسا شبھ سماچار۔ کیسا آنند۔ یہاں گھنگھرو نہیں ہیں۔ نہیں تو پیروں میں باندھ کر ابھی ناچنا شروع کر دیتا۔

جیلر: ہاں کام چھوڑ دو اور دفتر میں آؤ۔

(جیلر جاتا ہے)

بسنت کمار: جگدیش۔ تمھارا نام دیا ہے۔ آخر تم نے دیا کی۔

پیتامبر: پربھو۔ ایک دن میں نے دکھی ہوکر کہا تھا کہ دنیا میں نہ نیائے ہے، نہ ایشور، لیکن آج پرمانت ہوگیا کہ نیائے بھی ہے اور ایشور بھی ہے۔

ایکٹ تیسرا — سین آٹھواں

ہیرالال کا آفس

ہیرالال: دھرم کو ٹھکراتے، سماج کو کچلتے، دوسروں کے سکھوں اور آشاؤں کو روندتے ہوئے جیون پربت کی اونچی چوٹی پر برسوں میں پہنچے اور چھن بھر میں سر کے بل نیچے آپڑے۔

(رَسک لال ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنے پولس کے ساتھ آتا ہے)

رَسک لال باوا جی نمسکار۔ آپ کا سپوت آپ کے درشنوں کے لیے آگیا۔

ہیرالال چور خونی۔ - میرے گھر میں تیرا کیا کام ہے؟ جیل اور پھانسی سے بچنے کے لیے میری سہایتا مانگنے آیا ہے؟

رَسک لال دیالو مہاشے۔ جب آپ تین تین بار بلانے پر بھی حوالات کی کھڑکی سے بیٹے کو جھانکنے تک نہ آئے تو سہایتا کیا کریں گے، بھینس انڈے نہیں دیا کرتی۔ آپ سے آشا وہی کرے جو آپ جیسا بیوقوف ہو۔

ہیرالال تب پولس کے ساتھ یہاں آنے سے تیری کیا غرض ہے؟

رَسک لال: کیول پتا سیوا۔ میں کاشی یاترا کو جارہا ہوں۔ وچار ہے کہ پنیہ کمانے کے لیے باوا جی کو بھی ساتھ لیتا چلوں۔

ہیرالال: بس جس گرہ سے میری اور تیری ڈور بندھی ہوتی تھی، وہ کھل چکی۔ تیری نسوں میں میرے خون کی ایک بوند بھی دکھائی نہیں دیتی، اس لیے مجھے باپ کہہ کر نہ پکار۔

رَسک لال: بہت اچھا۔ اب سے بٹیا کہہ کر پکاروں گا۔

انسپکٹر: مکند لال کا تمسک، جس کی پیٹھ پر روپیوں کی بھرپائی لکھی ہوئی ہے، تمھارے آفس کی تجوری میں موجود ہے۔

ہیرالال: عدالت میں جو تمسک پیش کیا گیا، اُس کے سوا میرے پاس اور کوئی تمسک نہیں ہے۔

رَسِک لال: باوا جی۔ ارے نہیں بیٹے جی۔ مرنے میں ڈھائی گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اب آخری وقت تو سچ بولو۔

ہیرالال: تو کیا پولس کو تو نے ہی خبر دی ہے کہ میرے پاس اصلی تمسک موجود ہے۔

رَسِک لال: گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ میرے سوا اور کون ایسی نالائقی کرسکتا ہے۔

ہیرالال: تو ماں کے دودھ کا قرضہ۔ باپ کو ہونٹوں کے زہر سے ادا کر رہا ہے—— انسپکٹر صاحب یہ جھوٹ بکتا ہے۔

رَسِک لال: آفس کی کون سی تجوری اور تجوری کے کون سے خفیہ خانے میں اصلی تمسک رکھا ہے۔ یہی بتانے اور جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے تو میں یہاں آیا ہوں۔ سمجھے باوا جی۔ ارے نہیں بٹیا جی۔

انسپکٹر. (سپاہیوں سے) جاؤ۔ تلاشی لو۔

رَسِک لال. پورب کی طرف بہی کھاتے لی الماری کے پیچھے جو پرانی تجوری رکھی ہے، اسی کے نچلے خانے میں تمسک دھرا ہوا ہے—— نہ ملے تو مجھے بلا لینا۔

انسپکٹر: (ہیرالال سے) سپاہیوں کو چابی دو۔

ہیرالال: یہ ظلم ہے۔ ایک بھدر نگر واسی کا اپمان ہے۔ میں انسپکٹر جنرل اور پولس کمشنر سے رپورٹ کرکے تمھیں ڈِس مِس کرادوں گا۔

رَسِک لال: انسپکٹر صاحب۔ اس مہربانی کے شکریے میں جیل کے پھولوں کا گجرا جو میرے ہاتھوں میں لپٹا ہوا ہے، انھیں بھی پہنا دیجیے۔

انسپکٹر: ہیرالال۔ جھوٹا تمسک بنانے کے جرم میں عدالت نے تمھاری گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا ہے۔ میں دھوکے اور جعل کے اَپرادھ میں تمھیں گرفتار کرتا ہوں۔ (سپاہیوں سے) ملزم کو ہتھکڑی لگاؤ۔

(دو سپاہی ہیرالال کو ہتھکڑی پہناتے ہیں)

رسک لال: پہن لو باوا۔ یہ خوبصورت چوڑیاں پہن لو۔ انسپکٹر صاحب، چوڑیاں پہنائی ہیں تو ناک میں نتھ پہنا کے اوپر سے اوڑھنی بھی اُڑھا دیجیے۔ پھر میرے باوا پر سارا جیل خانہ عاشق ہوجائے گا۔

ہیرالال: کل کے کلنک۔ ستیاناسی کے اوتار۔ میں نے بھول کی جو تجھے پیدا ہوتے ہی نہ مارڈالا۔ دو منھے سانپ۔

(گلا دبانے کو دوڑتا ہے)

رسک لال دیکھ باوا جی۔ ہاتھ پیر کی دگی ٹھیک نہیں۔ نہیں تو اسی جگہ اٹھا کر دھوبی کی لادی کی طرح دھم سے دے ماروں گا۔

افسر تلاشی کے لیے ملزم کو اندر لے چلو۔

ہیرالال کلجگ کی سنتان۔ تو نے باپ کو ہتھکڑی پہنائی ہے۔ تیرا کبھی منگل نہ ہوگا۔

رسک لال اب منگل، بدھ، سنیچر، سب جیل میں ہوا کریں گے۔ چلو— وہاں بھی چین سے کٹے گی— تم سم پر سر ہلایا کرنا اور میں تسلے پر تال دے کر گایا کروں گا۔ کیا گاؤں گا؟ سنو گے— کان پھٹپھٹا ڈالو۔

(گاتا ہے)

میرے پیارے پتا۔
گھسیارے پتا۔
آجا تجھے ڈالوں جیل میں۔
جیل کے اندر۔ بندر، مچھندر۔
دونوں چلے دھکا پیل میں۔

(افسر اور سپاہی رسک اور ہیرا لال کو لے کر اندر جاتے ہیں)

ایکٹ تیسرا— سین نواں

منورما اور کشور کا وواہ

(بسنت کمار، کشور، پیتامبر، سرکاری وکیل، منورما، تلسا
اور مہمان اُپستھت ہیں)

بسنت کمار: پیارے کشور، ایشور نے تمھیں سدگن دیے، گرو نے وِدیا دی، سورگیہ پتا نے دھن دیا۔ میں تمھیں پران سے اَدھک پیاری منورما— اور اس کے جہیز میں اپنا ہارِدک آشیرواد دیتا ہوں۔ تمھارا پریم دھرم کی طرح سچا اور تمھارا جیون گنگا کی طرح پوِتر ہو۔

—سماپت—

بھیشم پرتگیا

بھیشم پرتگیا (1923)

آغاحشر نے یہ ڈراما میڈنس تھیٹرز لمیٹڈ کمپنی کے لیے 1923 میں لکھا تھا۔ اس کی کہانی مہابھارت سے ماخوذ ہے۔ اس کا شمار آغاحشر کے ان ڈراموں میں ہوتا ہے جنھیں بے انتہا عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ وہی ڈراما ہے جس پر آغاحشر اپنے انتقال کے وقت فلم بنا رہے تھے۔ ڈاکٹر محمد شفیع نے اپنے تحقیقی مقالے ''آغا حشر کاشمیری اور ان کے ڈراموں کا تنقیدی مطالعہ'' میں اسی عنوان کا ایک اشتہار چھاپ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ڈراما آغا حشر کا نہیں ہے۔ لیکن آغاحشر کے ذخیرے اس کے جو تین مسودے دستیاب ہوئے ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ڈراما آغاحشر ہی کی تصنیف ہے۔ دراصل یہ وہ زمانہ تھا جب پارسی اسٹیج اپنی مقبولیت کی انتہا پر تھا اور ہر ڈراما کمپنی اس مقبولیت کا فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ پیسہ کما لینا چاہتی تھی۔ اس وجہ سے جو ڈراما زیادہ مقبول ہوجاتا تھا، اسی نام سے دوسرے بھی کئی ڈرامے وجود میں آجاتے تھے۔ کمپنیوں کے اسی رویے نے ڈاکٹر محمد شفیع کو گمراہ کیا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے، آغا حشر کے ذخیرے سے اس ڈرامے کے تین قلمی مسودے دستیاب ہوئے ہیں۔ پہلا مسودہ فولز کیپ سائز کے کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ یہ چار الگ الگ کاتبوں کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن کسی بھی کاتب کا نام یا تاریخ کتابت کہیں درج نہیں۔ پہلے صفحے پر ڈرامے کا نام بھیشم پرتگیا (بھیشم پتامہ) لکھا ہوا ہے۔ مسودے میں جگہ جگہ پنسل سے اصلاح اور ترمیم وتنسیخ کی گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اصلاح خود آغاحشر کے ہاتھ کی ہے۔ مسودہ صاف ستھرا ہے لیکن کاغذ بہت خستہ حالت میں ہے۔ اس کلیات میں شامل متن اسی مسودے کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔

دوسرا مسودہ مجلد کاپی کی شکل میں ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر اردو، ہندی اور انگریزی میں بھیشم پرتگیا تحریر ہے۔ کاتب کا نام انگریزی میں ایم این گجراتی اور پتہ معرفت ایم اے صمد اینڈ سنز، بک سیلرز، سیدواڑہ، سورت، بی بی اینڈ سی آئی ریلوے (بی جی) لکھا ہے۔ مسودے کے آخر میں C by M N Gujrati تحریر ہے، تاریخ 8.4.49 پڑی ہے اور مقام کتابت کلکتہ درج ہے۔ متن کی تیاری کے دوران اگر کسی جگہ پہلے مسودے کے کسی لفظ یا عبارت کو سمجھنے میں دقت پیش آئی ہے تو اس مسودے سے بھی مدد لی گئی ہے۔

تیسرا مسودہ آغا جانی کا تحریر کردہ ہے۔ اس کے سرورق پر ڈرامے کا نام ''بھیشم پرتگیا، مصنف جناب آغا حشر کاشمیری، انڈین شیکسپیئر مرحوم و مغفور مدظلہ'' لکھا ہے۔ اس کے بعد نقل کنندہ آغا جانی کشمیری از بمبئی اور تاریخ 20/ جنوری 1954 درج ہے۔ یہ مسودہ مجلد کاپی میں منقول ہے اور اچھی حالت میں ہے۔

پاتر پریچے

پُرش پاتر:

1۔	شنکر بھگوان	
2۔	شری کرشن	
3۔	بسوگن	آٹھ دیوتا
4۔	وششٹھ منی	
5۔	پرشو رام	بھیشم کے گرو
6۔	شانتنو	ہستناپور کے راجا
7۔	دیوورت	بھیشم
8۔	وچترویریہ	
9۔	کاشی راج	
10۔	شالو راج	
11۔	راجا گن	مختلف راجا
12۔	دھیور	ستیہ وتی کے پتا
13۔	ارجن	پانڈو
14	یدھشٹر	پانڈو
15۔	بھیم	پانڈو
16۔	نکل	پانڈو
17۔	سہدیو	پانڈو
18۔	دریودھن	
19۔	شکونی	
20۔	دُشاشن	
21۔	شکھنڈی	

اِستری پاتر:

1۔ گنگا	ایک دیوی
2۔ ستیہ بھاما	کرشن کی پتنی
3۔ رکمنی	،
4۔ امبا	کاشی راج کی پتر یاں
5۔ امبالیکا	
6۔ امبیکا	
7۔ ستیہ وتی	دھیور کی پتری

— داسی، آدی

سپاہی۔ درباری آدی

باب پہلا — سین پہلا

مُنی وَششٹھ کا آشرم

وششٹھ: کرم پرواہ من کا سوکشم آتما اور استھول شریر کے سنگ سمبندھ کا نام مانوی جیون ہے۔ ان کی رَکشا کرنا ہی جیون کی رکشا ہوتی ہے۔ کِنتو دونوں کے پالن اور اُنتی کے الگ الگ اُپائے ہیں۔ شریر کو بل دو اور آتما کو اپنا گیان دو۔

(مُنی وششٹھ کا جانا اور دیوتا گن کا آنا)

بسو شکتی۔۔ شکتی۔ استری ہی جگت کی سب سے بڑی شکتی ہے (اپنی استری سے) تمھارا روپ وشنو کا سدرشن چکر ہے۔ تمھاری کڑوی درشٹی شیو کا ترشول ہے اور تمھارے آنسوؤں کی بوندیں اندر کا وَجر ہیں۔

بسوپتنی: ارتھات۔

بسو: پُرش برچھی اور کھانڈوں کے گھاؤں کو پھولوں کا ہار سمجھ کر پہن سکتا ہے۔ شترو کے سینا ساگر میں طوفانی لہر کی طرح اکیلا اُلٹ پلٹ کرسکتا ہے۔ کِنتو سندر استری کے بگڑے ہوئے تیوروں کے سامنے وہ اس کا ابھیمان، اس کا بل، اس کا گورو، سب شستر ہار مان لیتے ہیں۔

بسوپتنی 2: تو ہم استریاں کیا کریں۔ برہما نے پریم کے بھاگیہ ہی میں لکھ دیا ہے کہ وہ روپ کے درشن کرتا رہے۔

بسو2: پریتمے۔ سنو۔ سنکپات ادستھاؤں اورمہموں میں دھیرے دھیرے اُنتی کرتا ہوا منشیہ جنم پاتا اور منشیہ جیون میں کام، کرودھ، موہ، لوبھ اتیادی.....

بسوپتنی 3: وہ دیکھو ناتھ، اُدھر دیکھو۔ آہا کیسی سندر۔ ایسا پرتیت ہوتا ہے کہ منی راج کے تپو بل کے پرتاپ سے وشنو کے شیر ساگر نے گئو روپ دھارن کرلیا ہے۔ پریم سے بڑھو...... کیا سوچ رہے ہو؟

بسو3: وہی جو تم ایک چھن بھی سوچنا نہیں چاہتی۔ لوٹ چلو پریے۔ لوٹ چلو۔ مجھے اس سندر گئو کے پیچھے بھیشن پرینام کی کالی چھایا دکھائی دے رہی ہے۔

بسوپتنی 2: دیوتا ہوکر ایک رشی کا اتنا بھے۔ آشچریہ۔

بسو: کنتو اپنی استریوں کو پرسن کرنے کے لیے دیوتا گن وششٹھ کی گائے چرانے آئے ہیں، یہ بات اس سے بھی آشچریہ جنک ہے۔

بسوپتنی2: تو کیا وہ آوازیں ہم نے جاگرت سوپن میں سنی تھیں — تھوڑی دیر پہلے روٹھ جانے پر، گلے میں بانہیں ڈال کر ان اُپدیش والے ہونٹوں سے کیا وچن دیا تھا — دھیان کرو — دھیان کرو — وہ سادھارن منشیہ کا وچن نہ تھا، دیوتاؤں کا وچن تھا۔

(گانا)

بسو: سمجھ گیا۔ تم کبھی نہ مانوگی۔ اچھا دیوی، تمھاری ہٹ کی جے ہو۔ چپ ہوجا۔ ناری آلنگن کے ابھیلاشی ہاتھوں کو کام کرنے دے۔ (رسی کھول کر) ناری اچھا پوری ہوئی — کنتو یہ کیا کیا۔ ایسا گیات ہوتا ہے کہ آشرم کا پتہ پتہ چور چور کہہ کر چلا رہا ہے۔ نکل چلو — بھر اتر گن۔ نکل چلو — پریم اور روپ دونوں مل کر بھی رشی کے شراپ سے نہیں بچا سکتے۔

(تمام دیوتاؤں کا اپنی استریوں کو لے کر جانا۔ منی وششٹھ کا آنا)

وششٹھ: جیسے ایکانت میں کھیلتا ہوا بالک کسی وستو سے بھے بھیت ہوکر اپنی ماتا کو پکارتا ہے ویسے ہی سہما یہ جان پڑا کہ میری پریہ نندنی مجھے پکار رہی ہے — نندنی، پتری یہ کیا — کہاں گئی — نگینے پر کھودے ہوئے اکشر کے سمان گیلی دھرتی پر کسی کے پاؤں کے چنھ دکھائی دے رہے ہیں۔ کیا کوئی ساہسی

دُشٹ نندنی کو چرا لے گیا۔ (دوّیہ درشٹی سے دیکھ کر) دیکھ لیا— ٹھہر جاؤ۔ تم چوری کر کے وشِشٹھ کی نندنی کو لیے جا رہے ہو۔ ورِدّھ وشِشٹھ کے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے نکلے ہوئے شراپ کا بوجھ بھی اپنی پیٹھ پر لیے جاؤ (چلو میں پانی لے کر) سنو— جیون مرن کا دُکھ بھوگنے کے لیے تم آٹھوں کو منشیہ روپ میں جنم لینا ہوگا۔ جب تک میرا واکیہ پورا نہ ہو، دیولوک کے دوار بند رہیں گے۔ یہی میرا شراپ ہے (ہاتھ سے جل گرا دینا) تتھاستو۔

(آٹھوں بسوگنوں کا گھبرائے ہوئے آنا)

بسوگن: دیا— دیا منی ور— دیا۔

وشِشٹھ: دیا۔ اس مہاپاپ کے لیے۔ نیائے کے پاس نہیں، دھرم کے پاس نہیں اور میرے پاس بھی نہیں۔

بسو: منی ور۔ یہ ہمارا پرتھم اَپرادھ ہے۔ آپ نے اپنی سوابھاوک سہن شیلتا سے کرودھ مورتی وشوامتر کے کتنے ہی انیائے شما کر دیے۔ ہمارا اَپرادھ بھی شما کر دیجئے۔

بسو2: آپ راج رشی وشوامتر کی طرح چھتریہ نہیں ہیں۔ چھتریہ دنڈ دیتا ہے۔ کِنتو وشال ہردے براہمن شما کر دیتا ہے۔

وشِشٹھ: اگیہ، اگیانی، انمت کو شما مل سکتی ہے۔ کِنتو تم دھرم شیشٹی کے گیاتا اور کوتک ہو۔ تمھاری اچھا پورتی، پاپ کو شما کرنا، پاپ کا آدر بڑھانا ہے۔ تمھیں اپنی کرنی کا پھل بھوگنا ہوگا۔ میں شراپ دے چکا، اور میرا شراپ آندھی کے جھونکے، بجلی کی کڑک اور بادل کی گرج کے سمان ایک چھن کی لیلا نہیں، اچل اور اٹل ہے۔ ایسا ہی اچل جیسا ایشور کا نیم۔ ایسا ہی اٹل جیسا کرم کا پریتام۔

(وشِشٹھ کا چلے جانا)

بسو: جو ہوا، یہی ہونا چاہیے تھا۔ جو ایک مسکراہٹ کے لیے، دھنش سے چھوٹے ہوئے بان کے کان اِدھر اُدھر دیکھے بنا استری کے روپ کے چرنوں میں

گر جاتے ہیں۔ اس سندر آدمی کا ایسا ہی بھیشن انت ہوتا ہے۔ ایک ہی بھول نے سب کچھ چھین لیا۔ دھرم بھی، کیرتی بھی اور دیولوک بھی۔

بسو2: یہ کون؟ ماتا بھاگیرتھی۔ آؤ آؤ۔ برہما کے کمنڈل کی شوبھا بڑھانے والی، شیو کی جٹا میں لہرانے والی آتماؤں پر موکش امرت برسانے والی، دیوی گنگا آؤ۔ تمھاری دیا کے سوا اور کوئی ہمارے دکھ کا نوارن نہیں کرسکتا۔ رکشا کرو۔ جننی، مانوی، ہماری رکشا کرو۔

گنگا: ترلوک میں ایسا کون ہے جو دیوتاؤں کی سیوا کو اپنا سوبھاگیہ نہ سمجھے نا۔ کہو بسوگن کیا چاہتے ہو؟

بسو1: اُدّھار۔

گنگا: کس سے؟

بسو2: براہمن کے شراپ سے۔

گنگا: شراپ کا کارن؟

بسو: ہم نے اپنی استریوں کے کہنے سے وششٹھ ی کی کام دھنیو گائے چرالی تھی۔ اس اپرادھ پر رشی نے شراپ دیا کہ تم آٹھوں کو منشیہ لوک میں جنم لے کر جیون مرن کا دکھ بھوگنا ہوگا۔ اب دیوی منداکنی، ہماری پرارتھنا ہے کہ منشیہ لوک میں تم ہماری ماتا بنو اور جنم دینے کے ساتھ ہی ہمیں نشٹ کردو۔

بسو2: اس پرکار براہمن رشی کا شراپ بھی پورا ہوجائے گا اور ہم آٹھوں شیگھر ہی کھوئے ہوئے دیولوک کو پراپت کریں گے۔

گنگا: میں تمھارے اُدّھار کے لیے یہ پرارتھنا سویکار کرتی ہوں۔ کنتو ایک شرط ہے۔

بسو3: وہ کیا؟

گنگا: میں ماتا بننے کے سکھ کا سمپورن تیاگ نہ کروں گی۔ تم آٹھوں میں سے ایک کو میرا پتر بن کر مرتیولوک میں رہنا ہوگا۔

(سب کا چپ ہوکر سر جھکا لینا)

بسو2: دیوی۔

گنگا: بولو کون راضی ہے۔ اپنے بھائیوں کا اُدھار کرنے کے لیے... آٹھوں میں سے ایک بھی اپنے سکھوں کا بلیدان کرنے کو تیار نہیں۔

بسو: کلیانی۔ اپنے بھائیوں کے منگل کے لیے یہ بلیدان میں دوں گا۔

گنگا: کیا دوسروں کے سکھ کے لیے تم اپنے سوارتھ کا تیاگ کرو گے؟

بسو: ہاں، جننی بھاگیرتھی۔ مجھے آشیرواد دو کہ میں منشیہ لوک میں بھی سیوا ہی کو جیون کا سکھ سمجھوں اور پروپکار اور دھرم ہی کا پالن کرتا ہوا مانوی شریر کا تیاگ کروں۔

گنگا: برہما کے شراپ سے مہادھیش نے ہستناپور میں شانتنو کے روپ میں جنم لیا ہے۔ میں ان کی اردھانگنی بن کر دیوتاؤں کا سوارتھ کروں گی۔

سب بسو: دیوی بھاگیرتھی کی جے ہو۔

باب پہلا— سین دوسرا

راجا شانتنو کا راج بھون

شانتنو: روپ کی چھایا پڑتے ہی دویک اتنا دُربل ہوتا ہے۔ ناری کی ٹیڑھی بھوں کے سامنے منشیہ کی سوتنترتا تھرتھر کانپ اٹھتی ہے۔

شیودت: نریندر— استری سویم کو کٹھور بنائے۔ کنتو اُس کا سوابھاوک گن کٹھورتا نہیں ہے۔ رانی کو جننی کا کرتویہ سمجھایا جائے۔ مجھے آشا ہے کہ وہ اس آٹھویں بالک پر نیچھے دیا کریں گی۔

شانتنو: گھور دُکھ سے بیاکُل ہوکر کبھی کبھی اِچھا ہوتی ہے کہ بجلی بھرے بادل کی طرح چھاتی پھاڑ کر گرج اٹھوں کنتو سامنا ہونے پر ہونٹ کیول کانپ کر رہ جاتے ہیں۔ اوہ، میں نے بھی کس سے بیاہ کیا۔ استری کا روپ، دیوی کا تیج، پشاچنی کا سوبھاؤ۔ شیودت بتا سکتے ہو، یہ کون ہے؟

شیودت: آپ جیسے روپ بھگت کے لیے آشیرواد اور آپ کے ونش کے لیے ایک سندر شراپ۔

(داسی کا پرویش)

داسی: (گھبرائے ہوئے) مہاراج، پرجاپال۔

شانتنو: کیوں؟

داسی: دُہائی دھرم کی۔

شانتنو: کیا ہوا؟

داسی: مہارانی اس آٹھویں بالک کو بھی لیے جارہی ہیں۔

شانتنو: کہاں؟

داسی: یم راج کو بھینٹ دینے۔

شانتنو: کیا؟

شیودت: مہاراج شا کی بہن سیما ہوتی ہے۔ یہ سہن شکتی نہیں دُربلتا ہے۔ وہ دیکھیے بالک کو گود میں لیے ہوئے ادھر آرہی ہے۔

(داسی کا جانا)

شانتنو: شانتنو— شانتنو— کیا اس رانی کی طرح تو بھی مرگیا۔ آج ممتا کی پکار کا اُتر دے اور پرمانت کر کہ تو ابھی تک جیتا ہے۔ (بچے کو گود میں لیے ہوئے گنگا کا پرویش) رانی ٹھہرو۔

گنگا: کیوں؟

شانتنو: میں ونے کرتا ہوں۔کنتو نہیں، بہت ونے کرچکا۔ٹھہرو۔میں تمھیں آگیا کرتا ہوں۔

گنگا: اس آگیا کا کارن؟

شانتنو: مجھ سے پوچھتی ہو۔ میں کہوں گا تو شبد روئیں گے۔ بھاشا دکھ سے چیخ اٹھے گی۔ سنسار استریوں کو ماتا، جننی، جگدمبا کہنا چھوڑ دے گا۔ رانی۔ وہ گن جن کے تیج سے سرشٹی کے مکٹ میں ہیرے کے سمان چمکتی ہے۔ وہ گن جنھیں دیکھ کر برہم رشی تک استری کو دیکھ کر نمسکار کرتے ہیں۔ ان سب گنوں میں سے ایشور نے تمھیں کیول ایک روپ دیا ہے اور کچھ نہیں۔

گنگا: مہاراج— یہ کیسے جانا؟

شانتنو: تمھارے وچتر سوبھاؤ سے۔

گنگا: ارتھات؟

شانتنو: تم میری آنکھوں کے سامنے میرے سات پتروں کو جل میں ڈبانے کے لیے لے گئیں اور میں پتر سنیہہ کے طوفان کو ہردے میں دبائے ہوئے پتھرائی

آنکھوں سے یہ رکت رنجت درشیہ دیکھتا رہا۔ کنتو اب میں اس آٹھویں بالک کو نہ لے جانے دوں گا۔ سن لیا— یہ میرا اٹم نرنے ہے۔

گنگا: نہ لے جانے دیجیے گا؟

شانتنو: ہاں۔

گنگا: کس ادھیکار سے؟

شانتنو: پتا ہونے کے ادھیکار سے۔

گنگا: بالک پر پتا سے ماتا کا ادھیکار اُدھک ہوتا ہے۔

شانتنو: جس پرکار ماتا کا ادھیکار زیادہ ہے، اسی پرکار سنتان پر پتا کی اَپیکشا ماتا کا سنیہہ بھی اُدھک ہوتا ہے۔تم نے ماتا ہونے کا اب تک کون سا کرتویہ پورا کیا ہے جو اپنے کو ماتا کہتی ہو۔

گنگا: میں نے اپنے کرتویہ کا پالن کیا یا نہیں، یہ بات دیوتا گن جانتے ہیں۔ کنتو سمرن کیجیے۔ دواہ ہونے سے پہلے آپ نے مجھے وچن دیا تھا کہ میں تمھاری کسی اِچھا اورکسی کاریہ میں رکاوٹ نہ بنوں گا۔ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے وچن نہیں دیا تھا۔

شانتنو: نشچے وچن دیا تھا، کنتو یہ نہیں جانتا تھا کہ تم بھی کیکیئی کی طرح پُتر ہتیاری نکلو گی اور پرتگیا بدّھ مہاراج دشرتھ کی طرح مجھے بھی پُتر ویوگ میں ہائے ہائے کرتے ہوئے جیون سماپت کرنا ہوگا۔ راج چھوڑ سکتا ہوں، پراپت کی ہوئی کیرتی چھوڑ سکتا ہوں، جیون کی سمست آشائیں چھوڑ سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ تمھیں بھی چھوڑ سکتا ہوں، کنتو جب تک بھی ادھیکار ہے، اس نردوش بالک کو تمھاری دیا پر نہیں چھوڑ سکتا۔

گنگا: مہاراج۔ لیش کا پھل پانے کے بعد پرتگیا ورکش کو کبھی کبھی آنسوؤں سے بھی سینچنا پڑتا ہے۔ جان لیا آپ کا وچن پتھر کی لکیر نہیں، جل کی لہر پر سوارتھی لیکھنی سے لکھا ہوا اکشر تھا۔

شانتنو: منشیہ اپنی پرکرتی اور شکتی سے ادھک بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ پرتگیا بھنگ ہوجانے

پر پرلوک چھن جائے۔ کیے ہوئے پنیہ کرم نسپھل ہوجائیں، کِنتو جب تک کسی دیوتا کا شراپ مجھے مشیہ سے پتھر نہ بنا دے، میں اب ان آنکھوں سے سنتان ہتیا کا درشیہ نہیں دیکھ سکتا۔

گنگا: نہیں؟

شانتنو: نہیں۔

گنگا: سوچ لیجیے۔

شانتنو: سوچ چکا ہوں۔

گنگا: اچھا تو آج آپ کی پرتگیا، میرا اور آپ کا سمبندھ دونوں بھنگ ہوگئے۔ راجیندر سنیے۔ نندنی گائے چرانے کے کارن وششٹھ منی نے آٹھ بسو گنوں کو گربھ سے مشیہ جنم لینے کا شراپ دیا تھا اور انھوں نے مجھ سے ماتا بننے اور جنم دیتے ہی جیون سے مکت کردینے کی پرارتھنا کی تھی۔ آپ کے جن سات بالکوں کا میں نے جل وسرجن دیا، وہ بالک نہیں، سات بسو تھے۔

شانتنو: میرے پتر بسوگن تھے؟

گنگا: اور یہ بالک آٹھواں بسو ہے۔ میں اپنے سنیہہ کی چھایا میں اس کا پالن کروں گی، دیوتاؤں سے اور رشیوں سے شاستر ودیا اور شستر ودیا کی شکشا دلانے کے بعد یہ سرشٹی کا امولیہ رتن واپس دے جاؤں گی۔ یہ پتا بھکت، پتروں میں آدرش پتر اور بھارت کے ویروں میں ایک آدرش کرم ویر ہوگا۔

شانتنو: اور تم— تم؟

گنگا: میں ہمانو رشی کی کنیا گنگا ہوں۔

شانتنو: کیا شِشیہ پاونی، پاپ ناشنی گنگا؟

گنگا: راجیندر اب میں وداع ہوتی ہوں۔ تمھارے دیش کی جے ہو۔

شانتنو: ٹھہرو دیوی۔ گنگے— گنگے۔

(گنگا دھرتی میں انتردھیان ہوجاتی ہے)

باب پہلا — سین تیسرا

دھیور کے گھر کا دروازہ

دھیور: بس بس۔ میں نے نرنے کرلیا۔ جیسے اس کا باپ پاجی تھا ویسے ہی وہ بھی پاجی ہے اور اُسے پاجی نہ سمجھوں تو میں بھی پاجی۔

ستیہ وتی: پتا جی — کیا ہوا؟

دھیور: ٹیڑھی بھویں، پھولے ہوئے نتھنے، لال لال آنکھیں دیکھ رہی ہو اور پھر بھی پوچھتی ہو کہ پتا جی کیا ہوا۔ ارے میرا بھیجا کرودھ کی اگنی سے چولھے پر چڑھی ہوئی کھچڑی کی طرح پھد پھد پک رہا ہے۔ میں غصے میں ہوں، غصے میں۔

ستیہ وتی: اس غصے کا کارن؟

دھیور: یہ بھی ٹھیک۔ کیا بنا کارن غصہ نہیں آتا۔ کوئی غریب بلی کسی آدمی کا راستہ کاٹ کر سامنے سے نکلی تو وہ اس بلی کو گالی دینے لگتا ہے۔ بتاؤ، اس بلی نے اپنی دم مار کر اس کی ناک ٹیڑھی کردی تھی جو اس آدمی کو غصہ آگیا۔ ایک استری اپنے پتی سے لڑتی ہے۔ وہاں سے آکر آگ نہ جلنے پر چولھا توڑ دیتی ہے۔ اب بولو چولھے نے اس کے منھ پر راکھ جھونک دی تھی جو اس استری کو غصہ آگیا۔ چھینکنے، اونگھنے اور غصہ کرنے کے لیے کارن کی ضرورت نہیں۔

ستیہ وتی: تو بنا کارن ہی غصہ ہو رہے ہو؟

دھیور: کہہ تو دیا کہ بنا کارن بھی غصہ آسکتا ہے۔ کِنتو میں بھدر پرش ہوں، اس لیے کرودھ سے پہلے کارن کو کان پکڑ کر پاس بٹھا لیتا ہوں۔ تمھیں بولو۔ جس دن اس گرام کی دھیور جاتی نے پنچایت کرکے مجھے راجا کی پدوی دی تھی، یا

دی ہے، اس دن سے مجھے سب لوگ کیا کہہ کر پکارتے ہیں؟

ستیہ وتی: پہلے چودھری کہتے تھے، اب دھیور راج کہہ کر پکارتے ہیں۔

دھیور: تو اب پاجی پن دیکھو۔ میری راج پدوی کا اپمان کرنے کے لیے سنگرام سنگھ ٹھاکر کا لڑکا جب ملتا ہے مجھے چودھری ہی کہہ کر پکارتا ہے۔ اب سمجھی کہ میں کیوں غصے میں ہوں۔

ستیہ وتی: پتا جی، وہ تمھیں دُکھ دینے میں اپنا سکھ سمجھتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ تم بڑے ہو شما کردو۔

دھیور: کیا شما کردوں۔ یدی ہم کسی چلتے بیل کی دم پکڑ کر کھینچ لیں تو کیا وہ ہمارے پیٹ میں سینگ اتار دینے کے بدلے ہمیں شما کردے گا۔ یدی ہم کسی آدمی کے سر کی پگڑی اتار کر پاؤں کی دھول پونچھنے لگیں تو کیا وہ ہمارے بدن کی دھول جھاڑے بنا شما کردے گا؟ جن لوگوں کے پاس بدلہ لینے کی شکتی نہیں ہے، اُن کے سوا کوئی کسی کو شما نہیں کرتا۔ اس لیے میرا ڈنڈا بھی اس کھوپڑی کو کبھی شما نہیں کرے گا۔

ستیہ وتی: پتا جی گھرنا سے گھرنا اور پریم سے پریم بڑھتا ہے۔ ہم شترو بن کر کسی کو اپنا متر نہیں بنا سکتے۔

دھیور: گاؤں کے پنڈت جی سے دھرم کی کتھائیں سن سن کر باپ کو بھی اُپدیش سنانے لگی۔ یہ اُپدیش چولھے کے پاس بیٹھ کر کڑا ہی کو سنانا کیا گھاٹ جارہی ہے؟

ستیہ وتی. ہاں۔ پتا جی۔

دھیور: چھوری۔ امریش پوجا کر کے میں آیا ہوں۔ بھوجن تیار ہے؟

ستیہ وتی: جی، پتا جی۔

دھیور: یدی بھوجن اچھا ہو تو روٹی کے ساتھ غصہ بھی ہضم ہوجائے گا۔ (جاتا)

ستیہ وتی: پنڈت جی سچ کہتے تھے۔ جیو اور جینے دیں۔ اتنی موٹی سی بات سمجھ لیں تو یہ سنسار ہی ان کے لیے سورگ ہوجائے گا۔

(گاتا)

باب پہلا— سین چوتھا

ندی کا کنارا

(ستیہ وتی ناؤ کھیتی ہوئی آتی ہے اور کنارے پر اتر کر ایک پتھر سے ناؤ باندھ دیتی ہے۔ دوسری کشتی میں راجا شانتنو اور شیودت نظر آتے ہیں۔)

شیودت: نریندر آپ کسے دیکھ رہے ہیں؟

شانتنو: اُدھر دیکھو— دیکھا؟

شیودت: دیکھا مہاراج۔

شانتنو: کون ہے؟

شیودت: ایک اتی سندر ناری۔

شانتنو: یہ ناری ہے؟— نا۔ برہما بھی آ کر کہیں تو بھی میں اسے ناری نہ مانوں گا۔

شیودت: ناری نہیں تو پھر یہ چولی ساڑی پہنے کسی گندھرب کا لڑکا ہوگا؟

شانتنو: گندھرب کیا اتنے روپ وان ہوتے ہیں؟

شیودت: تب کوئی اپسرا ہوگی۔

شانتنو: اپسرا کے مکھ پر کیا ایسا تیج ہوتا ہے؟

شیودت: تب کوئی بھوتنی ہوگی۔

شانتنو: چپ رہو۔ تم ایک سندری کے روپ کا اپمان کر رہے ہو۔

شیودت: سمجھ گیا— پھسل گئے— مہاراج پھسل گئے۔

شانتنو: ملاحوں سے کہو کہ ناؤ کنارے لگاؤ۔

شیودت: (خود سے) مہاراج تو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے بھوکا بنگالی رس گلے کو دیکھتا ہے۔

(راجا شانتنو کشتی سے اتر کر ستیہ وتی کے پاس آتے ہیں)

شانتنو: سندری، تم کون ہو؟

ستیہ وتی: میں اس گاؤں کے دھیور راج کی کنیا ہوں۔

شانتنو: تمھارا نام؟

ستیہ وتی: گاؤں کے لوگ مجھے متسیہ گندھا اور پتا جی ستیہ وتی کے نام سے پکارتے ہیں۔

شانتنو: ستیہ وتی— شیودت، کیسا میٹھا نام ہے۔

شیودت: بہت میٹھا— نام لیتے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گنڈیری کھا رہے ہیں۔

شانتنو: رمنی— یدی اپنے رنگ روپ سے اس دھرتی کو پرکاش مان ہی کرنا تھا تو کسی راج بھون کی شوبھا بڑھائی ہوتی۔ ایک مچھلی پکڑنے والے دھیوراج کے گھر میں کیوں جنم لیا۔

ستیہ وتیہ: جنم دینے والے برہما جی کی اچھا۔

شانتنو: پھول کا جنم گھورے پر۔ شیودت، دیکھا برہما جی سے کتنی بڑی بھول ہوئی۔

شیودت: برہما کی، اس کی، کسی کی بھول نہیں ہے۔ یہ اس کے باپ کا اَپرادھ ہے۔

ستیہ وتی: میرے باپ نے کیا اَپرادھ کیا ہے؟

شیودت: ضرور اَپرادھ کیا ہے۔ کوئل کا پتا کوّا نہیں ہوتا۔ ایک دھیور کو تم جیسی روپ وتی کا پتا بننے کا کیا ادھیکار ہے۔

شانتنو: سوریہ۔ چندرما کی آنکھوں نے بھی ایسا روپ نہ دیکھا ہوگا۔ سندری کیا تمھارا بیاہ ہو چکا ہے؟

ستیہ وتی: بیاہ!

شیودت: چپ کیوں ہوگئی۔ کہہ دو۔ جوان لڑکی اور پوجا کی مٹھائی گھر میں نہیں دھری رہتی۔ وواہ نہیں ہوا تو آپ کی دَیا سے ہوجائے گا۔

ستیہ وتی: سمجھ گئی— آپ کو ٹوکا نہیں چاہیے۔

(ستیہ وتی جانے لگتی ہے)

شانتنو: سندری ٹھہرو— تمھارے ہاتھ جمنا کی مچھلیوں پر جال ڈالتے ہیں۔ تمھاری موہنی آنکھ نے میرے ہردے پر جال پھینکا ہے۔ میں جال کے پھندوں کو اپنی پوری شکتی سے بھی نہیں توڑ سکتا— چندر مکھی۔

ستیہ وتی: مہاشے، آپ کیا چاہتے ہیں؟

شانتنو: وہ دیکھو۔ کنارے کی طرف دیکھو۔ جیسے وہ جل سے کھیلتی ہوئی نو کا پتھر سے بندھی ہوئی ہے، ویسے ہی میں اپنے جیون کو تمھارے جیون کے ساتھ بیاہ کے بندھن سے باندھنا چاہتا ہوں۔

شیودت: مہاراج۔ جوان لڑکی چاہے اور کچھ نہ سمجھے لیکن بیاہ شبد کا ارتھ جھٹ سمجھ جاتی ہے۔ کنتو ایک بات مجھ بیوقوف کو سمجھا دیجیے۔

شانتنو: کیا؟

شیودت: آپ چھتریہ شودر۔ پھر دونوں بیٹھ کر بیاہ کی تھالی میں پریم کے لڈو کیسے کھا سکتے ہیں؟

شانتنو: پریم کی آنکھیں روپ اور گن دیکھتی ہیں۔

شیودت: ٹھیک ہے۔ کھانے سے مطلب۔ مصری اور گڑ دونوں ہی میٹھے ہیں۔

شانتنو: (ستیہ وتی سے) تم نے اُتر نہیں دیا؟

ستیہ وتی: اس بات کا اُتر میرے پتا دے سکتے ہیں۔

(ستیہ وتی پھر جانا چاہتی ہے)

شانتنو: کہاں چلیں— (ہاتھ پکڑ کر) ٹھہرو۔ تمھیں پریم کو ہاں شبد کی بھکشا دینی ہوگی۔

شیودت: (سائڈ میں) اس کا نام ہے گلے پڑو پریم۔

ستیہ وتی: ہاتھ چھوڑ دیجیے۔ میں و نے کرتی ہوں۔

(دھیور راج کا آنا)

دھیور راج: یہ کیا— دُربل بالیکا پر اتیاچار— دبا دوں گلا— توڑ دوں کھوپڑی۔

ستیہ وتی: پتا جی۔ انھوں نے کوئی اتیاچار نہیں کیا۔

دھیور راج: میں تم سے نہیں اس سے اُتر مانگتا ہوں— جا چلی جا۔ (ستیہ وتی رکی رہتی ہے)

جا— (ستیہ وتی کا جانا) اب بول۔کس بل پر ناری اپمان کی تونے ہمت کی۔

شانتنو: دھیور راج۔ تمھاری آنکھوں نے تمھیں دھوکا دیا ہے۔ میں چھتریہ ہوں اور سچا چھتریہ ہوں۔ دُربل پر اتیاچار— بھاگتے پر وار اور ناری کا ترسکار کبھی نہیں کرتا۔

دھیور راج: ارے آج کل نیائے مورتی مہاراج شانتنو راج کررہے ہیں۔ ان کے راج میں کوئی ناری ترسکار کرکے جیتا بھی کب رہ سکتا ہے۔ چل جوڑ ہاتھ۔ بیٹھ جا دھرتی پر۔ اور بول دھیور راج شما کرو۔

شانتنو: تمھاری یہی اِچّھا ہے کہ میں شما مانگوں— شما مانگنی ہی ہوگی۔

دھیور راج: نہیں مانگتا تو چل مہاراج شانتنو کے دربار میں۔

شیودت: آنکھ کے اندھے نام نین سکھ۔ پہچان۔ یہی سویم مہاراج شانتنو ہیں۔

دھیور راج: کیا کہا! مہاراج شانتنو!

شیودت: جی۔

دھیور راج: ہستناپور کے راجا؟

شیودت: مہا شے۔

دھیور راج: بھارت سمراٹ؟

شیودت: ہاں۔ شریمان۔

دھیور راج: مرگیا باوا۔ مہاراج مجھے دن کو رتوندھی آتی ہے اس لیے آپ کو نہ پہچان سکا۔ شما کیجیے۔

شانتنو: دھیور راج اُٹھو۔ میں پرسن ہوا کہ تمھیں راجا کے نیائے پر وشواس ہے۔

دھیور راج: مہاراج۔ اُٹھ بیٹھوں۔ آپ خفا تو نہیں۔ خفا ہوں تو کہہ دیجیے میں شما نہ ملنے تک پاؤں پکڑے لیٹا رہوں گا۔

شیودت: اٹھو باوا اُٹھو۔ تو ایک سندر کنیا کا پتا ہے۔ اس لیے سات خون معاف ہیں۔

دھیور راج: دھنیہ ہے مہاراج دھنیہ ہے۔ آپ جیسے نیائی ہیں ویسے ہی دیالو بھی ہیں۔

شانتنو: دھیور راج۔ تم اس دیش کے راج بھکت پرجا ہو۔ تمھارا راجا تم سے ایک دان مانگتا ہے۔ کیا تم دان دے سکو گے۔

دھیور راج: نریش۔ مچھلی اور جال کے سوا میرے پاس کیا رکھا ہے جو آپ کو بھینٹ دوں۔ پھر

بھی کمبل، تھالی، لوٹا، چکی، چولھا، جو بھی ہوگا، دے دوں گا۔ کہیے آپ کو کیا دان چاہیے۔

شانتو: کنیا دان۔

دھیور راج: ارتھات؟

شانتو: میں تمھاری کنیا ستیہ وتی کو مہارانی بنانا چاہتا ہوں۔ اپنے راج کی راجیشوری بنانا چاہتا ہوں۔

دھیور راج: میں سمجھا نہیں۔

شیودت: نہیں سمجھے تو سنو۔ سیدھی بھاشا میں سمجھاتا ہوں۔ مہاراج دیا کرکے تمھیں اپنا سسر بنانا چاہتے ہیں۔

دھیور راج: اہاہا۔ راجا کا سسر بننا بھاگیہ میں ہوتا تو دھیور کے گھر میں کیوں جنم لیتا۔ مہاراج آپ مجھ سے نیچ ٹھٹھا کر رہے ہیں۔

شیودت: بڑے مورکھ ہو۔ کہیں جنوائی بھی سسر سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔

شانتو: دھیور راج۔ کیا دھرتی پر بہنے والا پانی بادل بن کر آکاش پر نہیں پہنچ جاتا۔ پھر اپنی کنیا کا رانی بننا کیوں اسمبھو سمجھتے ہو۔

دھیور راج: ہاں۔ بھاگیہ کی کرپا سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ آندھی کی مدد سے راستے کی دھول بھی سورج کے اجالے کو ڈھانک سکتی ہے۔

شیودت: تو پھر راضی ہوجاؤ۔ آج سسر بننے کی مہورت بھی بہت اچھی ہے۔

دھیور راج: اچھا تو ذرا سوچ لوں۔ اونھ سوچنا کیا ہے۔ کنیا کا دواہ تو آخر کرنا ہی ہوگا۔ اچھا مہاراج۔ کنتو۔

شیودت: اس کنتو شبد نے بہت سے بنتے کام بگاڑ دیے ہیں۔ دیکھیں اب اس کنتو کے آگے بولتا کیا ہے۔

دھیور راج: مہاراج۔ ماتا پتا کو کنیا دان سے پہلے بھوشیہ کا بھی وچار کرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ آج بیاہ کرسکتے ہیں۔ کنتو۔

شیودت: ہت تیرے کنتو کی ایسی تیسی۔

شانتو: دھیور راج جھجکو نہیں۔ کہو کنتو کے آگے کیا کہنا چاہتے ہو؟

دھیور راج: تو کہہ ہی ڈالوں۔ اچھا سنیے۔ وواہ ہوسکتا ہے۔ کنتو۔

شیودت: پھر وہی کنتو۔ بولو نا۔ کنتو تمھارا باپ ہے، بھائی ہے، چچا ہے، کون ہے؟ جس کی رائے بنا کہنا نہیں چاہتے۔

دھیور راج: باوا جلدی نہ کرو۔ یہ لڑکی کے وواہ کا معاملہ ہے۔ گھوڑی گدھی نہیں بک رہی ہے۔ ہاں بیاہ ہوسکتا ہے۔ کنتو— کنتو۔ کنتو ایک شرط ہے۔

شیودت: ارے کنتو کے بھیا۔ پرنتو۔ ذرا سوچ سمجھ کر شرط نکالنا۔ نہیں تو راج پتر کے نانا بننے کے بدلے موچی کے موچی رہ جاؤ گے۔

شانتنو: دھیور راج کہو کیا شرط ہے۔

دھیور راج: بیاہ سے پہلے آپ کو وچن دینا ہوگا کہ ستیہ وتی کے گربھ سے جنم لینے والا پتر ہی آپ کا یوراج اور آپ کے بعد ہستناپور کا راجا ہوگا۔

شیودت: میں پہلے کہتا تھا کہ جھگڑے کی فوج کا جھنڈا ہمیشہ کنتو شبد کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مہاراج۔ سن لی سسر مہاراج کی شرط۔

شانتنو: دھیور راج۔ سنسار، سماج اور پرجا کی اچھا نوسار کیول بڑا بیٹا ہی یوراج پد کا ادھیکاری ہے۔ میں اپنے نرنے سے دیوورت کے ہوتے ہوئے چھوٹے بیٹے کو ہستناپور کا راج کیسے دے سکتا ہوں۔ اس لیے کوئی اور وچن مانگو۔

دھیورراج: تو مہاراج۔ اور کسی بھاؤ پر یہ سودا نہیں پٹے گا۔ مانگا ہوا وچن دینے ہی سے کنیا مل سکتی ہے۔

شانتنو: سنو دھیور راج۔ تم سمجھتے ہو کہ ہستناپور کے سنگھاسن پر بیٹھ کر اکیلا شانتنو ہی راج کررہا ہے۔ تم بدھی کی آنکھوں سے دیکھنا چاہو تو اس سنگھاسن کے چاروں کونوں پر تمھیں چار راجا بیٹھے دکھائی دیں گے۔ ایک کونے پر دھرم، دوسرے پر شاستر، تیسرے پر وویک اور چوتھے کونے پر پرجا کی سہمتی۔

دھیور راج: تو.....

شانتنو: ان چاروں میں سے ایک بھی مجھے ایسا انیائے کرنے کی آگیا نہ دے گا۔ اس لیے پھر کہتا ہوں کہ اتنا ہی مانگو، جتنے پر میرا ادھیکار ہے اور جتنا میں دے سکوں۔

دھیور راج: مجھے مانگے ہوئے وچن کے سوا اور کچھ نہیں چاہیے۔

شانتنو: مان، پدوی، دھن؟

دھیور راج: نہیں۔

شانتنو: کوئی جاگیر؟

دھیور راج: نہیں۔

شانتنو: کسی دیش کا راج؟

دھیور راج: نہیں۔

شانتنو: دھیور راج میں تمھارا راجا ہوں۔

دھیور راج: جانتا ہوں۔

شانتنو: آج تک راجا تمھاری رکشا کرتا رہا۔ آج تم راجا کے کرتویہ کی رکشا کرو۔

دھیور راج: راجن۔ جیسے اپنے بڑے پتر کے ادھیکار کی رکشا کرنا آپ کا کرتویہ ہے، ویسے ہی اپنی کنیا اور اُس کی سنتان کے بھوشیہ کی رکشا کرنا میرا دھرم ہے۔

شانتنو: اری آنکھو! یہ تم نے کیا کیا؟ کیا تم نہیں جانتی تھیں کہ استری کا روپ ہی وہ وستو ہے جس کی طرف دیوتاؤں کا بل، راجاؤں کا ابھیمان، گیانیوں کی بدھی، رشیوں کا تپ بھی اپنا تیج کھودینے کے ڈر سے دیکھنے کا ساہس نہیں کرتا۔ پھر تم نے لالسا درشٹی سے اس روپ کی طرف کیوں دیکھا۔ اُس سامنے سے نکل گئے ہوئے روپ کی چھایا کو پتلیوں میں رکھ کر ابھی تک پلکوں سے کیوں چوم رہی ہے؟ وہ ایک مایا کی جھلک تھی، کلپنا کی مسکراہٹ تھی، سوپن کا سوپن تھی۔ اچھا دھیور وداع ہوتا ہوں۔ اس جمنا کے تٹ پر من، پران، دیہہ، سکھ، ہنسی، شانتی، سب کچھ لے کر آیا تھا اور اب کیول پران اور شونیہ شریر لے کر جارہا ہوں۔ راستہ دکھائی نہیں دیتا — شیودت۔ مجھے سہارا دو۔

(لڑکھڑا کر شیودت کے کاندھے پر ہاتھ دھرتا ہے۔ دھیور آشچریہ سے اس کی اور دیکھتا ہے)

باب پہلا — سین پانچواں

راج بھون

(راجا شانتنو بیٹھا ہے۔ اُس کے سامنے شیودت کھڑا ہے)

شانتنو: کیا کروں۔ کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ ساگر کی لہروں نے ہی ساگر کو زنجیر بنا کر باندھ رکھا ہے۔ آٹھ دن سے لگاتار آنکھ اور من سے وِنے کررہا ہوں کہ وہ بھولنے کی چیز نہیں ہے، پھر بھی اسے بھول جاؤ۔ لیکن نہیں بھولتے۔ اُف کتنا دکھ — میں نہیں جانتا تھا کہ پریم میں اتنی جلن ہوتی ہے۔

شیودت: تو مہاراج۔ آدمی دوکشتیوں میں پاؤں رکھ کر پار نہیں ہوسکتا۔ یدی آنکھ، دل استری کا پریم نہیں چھوڑ سکتے تو پھر آپ کو پُتر اور نیائے کا دھیان چھوڑ دینا چاہیے۔

شانتنو: پُتر اور نیائے کا دھیان اُس وقت تیاگ سکتا ہوں، جب میں یہ سمجھ لوں کہ میرا شریر بھوگ ولاس کے لیے، ہونٹ نیائے کو گالیاں دینے کے لیے، پاؤں دھرم کو ٹھوکر مارنے کے لیے ہیں۔ نہیں شیودت، جب تک میں اپنے آپ کو نہ بھول جاؤں، اپنا کرتویہ نہیں بھول سکتا۔

(دیوورت کا آنا)

دیوورت: بھارت کے آدرش سمراٹ کا راج اُجّھل ہو۔ داس پوجیہ چرنوں میں پرنام کرتا ہے۔

شانتنو: بٹیا دیوورت، تم جیسے وِیر، وِدوان، دھرمی، دیش بھکت سنتان کو دیکھ کر میری چھاتی پُتر ابھیمان سے پھول اُٹھتی ہے۔ میں آشیرواد دیتا ہوں کہ تمھارا نام

امر اور تمھارا جیون سکھی ہو۔

دیوورت: پتا جی۔ آپ نے مجھے سکھی رہنے کا آشیرواد دیا ہے۔کنتو میرا شریر آپ ہی کے شریر سے بنا ہے۔ اس لیے میں تب ہی سکھی ہوسکتا ہوں، جب آپ سکھی ہوں۔ جس پتر کے ہوتے پتا سکھی نہیں، اس پتر کو جگت کیا سورگ میں بھی سکھ نہیں مل سکتا۔

شانتنو: اس کا ارتھ دیوورت؟

دیوورت: پتا جی۔ جیسے بادل میں اونچائی ہو، گرج ہو، چمک ہولیکن پانی نہ ہو۔ ایسے ہی آپ کے چہرے پر راج تیج دکھائی دیتا ہے لیکن اس تیج میں ہردے کا سکھ دکھائی نہیں دیتا۔

شانتنو: دیوورت۔ شریر سیوا چاہتا ہے، ہونٹ مزا چاہتے ہیں، ناک خوشبو چاہتی ہے، کان میٹھی راگنی چاہتے ہیں، آنکھیں سندر درشیہ چاہتی ہیں۔ اس چاہنے کا نام ہی لالسا ہے۔ جہاں لالسا ہوگی وہاں دُکھ ضر ر ہوگا۔ میرا وہ دکھ— نا— نہیں کہوں گا— نہیں کہہ سکتا۔ یہ آگ میں نے ہی جلائی ہے۔ اس آگ میں، میں ہی اکیلا جلوں گا۔

(شانتنو جاتا ہے اور دیوورت سر جھکائے سوچتا ہے)

دیوورت: یہ دکھ سادھارن دُکھ نہیں جان پڑتا۔ شیودت جی۔ تم دیہہ کی چھایا کی طرح سدا پتا جی کے ساتھ رہتے ہو۔ بتاؤ۔ بتاؤ۔ پتا کو کیا دُکھ ہے؟

شیودت: مہاراج ایک ناؤ کھینے والے دھیور کی روپ وتی کنیا پر موہت ہوگئے ہیں۔

دیوورت: موہت۔

شیودت: تمھیں آشچر یہ ہوا۔ اس سے بڑھ کر آشچر یہ کی بات یہ ہے کہ وہ دھیور آپ کے پتا سے اپنی کنیا کے بیاہ کرنے کے لیے راضی نہیں ہے۔

دیوورت: راضی نہیں۔ اس کی کنیا بھارت کی رانی بنے، اس سے بڑھ کر وہ دھیور اپنے بھاگیہ سے اور کون سی کرپا چاہتا ہے۔

شیودت: وہ چاہتا ہے کہ مہاراج کے بعد آپ کے بدلے اس کی کنیا کا پُتر ہستناپور کا راج سنگھاسن سنبھالے۔

دیوورت: اور پتا جی نے اُس سے کیا کہا؟

شیودت: نہیں مانا اور نہ راج دھرم اور پتا دھرم انوسار وہ مان سکتے تھے۔

دیوورت: سمجھ گیا۔ اندھیرا دور ہوگیا۔ مہاراج کے دکھ کا کارن ایک دھیور نہیں، خود ان کا بٹیا دیوورت ہے۔ بیٹے نے ہی باپ کی آنکھوں کے نیچے چنتا کی کالی لکیریں ڈال دی ہیں۔ بیٹے نے ہی باپ کے دن کا چین اور رات کی نیند چھین لی ہے۔ اوروں کا جنم پتا کی سیوا کے لیے ہوتا ہے اور میرا جنم پتا کو دکھ دینے کے لیے ہوا ہے۔ دیوورت، تجھے اس پاپ کا پرائشچت کرنا ہوگا۔ (شیودت سے) جاؤ۔ دھیور اور اس کی کنیا کو یہاں لے آؤ۔

شیودت: کیوں؟

دیوورت: اس کیوں کا اُتر ابھی نہیں ملے گا۔ جاؤ— کھڑے ہو ابھی— میں پھر کہتا ہوں۔ جاؤ۔

(شیودت کا جانا)

باب پہلا— سین چھٹا

دھیور کا گھر

دھیور: بیٹی ستیہ وتی۔ آج گاؤں کے جیوتشی پنڈت شمبھوناتھ جی نے میرے ہاتھ اور ماتھے کی لکیریں پڑھ کر کہا کہ دھیوراج، تم بہت جلد کسی راجا کے سسر بننے والے ہو۔ اب میں سوچتا ہوں کہ شانتنو مہاراج نے میری بات تو مانی ہی نہیں۔ پھر یہ بھوشیہ وانی کیسے پوری ہوگی۔ کنتو نہیں۔ تو نشچے مہارانی بنے گی۔ جیوتشی جھوٹے نہیں ہوسکتے۔ جیوتش ودیا جھوٹی نہیں ہوسکتی (گائے کو گھاس کھلاتا ہے) کھا۔ میری گھی مکھن کھانے والی لکشمی۔ میری دودھ، دہی کی گنگا۔ (گائے مہارانی ستیہ وتی بن جاتی ہے) یہ کیا؟— یہ کون؟ سوپن یا جیوتشی کی بھوشیہ وانی؟ (خوشی سے ناچنے لگتا ہے) بولو، بولو— مہارانی ستیہ وتی کی جے۔ (ستیہ وتی پھر گائے بن جاتی ہے) ارے یہ تو سوپن

باب پہلا — سین ساتواں

راج بھون

(دیوورت سوچ میں ڈوبا بیٹھا ہوا ہے)

دیوورت: میرے گرو بھگوان پرشو رام نے وداع کرتے سمے مجھے آشیرواد دیا تھا کہ یدی ہم دونوں میں کبھی یدھ ہوا تو اس یدھ میں تمھاری ہی جے ہوگی۔ یدی میں نارائن پر جے پاسکتا ہوں تو کیا اس تُچھ جیون کی تُچھ لالسا پر اور اپنے سوارتھ پر جے نہ پاسکوں گا۔

(شیودت کے ساتھ دھیور اور ستیہ وتی کا پرویش)

شیودت: چلے آؤ۔ (دیوورت سے) کمار یہ دونوں آگئے۔

دیوورت: کیا یہی دیوی تمھاری کنیا ہے؟

دھیور: ہاں شریمان۔

دیوورت: اور اسی دیوی سے ہستناپور کے مہاراج بیاہ کرنا چاہتے ہیں۔

دھیور: سندر استری کو دیکھ کر تو ہر آدمی چاہتا ہے کہ وواہ کرلے۔ کِنتو چاہنے سے وواہ تھوڑے ہی ہوجاتا ہے۔ جب تک مہاراج میرا مانگا ہوا بچن مجھے نہ دیں گے، انھیں میری کنیا نہیں مل سکتی۔

دیوورت: تم یہ چاہتے ہو کہ بڑے لڑکے کی جگہ تمھاری کنیا کا لڑکا ہستناپور کا راجا ہو۔

دھیور: ہر پتا اپنی سنتان کی بھلائی چاہتا ہے۔

دیوورت: دھیور۔ میرا نام دیوورت ہے اور میں ہستناپور کا یوراج اور مہاراج شانتنو کا بڑا بیٹا ہوں۔

دھیور: تم ہی مہاراج کے بڑے بیٹے ہو؟

دیوورت: ہاں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ تمھاری کنیا بھارت ورش کی مہارانی ہو۔

دھیور: چاہتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہوں کہ میری کنیا کا پُتر ہی بھوشیہ میں بھارت ورش کا راجا بھی ہو۔

دیوورت: اور کسی شرط پر اپنی کنیا کا وواہ مہاراج سے نہیں کر سکتے۔

دھیور: نہیں۔

دیوورت: یہ تمھارا اتم وچار ہے؟

دھیور: اتم بھی اور اٹل بھی۔

دیوورت: تو تم راج ہی چاہتے ہو؟

دھیور: ہاں۔ راج ہی چاہتا ہوں۔

دیوورت: اور کچھ نہیں؟

دھیور: کچھ نہیں۔

دیوورت: اچھا تو سنو۔ تمھیں راج پیارا ہے اور مجھے پتا پیارا ہے۔ تمھیں پتا کا راج سنگھاسن چاہیے اور مجھے پتا کی چرن سیوا چاہیے۔ اس لیے اپنے کرتویہ کی اور پُتر دھرم کی رکشا کے لیے میں آج سے سارا ادھیکار تیاگ دیتا ہوں۔

شیودت: کمار، کمار، یہ کیا۔ آپ اپنے پتا کے سکھ کے لیے ادھیکار، راج، آشا، بھوشیہ سب کا تیاگ کر رہے ہیں۔

دیوورت: یہ سب کچھ پتا کے ایک آشیرواد کے برابر بھی نہیں۔ پتا جنم داتا ہیں۔ پتا دیوتا ہیں۔ ایشور کے پرتی ندھی ہیں۔ یدی یہ ہاتھ پتا کے راستے کے کانٹے نہ چن سکے، یدی یہ جیون پتا سیوا سے پوتر نہ ہوسکا، تو دھکار ہے اس ہاتھ پر اور دھکار ہے اس جیون پر۔

(شانتنو کا پُنہ پرویش)

شانتنو: یہ کون؟ (شیودت سے) یہ کیا؟

شیودت: ہستناپور میں ایودھیا کا درشیہ۔ جس طرح پتا کے لیے شری رام چندر جی نے راج کو تلانجلی دے دی تھی، اسی طرح آج آپ کے پتر نے بھی آپ کے لیے اپنا راج ادھیکار تیاگ دیا۔

شانتنو: کیا کہہ رہے ہیں؟ دیوورت۔ کیا یہ سچ ہے۔ شاستر نیم انوسار اس عمر میں مجھے اس سنسار کا موہ اور گرہست آشرم تیاگ دینا چاہیے تھا۔ کِنتو ابھی تک نہ تیاگ سکا۔ میری دربلتا کے لیے تم راج سنگھاسن دھارن نہ کرو، یہ نہیں ہوسکتا۔ پتر تمھیں اپنا وچن واپس لینا ہوگا۔

دیوورت: پوجیہ پتا جی۔ میں چھتریہ ہوں اور چھتریہ ہاتھ سے دیا ہوا دان اور مکھ سے دیا ہوا وچن کبھی واپس نہیں لیتا۔ دھیور، اتنا ہی چاہیے تھا یا کچھ اور۔

دھیور: جیسے بھکاری کے آگے کوئی پیسہ پھینک دیتا ہے ویسے ہی تم نے راج تو دے دیا۔ لیکن تم سدا برہم چاری تو رہو گے نہیں۔ بیاہ بھی ہوگا اور سنتان بھی ہوگی۔

دیوورت: تو؟

دھیور: اس بات کا کیا بھروسا ہے کہ تمھاری طرح تمھارا پتر بھی اس راج پر اپنا دعویٰ چھوڑ دے گا۔

دیوورت: پھر۔

دھیور: راج کمار کو اِن سب کے سامنے پرتگیا کرنی ہوگی کہ اس جیون میں کبھی دواہ نہ کروں گا۔

شانتنو: دھیور۔ دھیور۔ ادھیکار سے زیادہ نہ مانگ۔ سنسار کی ساری آشائیں تیرے ہی لیے نہیں ہیں۔

دھیور: تو پھر آگیا دیجیے، لوٹ جاؤں۔

(جانے کے لیے مڑتا ہے۔ دیوورت روکتا ہے)

دیوورت: ٹھہرو دھیور۔ ٹھہرو۔ (آسمان کی طرف دیکھ کر) بھگوان، تم سے بل پائے بنا

اپنے کندھوں پر اس کرتویہ کے ہمالیہ کو نہیں اُٹھا سکتا۔ میرے ڈگمگاتے ہوئے ساہس کا سہارا بنو۔ اس دھرم اور سوارتھ کے یدھ میں سوارتھوں پر جے پانے کے لیے مجھے ایک چھتریہ جیون دان دو— اچھا دھیور۔ جوانی کا سب سے بڑا سکھ، دھرم پرایا پتنی کا پریم اور گود میں کھیلتے ہوئے بالک کی میٹھی ہنسی میں نے پتا کے سکھ کے لیے، اس سکھ کو بھی تلانجلی دی۔ لو سنو— میں پرتگیا کرتا ہوں کہ اس جیون میں کبھی وواہ نہ کروں گا۔

شانتنو: دیوورت— دیوورت۔

دیوورت: (اوپر دیکھ کر) دیوتا گن ساکشی رہو (راج کرم چاریوں سے) تم بھی ساکشی رہو۔ میں نے راج چھوڑا، ادھیکار چھوڑا، پتر پتنی کی لالسا کو چھوڑا۔ دھرم اور پتا بھکتی کے سوا اس سنسار کا سب کچھ چھوڑا۔ آج سے جو اس سنگھاسن پر بیٹھے گا، میں اس کی پرجا بن کر اپنے بھکتی بل سے اور شستر سے اس کی سیوا کروں گا اور جگت کی ہر ایک استری کو اپنی ماں، بہن، پُتری سمجھوں گا۔

(آکاش پر گنگا دکھائی دیتی ہے)

گنگا: پُتر دھنیہ ہے۔ اس بھیشن پرتگیا کے لیے، آج دیوتاؤں نے تمھیں نیا نام دیا ہے۔ اب تک تم دیوورت کے نام سے پرسدّھ تھے۔ سنو، اب تمھارا نام بھیشم ہے۔

—پردہ—

باب دوسرا — سین پہلا

کاشی راج کا باغ

(بیچ میں تالاب۔ تالاب میں مور پنکھ شکل کی ناؤ۔ ناؤ میں کاشی راج
کی تینوں لڑکیاں، امبا، امبیکا اور امبالیکا سیر کررہی ہیں۔
دو داسیاں ناؤ کھے رہی ہیں)

(گانا)

داسی1: آج دو ہردے، دو سوبھاؤ، دو چرتر، دو بھوشیہ دو مدھر سروں کے سمان ایک ہوکر جیون سنگیت میں آنند کے راگ کی پورتی کریں گے۔

امبا: تم کنیا کے بیاہ کے دن کو سکھ کا دن مانتی ہو۔

داسی1: جو دن بدھائی کے گانوں کے ساتھ ڈھول شہنائی بجاتا۔ کنیا کے لیے سہاگ کا سندور، جوانی کا سکھ گرہ لکشمی کی پدوی اور پتی کے گھر کا راج لے کر آتا ہے، اس دن کو سکھ کا دن نہ سمجھیں تو اور کیا سمجھیں۔

امبا: یدی بیاہ کا دن سکھ کا دن ہے تو پھر یہ بتاؤ کہ کنیا پتا کے گھر سے وداع ہوتے سے ماتا کے چرن اور سکھیوں کا آنچل پکڑ کر روتی کیوں ہے؟

داسی1: اس لیے کہ وہ چاہتی ہے کہ ہردے کا سارا دکھ آنکھ سے جل بن کر ٹپک جائے اور پتی کے گھر کیول روپ اور ہنسی لے کر جائے۔

داسی2: ابھی وہ روتی کب ہے۔ وہ آس پاس کھڑی ہوئی کنیاؤں کو سمجھاتی ہے کہ میرا بیاہ ہوگیا اور تمھارا بیاہ ابھی تک نہیں ہوا۔ مجھے دکھ ہورہا ہے۔

امبا: سمجھ گئی کہ پرش کیوں استری کو مورکھا کہتے ہیں۔ سنو بیاہ استری کے لیے ایک جیون اور کرتویہ کا یدّھ ہے۔ ایک گھور تپسیا، ایک آتم بلیدان۔ اُسے اپنا دیہہ، روپ، ہنسی، اِچھا، ورتمان، بھوشیہ، لوک، پرلوک سب کچھ پتی کے پریم میں اورسیوا میں لین کر دینا ہوتا ہے۔ استری وواہ سے پہلے سب کچھ ہوتی ہے اور بیاہ کے بعد کچھ نہیں رہتی۔ اب بولو، اس جیون روپی مرتیو کو کیا تم سکھ سمجھتی ہو۔

داسی 1: راج کماری۔ میری ایک بیاہی ہوئی سکھی کہتی تھی کہ پتا کے گھر میں لڈو کھانے سے پتی کے ہاتھ سے پریم چمبن کے ساتھ باجرے کی روٹی کھانے میں زیادہ مزا ملتا ہے۔ اس لیے اس دن سے میں بیاہ کو سکھ ہی سمجھتی ہوں۔

امبا: تو پھر کنواری کیوں بیٹھی ہو۔ جلدی سے بیاہ کرلو۔

داسی 1: کروں کیسے؟ جیوتشی جی کے پتر میں بیاہ کا مہورت ہی نہیں نکلا۔

امبیکا: ہا ہا ہا ہا۔

امبالیکا: باوا رے پیچھا ہی نہیں چھوڑتی جیسے ہنسی کا ہونٹوں کے ساتھ بیاہ ہوگیا ہے۔

امبا: امبالیکا— امبالیکا— کیوں ہنس رہی ہو؟

امبالیکا: بہن سنو۔ جب بیاہ کے گھر میں سب ہنس رہے ہیں تو پھر جس کا بیاہ ہو، وہ کیوں نہ ہنسے۔

امبیکا: امبا بہن سنو۔ ہم اس بات پر ہنس رہے ہیں کہ پتا جی نے ہمارے سوئمبر میں بلایا تھا دیش دیش کے راجاؤں کو اور......

امبالیکا: آئے کون؟

امبیکا: دیش بھر کے بھکاری۔

امبا: کیا؟ بھکاری؟

امبالیکا: ارے بھکاری دھن کا دان مانگتا ہے اور یہ سب کنیا دان مانگتے ہیں۔

امبیکا: پھر یہ راجا کے روپ میں بھکاری نہیں تو اور کون ہیں؟

امبا: یہ تو کنول کے پھول کو بھنوروں کے بدلے چیونٹیوں نے گھیر لیا ہے۔ پر اب کیا کرو گی؟

امبیکا: کریں گے کیا۔ پتا جی کی اچھا ہے تو انھیں بھکاریوں میں سے کسی نہ کسی کو کہنا ہوگا۔

امبالیکا: کہ دیا کرکے ہم سے بیاہ کرلو۔

امبا: اور جو انھوں نے بیاہ نہ کیا؟

امبیکا: یدی انھوں نے ہم سے بیاہ نہیں کیا تو یہ ان کی بیوقوفی ہے اور بیوقوفی پر دیا کرکے ہم ان سے بیاہ کرلیں گے۔

امبالیکا: ہاں جی۔ آج بیاہ کا دن ہے تو بیاہ ہی ہونا چاہیے۔ چاہے ہمارا بیاہ ہو چاہے ہمارے پتی کا۔

داسی 1: مہاراج ان کے بیاہ کا راجا شالو کو بچن دے چکے ہیں۔ اس لیے یہ تو انھیں کے ہردے مندر کی مورتی بنیں گی۔ کنتو تم کس کے گلے میں ہار پہناؤ گی۔

امبیکا: ان سب راجاؤں میں جس کی ناک چپٹی ہوگی۔

داسی 1: چپٹی ناک والا ور کیوں چاہیے؟

امبیکا: کیسی مورکھا ہو۔ جس راجا کے مکھ پر ناک ہوگی وہ بھیک میں ملی ہوئی کنیا لے گا کیوں؟ بہن تم اپنے ور کے ناک کی فکر نہ کرو۔ جب تم اسے ورمالا پہناؤ گی تو سارے راجاؤں میں اس کی ناک آپ ہی اونچی ہوجائے گی۔

(سب کا ہنستے ہوئے جانا)

(گانا)

باب دوسرا— سین دوسرا

ہستنا پور کے راج بھون کا ایک بھاگ

(وچتر ویریہ بیٹھا ہے۔ ستیہ وتی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اور اس کا سر سینے سے لگائے پاس کھڑی ماتا بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی ہے۔ دو داسیاں پنکھا جھل رہی ہیں اور باقی خدمت کے لیے حکم کا انتظار کر رہی ہیں۔)

وچتر ویریہ: ماتا جی۔ کیا میں سورگیہ مہاراج شانتنو کا پُتر نہیں ہوں۔ بھیشم جیسے کرم ویر کا بھائی نہیں ہوں، بھارت سمراٹ نہیں ہوں، چھتریہ نہیں ہوں، پھر کاشی راج نے اپنی پُتریوں کے سوئمبر میں مجھے کیوں نہیں بلایا۔ بہت سوچا۔ لیکن کاشی راج کے اس ساہس کا کارن سمجھ میں نہیں آیا۔

ستیہ وتی: بٹیا وچتر ویریہ۔ تمھیں سوئمبر سبھا میں نہ بلانے کا کارن یہ ہے کہ تمھارے سورگیہ پتا چھتریہ راجا تھے۔ کنتو تمھاری ماتا ایک ناؤ کھینے والے دھیور کی لڑکی اور شود رانی ہے۔

وچتر ویریہ: تو اس کا ارتھ یہ ہوا کہ وہ مورکھ اندھا ہے۔ ذات دیکھتا ہے، گن نہیں دیکھتا۔ اوہ اتنا ابھیمان؟

ستیہ وتی: سوئمبر سبھا میں اُس کے اسی ابھیمان کو چور کرنے کے لیے تمھارے پوجیہ بھائی مہاتما بھیشم کاشی گئے ہیں۔

وچتر ویریہ: ماتا جی، بھیشم بھیا۔ میرے بڑے بھائی بھی ہیں اور گرو بھی ہیں۔ اس لیے ششیہ کو گرو سے ترک نہ کرنا چاہیے۔ پھر بھی میں نے ساہس کرکے دو

باتیں پوچھی تھیں۔

ستیہ وتی: کون سی دو باتیں۔

وچترویریہ: ایک یہ کہ پتا جی کے بعد آپ ہی نے مجھے پالا اور شستر اور شاستر ودیا کی شکشا دے کر راجا بنایا۔ پھر آپ میرا نام لے کر پکارنے کے بدلے مہاراج کہہ کر کیوں بلاتے ہیں؟

ستیہ وتی: اس کا کیا اُتر دیا؟

وچترویریہ: اُتر دیا کہ مہاراج ہی کہنا میرا دھرم ہے۔کیوں کہ میں بھائی اور گرو ہونے پر بھی پرجا ہوں۔

ستیہ وتی: اور دوسری بات؟

وچترویریہ: جس دن وہ سوئمبر میں جارہے تھے۔میں نے کہا بڑے بھائی سے پہلے چھوٹے بھائی کا بیاہ کیسے ہوسکتا ہے۔ بھیا، آپ اپنا بیاہ کیوں نہیں کرتے؟

ستیہ وتی: اس کا کیا اُتر دیا؟

وچتر ویریہ: کہنے لگے کہ میرا بیاہ ہوچکا ہے۔

ستیہ وتی: یہ کہا؟

وچترویریہ: سنو تو۔ میں نے آشچریہ سے ہوکر پوچھا کہ بھیشم بھیّا یہ بیاہ کہاں ہوا؟ تو ہنس کے کہنے لگے کہ دھرم نگر میں۔ میں نے پوچھا کس سے؟ تو بولے کہ کرتویہ راج کی کنیا بھکتی سے۔

ستیہ وتی: بٹیا۔ بھیشم اس سنسار کی ایک وچتروستو ہیں۔ اس لیے ان کی سب باتیں وچتر ہیں۔

(دھیور کا پرویش)

دھیور: چلو بھیّا۔ رتھ تیار ہوگئے۔

وچترویریہ: نانا جی۔ تم کیوں جارہے ہو۔ سوئمبر میں راجاؤں سے لڑائی ہوگی تو کیا تم بھی لڑو گے۔

دھیور: لڑنے نہیں تو کیا پوجا کرنے جارہا ہوں۔ اِدھر دیکھو، یہ تلوار ہے، نائی کا اُسترا نہیں۔

وچتر ویریہ: اچھا ماتا۔ جاتا ہوں۔ آشیرواد دیجیے۔

(دونوں کا پرستھان)

باب دوسرا — سین تیسرا

سوئمبر سبھا

(دیش دیش کے راجا اور راج کمار اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ اندر شہنائی
بج رہی ہے۔ کاشی راج کا اپنی تینوں پتریوں امبا، امبیکا
اور امبالیکا کے ساتھ پرویش)

کاشی راج: پتریو! میں آج سنتان رن سے مکت ہوتا ہوں۔ تم اس سے گرہستھ آشرم کے پوتر مندر کی چوکھٹ پر کھڑی ہو۔ بڑھو اور اپنے دیوتاؤں کے گلے میں جے مال پہنا کر ان سے بھوشیہ کی سکھ شانتی کا وردان پراپت کرو۔

(دھیور راج کا آنا)

دھیور: (کاشی راج سے) مہاراج پرنام (سب راجاؤں سے) راجا گن نمستے۔ اُہو— ہو۔ کنیائیں بھی کھڑی ہیں۔ پتریو، کلیان ہو۔

شالو: تم کون ہو؟

دھیور: یہ بھی ٹھیک ہے۔ جب تک ماتھے پر مکٹ نہ ہو۔ کیسے پہچان سکو گے؟ مہاشے راجا جی، جو تم ہو وہی میں ہوں۔

شالو: ارتھات۔

دھیور: ارتھات یہ کہ تم بھی راجا ہو اور میں بھی راجا ہوں۔ اتنا وشیش ہے کہ تم کیول راجا ہو اور میں راجا اور راجا کا سسر بھی ہوں۔

راجا1: راجا کا سر؟ اس کا ارتھ میں نہیں سمجھا۔

دھیور: بھیا سمجھو گے کیسے۔ جب تک آدمی کسی کا سر نہ بنے، سر شبد کا ارتھ نہیں سمجھ سکتا۔

کاشی راج: شری مان۔ یہاں تو بھارت کے سبھی راجا براجمان ہیں۔ آپ کس دیش کے راجا ہیں۔

دھیور: یہ سب دھرتی کے راجا ہیں، میں جل دیش کا راجا ہوں۔

کاشی راج: اس نام کا دیش تو بھارت کے بھوگول میں کہیں نہیں ہے۔ آپ بھی چھتریہ ہیں؟

دھیور: مہاراج کیا کہوں۔ جنم لیتے سے اتنی بھول ضرور ہوگئی کہ چھتریہ کے گھر میں پیدا نہیں ہوا۔ کنتو کیا پرواہ ہے۔ میں چھتریہ نہ سہی۔ میرا جنوائی تو چھتریہ ہے۔

راجا1: یہ کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے۔

شالو: ارے تو جانتا ہے کہاں آیا ہے۔ یہ راج کماریوں کی سوئمبر سبھا ہے۔

دھیور: باوا۔ ڈرو نہیں۔ میں بیاہ کرنے نہیں آیا ہوں۔ اس بڑھاپے میں بیاہ کرنا ہوتا تو جوان کنیاؤں کے سوئمبر میں آنے کی کیا ضرورت تھی، بوڑھی کنیاؤں کے سوئمبر میں جاتا۔

شالو: (کاشی راج سے) نریش یہ پاگل نہیں، کسی کے سکھانے سے ہمارا ٹھٹھا کرنے آیا ہے۔ اسے گرفتار کرکے دنڈ دیا جائے۔

کاشی راج: میں اس شبھ دن میں اس کاریہ سے بچنا چاہتا ہوں۔ اس لیے چلے جاؤ اور اِس آگیا کو میری دیا سمجھو۔

دھیور: مہاراج۔ میں تم پر اور ان سب پر دیا ہی کرنے یوراج سے چھپ کر یہ کہنے آیا ہوں کہ جھگڑا بڑھ جائے گا۔ اس لیے کنیاؤں کو چپکے سے میرے ساتھ بھیج دو اور ان سب کو ایک ایک ناریل اور چار چار لڈو دے کر وداع کردو۔

شالو: ارے کیا تجھے اور طرح سے سدھ میں لانا ہوگا۔ چلا جا نہیں تو لات مار کر نکال دیا جائے گا۔

دھیور: بھول ہے بھیا تمھاری بھول ہے۔ راجا کا سسر لات نہیں کھاتا، لڈو پوری کھاتا ہے۔

شالو: (اپنے مصاحب سے) کیا دیکھتا ہے۔ ایسی لات دے کہ گٹھری بن کر باہر جاپڑے۔

دھیور: ٹھہر جا بھائی۔ مجھے تلوار میان سے نکال لینے دے۔ ہت تیری کی۔ سوئمبر سبھا میں میرا اپمان کرانے کے لیے نہ جانے کس پاجی نے لوہے کی تلوار کے بدلے میان میں لکڑی کی تلوار رکھ دی۔

مصاحب: نکل بدمعاش۔

(کلائی پکڑ کر لات مارنا چاہتا تھا، اسی سمے چار سینکوں کے ساتھ بھیشم کا پرویش)

بھیشم: ساؤدھان۔ (دھیور سے) تم یہاں چھپ کر پہلے کیوں چلے آئے۔

دھیور: میں نے سوچا کہ تین کنیاؤں کے لیے سینکڑوں استریاں ودھوا ہوجائیں گی، اس لیے دیا کرکے انھیں سمجھانے آیا تھا۔ (مصاحب سے) رُک گئے۔ بڑھو نا۔ (تلوار لے کر) اب مجھ میں بھی ہمت آگئی ہے۔ یاد رکھنا، اب اس تلوار سے ناک کاٹ لوں گا۔

راجا1: ایک پاگل تھا ہی، یہ دوسرا کون آگیا؟

کاشی راج: تم کون ہو؟

بھیشم: ہستناپور کے مہاراج وچتر ویریہ کی راج بھگت پرجا۔

کاشی راج: تمھارا نام؟

بھیشم: بھیشم۔

راجا 2: کیا نام بتایا؟

دھیور: نہیں سنا؟ اچھا سنو، میں چلا کر بولتا ہوں۔ بھیشم۔

بھیشم: تم چپ رہو۔

کاشی راج: کون بھیشم؟ راجا شانتنو کے پُتر۔

دھیور: ہاں اب سمجھے۔ انھیں کے پتا کا میں سسر ہوں۔

بھیشم: (دھیور سے) میں نے ابھی کیا کہا؟ ہاں نریش میں سورگیہ مہاراج شانتنو کا پتر بھیشم ہوں۔

شالو: تم یوراج نہیں۔ راجا نہیں۔ راج ادھیکاری نہیں، پھر اس سوئمبر سبھا میں کس لیے آئے۔

بھیشم: ان کنیاؤں کو ہستناپور لے جانے کے لیے۔ کیونکہ یہ مہاراج وچتر ویریہ کی مہارانیاں بنیں گی۔

شالو: وچتر ویریہ؟ کون وچتر ویریہ؟ وہی جس نے چھترانی کے بدلے شودرانی کے گربھ سے جنم لیا ہے، جس کی ماں رانی بننے سے پہلے مچھلیاں بیچا کرتی تھی۔

دھیور: دیکھ مچھلی بیچنے والی مہااپکاری جاتی کا اپمان نہ کرو۔ مچھلی بیچنے والے اس دیش میں نہ ہوتے تو آدھا بنگالہ بھوکا مرجاتا۔

بھیشم: تم پھر بولے۔

دھیور: بولوں کیسے نہیں۔ جیسے تم نے بیاہ نہ کرنے کی پرتگیا کی ہے، میں نے نہ بولنے کی پرتگیا تھوڑے ہی کی ہے۔

بھیشم: شالو راج۔ نیچے مہاراج کی ماتا چھترانی نہیں ہیں، پھر بھی پتی بھکتی، ایشور بھکتی، سنتان سنیہہ اپنے پرایوں سے بھلائی، یہ سب استری کے پردھان گن ہیں۔ تو مہاراج وچتر ویریہ کی ماتا شودرانی ہونے پر بھی ایک دیوی ہے۔

دھیور: واہ بھیا دھنیہ ہے۔ یدی میں جانتا کہ شودروں کی طرف سے اس طرح بولوگے تو میری دس کنیائیں ہوتیں تو دسوں کا تمھارے پتا کے ساتھ وواہ کردیتا۔

بھیشم: تم چپ نہیں رہو گے واپس چلے جاؤ۔ نہیں سنا؟

دھیور: اچھا جاتا ہوں۔ یہاں رہوں گا تو ضرور بولوں گا۔ بڑھاپے میں لوگوں کو طرح طرح کی بیماریاں ہوجاتی ہیں۔ مجھے بولنے کی بیماری ہوگئی ہے۔

(دھیور کا جانا)

بھیشم: کاشی نریش۔ آپ میرے پرشن کا کیا اُتر دیتے ہیں؟

شالو: مہاشے بھیشم۔ شودرانی ماں کا بٹیا ہونے کے کارن جو وچتر ویریہ اس سوئمبر سبھا میں بلانے کے یوگیہ بھی نہ سمجھا گیا، تم اُس کے لیے ایک چھتریہ راجا کی کنیائیں لینے آئے ہو۔ دھکار ہے تمھاری سمجھ پر۔ سچ ہے، تم مورکھ نہ ہوتے تو اپنے بوڑھے پاگل لمپٹ پتا کی کام لالسا پوری کرنے کے لیے اپنا راج ادھیکار اور ہستناپور کا راج تیاگ کر راجا بھیشم کے بدلے وچتر ویریہ کے ٹکڑوں کے بھکاری نہیں بن جاتے۔

بھیشم: شالو راج۔ اتنا ہی بولو جو سہن شیلتا اور دیا تمھیں شما کر سکے۔

کاشی راج: بھیشم۔ یہ چھتریوں سے بھری ہوئی سوئمبر سبھا کمہار کی دکان نہیں ہے، جس میں مٹی کے کھلونے سجائے ہوئے ہیں۔ کون سا بل لے کر کنیاؤں کو لینے آئے ہو؟

بھیشم: چھتریہ بل اور باہو بل۔

شالو: سادھان، ہمارے میانوں میں بھی تلواریں ہیں۔

بھیشم: تلوار پکڑنے کے لیے ہاتھ میں شکتی اور ہروے میں ساہس چاہیے۔

راجا1: یہ ہم سب کا اَپمان کر رہا ہے۔

راجا 2: نہیں سہن ہوسکتا۔

راجا3: تلواریں کھینچ لو۔

شالو: ٹھہر جاؤ جس کے لیے پانچ انگلیاں بس ہیں، اس کے لیے اتنے ہاتھوں کی کیا ضرورت ہے بھیشم، بجلی بادل سے نکل چکی۔ پران بچانا چاہتا ہے تو شما مانگ۔

بھیشم: کس سے؟

شالو: مجھ سے اور ان ویروں سے۔

بھیشم: پران جانے کا نشچے ہونے پر بھی سچا چھتریہ شما نہیں مانگتا۔ البتہ ہارے ہوئے شترو کو بھیک کی طرح شما دیتا ہے۔

شالو: اچھا تو روک وار، اب تمھیں بھیک میں شما دوں گا۔

(بھیشم شالو کی تلوار چھین کر واپس کرتا ہے)

بھیشم: بس اسی بل پر سوئمبر سبھا میں چھتریہ کا روپ دھارن کر کے آئے تھے... لے تلوار، پھر وار کر (تلوار پھینک کر) اٹھا لے تلوار (کاشی راج سے) نریش، میں کنیاؤں کو لے جاتا ہوں (اپنے سینکوں سے) انھیں رتھ پر بٹھاؤ۔ (راجاؤں سے) تم سب میں جس کے پاس شکتی ہو، ساہس ہو، مجھے روک لے۔

راجا1: اکیلا ہے۔ کیا دیکھتے ہو۔

راجا2: نہیں لے جا سکتا۔

راجا3: اس کے چاروں طرف تلواروں کی دیوار کھڑی کر دو۔

(سب مل کر حملہ کرتے ہیں۔ بھیشم سب کو گھائل کر کے کنیاؤں کو لے جاتا ہے)

باب دوسرا — سین چوتھا

ہستناپور کا راج بھون

(بھیشم انتظار کی اوستھا میں وچار مگن بیٹھے ہیں۔ امبا کا پرویش)

بھیشم: دیوی، ایک داسی نے کہا کہ تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟

امبا: گانگے۔ میری آنکھوں نے سوئمبر سبھا میں تمھاری ویرتا کے درشیہ دیکھے۔ کیا تم سچے چھتریہ ہو؟

بھیشم: جب تک چھتریہ دھرم کا پالن کرسکوں۔

امبا: تو یہ بتاؤ کہ دھرم دان ہوکر تم نے جیون مارگ میں انیائے کو اپنا ساتھی کیوں بنایا؟

بھیشم: تم مجھے انیائے کا ساتھی ہونے کا دوش کیوں دے رہی ہو؟

امبا: راجا شالو سے میرے بیاہ کی بات پکی ہوچکی تھی۔ پتا کی آگیا اور میری اِچھا نوسار سوئمبر میں میرے ہاتھ کی جے مالا اس کے گلے کی شوبھا ہوتی۔ اب بتاؤ، ایک کی منگیتر کو چھین لانا، ایک کنیا کے سکھ سوپن کو بھنگ کردینا، ایک استری پُرش کی آشاؤں کا محل ڈھا دینا، ایک پریم کے پوتر بندھن کو سدا کے لیے توڑ دینا، کیا یہ انیائے نہیں ہے۔ بولو، بولو، دھرم ویر بولو۔ انیائے کے شبد کا کیا ارتھ ہے؟

بھیشم: راج کماری، میں سرد ویاپک شکتی نہیں سادھارن منشیہ ہوں۔ پھر تم سے سنے بنا تمھارے ہردے کی گپت کہانی کیسے جان سکتا تھا۔ جب میں نے ہستنا پور

لانے کے لیے تمھیں رتھ میں بٹھایا، تو یہ بات جس پر تمھارے سکھ کا آدھار تھا، اُسی سے کہہ دینی تھی۔

امبا: میں چھتریہ کنیا ہوں۔ تمھارا چھتریہ بل، تمھارا ساہس، تمھارے یدھ کا ڈھنگ دیکھ کر آشچریہ اور دسے نے میرا منھ سی دیا تھا۔ میں نے کئی بار چاہا کہ کہوں۔ کنتو تمھاری پرسنّتا کے سوا مجھے اور کوئی شبد یاد نہیں آتا تھا۔

بھیشم: دیوی۔ منشیہ کو اتی سے ادھک تعریف سننے کی بھوک ہوتی ہے۔ کرپا کرکے میری تعریف نہ کرو۔ تعریف سے ابھیمان بڑھتا ہے اور دھرم بل گھٹتا ہے۔

امبا: میرا کرتویہ مجھ کو اپنے سوامی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ یدی تم ایک ٹوٹنے ہوئے ہردے کو پھر سے جوڑنا چاہتے ہو تو اپنے سینکوں کے ساتھ مجھے آج ہی میرے منگیتر شالو کے پاس بھیج دو۔ میرا من بھی وہیں ہے اور میرا سکھ بھی۔

بھیشم: تم پتا کے گھر کے بدلے شالو راج کے پاس جانا چاہتی ہو۔

امبا: ہاں۔ مجھے لاکر ایک بھول کر چکے اب دوسری بھول نہ کرو۔ اس بیاہ سے نہ میں سکھی ہوں گی اور نہ تمھارا بھائی سکھی ہوگا۔ میرے ترسکار اور اس کے دکھ سے یہ راج بھون چتا بن جائے گا، جس میں ہم دونوں کا انت ہوجائے گا۔

بھیشم: دیوی، میں نے سنا ہے کہ شالوراج نے دارو، ناچ گانے اور دراچار کے ہاتھوں اپنا جیون، پوترتا اور کرتویہ بیچ دیا ہے۔ میں وچار بدلنے کو نہیں کہتا۔ کنتو ایک بار پھر سوچ لو۔ کیا تم ایسے چرترہین منشیہ سے سکھی رہوگی؟

امبا: تم نے جو کچھ سنا ہے جھوٹ ہے۔ منشیہ ہونے کے کارن نشچے ان میں کچھ دوش ہوسکتے ہیں۔ کنتو میرا پریم ان کے ہردے پر جب سوریہ بن کر چمکے گا۔ تب آس پاس کا سارا اندھیرا دور ہوجائے گا۔ گھر کی لکشمی لانے، گہنوں کی جھنکار سنانے، روپ اور باتوں سے نہیں، اپنے پریم اور سیوا سے پتی کے دوش دور کرکے پتی کو اپنا لینا پتنی کی جے ہے۔

بھیشم: (کچھ دیر سوچ کر) دیوی آؤ۔ تمھاری جو اچھا ہے، وہی ہوگا۔

امبا: دیوی گنگا کے پُتر کو بھی دیوتا ہی ہونا چاہیے۔ روپ بھی، بل بھی، نمرتا بھی،

دیا بھی۔ ایسے ہی منشیہ کو دیوتا کہتے ہیں۔ میں بھی پریم اور سیوا کے پھول لے کر اپنے اس لوک دیوتا کی پوجا کرنے جارہی ہوں۔

(گانا)

(دونوں کا جانا)

باب دوسرا — سین پانچواں

شالوراج کا پرمود محل

(شالوراج، مصاحب، ناچنے والیاں، سب شراب پی رہے تھے)

شالو: واہ رے رنگ۔ ذرا جھک کے دیکھنا۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوان سندری گلابی رنگ میں باریک ململ کی رنگی ہوئی ساڑی باندھے شیش محل میں ناچ رہی ہے۔ (شراب پی کر) میں اس پرجا کے گلے میں ایک دن پگھلا ہوا گرم سیسا ڈال دوں گا۔ کہتی ہے کہ سوئمبر سبھا میں تلوار پھینک کر بھیشم کے سامنے سے بھاگ نکلا۔

مصاحب 1: شیو شیو۔ اتنا جھوٹ۔ کنیا لے کر بھاگا تو بھیشم اور پرجا کہتی ہے کہ آپ بھاگ نکلے۔ ایسی جھوٹی پرجا کی کیسے مکتی ہوگی۔

مصاحب 2: مہاراج۔ آپ ایک راجا اور بھیشم راجا کا نوکر۔ اچھا ہوا کہ آپ نے وچار کر کے کہ ایک نوکر سے کیا لڑوں، تلوار پھینک دی۔ نہیں تو چھتریوں میں آپ کا بڑا اپمان ہوتا۔

شالو: ایک راجا کے نوکر سے لڑتے دیکھ کر سب چھتری ہنسیں گے، اسی وچار سے تو میں نے بھیشم کو چھوڑ دیا۔

(امبا کو آتے ہوئے دیکھنا)

امبا: مہاراج۔

شالو: یہ کون؟ کاشی راج کی کنیا امبا؟

امبا: ہاں ناتھ۔ سوئمبر سے پہلے ہی جو اپنا سوبھاگیہ سمجھ کر تمھاری داسی بننا سویکار کرچکی تھی، میں وہی امبا ہوں۔

شالو: جو بھیشم کے رتھ میں بیٹھ کر چلی گئی تھی، وہی امبا۔

امبا: سنسار میں چار پرکار کے بل ہیں۔ آتمک بل، بدھی بل، دھن بل اور باہو بل۔ لیکن یہ چاروں بل مل کر بھی استری کے ہٹھ کو پراست نہیں کرسکتے۔ اس لیے ناتھ، بھیشم، جو تمھارا دھن چھین لے گیا تھا۔ اس کے آدمی اس دھن کو تمھارے دروازے تک پہنچا گئے ہیں۔ سوامی اپنا دھن گرہن کرو اور اس کی رکشا کرو۔

شالو: تو مانو تم شالو راج کو بھکاری سمجھ کر اُس کی جھولی میں بھیشم کی دی ہوئی بھیک ڈالنے آئی ہو۔

امبا: ارتھات۔

شالو: یہاں آنے کا کارن؟

امبا: کارن بتاؤں۔ رِتو نے کویل سے، چندرما نے رات سے، ساگر نے ندی سے کبھی یہ پوچھا ہے کہ تم مجھ سے کیوں ملنے آئی ہو۔ میرے جیون کا سُکھ یہاں ہے۔ کرتویہ یہاں ہے، کرم دھرم یہاں ہے تو پھر میں اور کہاں جاتی۔ ایک کنیا کے لیے جگت میں دو ہی ٹھکانے ہیں۔ ایک ماتا پتا کا گھر اور بیاہ کے بعد پتی کا گھر۔

شالو: تب پتی کا گھر چھوڑ کر میرے دروازے پر کیوں آئی ہو۔ نام بھول گئی ہو تو میں یاد دلاتا ہوں۔ سنو تمھارے پتی کا نام شالو راج نہیں بھیشم ہے۔

امبا: ہستناپور کے راج کی طرح بال برہم چاری بھیشم نے روپ، بیاہ، پتنی، پتر، ان چاروں شبدوں کے اُچارن تک کو چھوڑ دیا ہے جس دن سے پرتگیا اس کی جیون سنگنی بنی ہے اس دن سے وہ پتری اور ماتا بنا استری کی طرف دیکھنا بھی پاپ سمجھتا ہے۔

شالو: لوٹ جاؤ۔ میرا اور تمھارا بیاہ نہیں ہوسکتا۔

امبا: نہیں ہوسکتا؟ کیوں؟ کیا دیوتا ستیہ کی ساکشی نہیں دیتے۔ کیا میرا درپن پہلے کی طرح اب مجھے سندر نہیں کہتا۔

شالو: جوانی ہی کا دوسرا نام سوندریہ ہے جو استری جوان ہوگی، وہ سندر بھی ہوگی۔ تم بھی سندر ہو۔ کنتو اب اس جوانی اور روپ کا کوئی گاہک نہیں ہے۔

امبا: میں تمھارے پاس روپ اور جوانی لے کر نہیں آئی ہوں۔

شالو: تب؟

امبا: کیول روپ اور جوانی لے کر ویشیا آتی ہے۔ میں استری کے روپ کے ساتھ پریم، لاج، ستیہ، سیوا اور بھکتی.....

شالو: چلی جا ٹھگنی، چلی جا۔ جس موتی نے اپنی چمک کھودی، وہ موتی مکٹ میں جگہ نہیں پاتا۔ میرے محل میں رانی بن کر کاشی راج کی کنیا امبا رہ سکتی ہے، بھیشم کی تیاگی ہوئی ویشیا نہیں رہ سکتی۔

امبا: کیا کہا ویشیا۔ شالو راج، ایک کل کامنی بنا انّ، بنا وستر، بنا سکھ کے سارا جیون نردئی پتی کی سیوا میں بتا سکتی ہے۔ پتی کی جھڑکیوں اور لاتوں کو سہاگ کے پھولوں کی ورشا سمجھ سکتی ہے جس ہاتھ سے چھڑی مارے اُس ہاتھ کو بھکتی پوروک پریم سے چوم سکتی ہے، کنتو ویشیا شبد کی چوٹ سہن نہیں کرسکتی۔ تمھاری ماتا بھی ایک استری تھی۔ یدی تم نے ایک استری کے گربھ سے استری جاتی کا ناش کرنے کے لیے جنم لیا تو کہو۔ کہو کہ میں نے یہ شبد نہیں کہا۔

شالو: نشچے کہا اور اب پھر کہتا ہوں کہ تو پہلے بیاہنے کے یوگیہ تھی، پوتر تھی۔ کنتو اب بھیشم کی ویشیا کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

امبا: بس نرادھم۔ بس پشاچ۔ بس نہیں تو دیوتا بجلی کے کوڑوں سے تیری پیٹھ کی کھال اُدھیڑ ڈالیں گے۔ آکاش اور دھرتی مہانیچ کہہ کر تیرے منھ تھوک دیں گے۔ میری بھول تھی جو میں تجھے اپنے جیون مندر کا دیوتا بنانا چاہتی تھی۔ آج سے، اس گھڑی سے گھرنا کرتی ہوں۔ تجھ سے، تیرے ونش سے، تیرے

پریم سے، تیرے نام سے۔ میں سمجھتی تھی کہ تو ایک چھتریہ راجا ہے۔ اب جانا کہ تو چھتریہ بھی نہیں، ہندو بھی نہیں، منشیہ بھی نہیں۔ تو اپنی ماتا کے گربھ کا کوڑا اور پاپ کی گلی کا گھر بنت کتا ہے۔

شالو: رانی تیرا اتنا ساہس کہ میرے ہی گھر میں میرا اپمان کر رہی ہے۔

امبا: گرہست گھر کی بہو بیٹیوں کے سامنے جس ویشیا شبد کا اُچارن کرنا بھی پاپ ہے۔ اس شبد کو سن کر کون کل کامنی ہے جو تجھے دھکار نہیں دے گی۔ تو نے اپنے آچرن سے چھتریوں کا ابھیمان بھنگ کرایا ہے۔ آج یہ پرمانت ہوگیا کہ جس چھتریہ جاتی میں بھیشم جیسے دھرم ویر جنم لیتے ہیں، اُس جاتی میں شالو راج جیسے نیچ بھی پیدا ہوسکتے ہیں۔

شالو: دیکھ۔ دیکھ۔ میں بار بار شما نہیں کرتا۔ اپنے پران کی رکشا کر۔

امبا: دھرم پرائنا استریوں کو پران جانے کا بھے ہوتا تو وہ اپنے پتی کے ساتھ جل کر راکھ نہ ہوجایا کرتیں۔ تیرے جیسے کایر پران رکشا چاہتے ہیں اور استری پران کے بدلے دھرم اور لاج کی رکشا چاہتی ہے۔

شالو: تو اب ساودھان ہوجا۔ اب تک ہونٹوں سے اُتر دیا۔ اب تلوار سے دوں گا۔

امبا: تلوار سے اُتر دے گا۔ کیا اسی تلوار سے جو سوئمبر سبھا میں سارے چھتریوں کے سامنے بھیشم نے تیرے ہاتھ سے لات مار کر چھین لی تھی۔

شالو: ناری—

امبا: سن۔ سن۔ کان لگا کر سن کہ تیری تلوار کیا کہہ رہی ہے۔ وہ دہائی دے رہی ہے کہ اس پُرش روپی استری کے ہاتھ میں آنے سے میرا اپمان ہورہا ہے۔ پھینک دے۔ پھینک دے۔ نہیں تو بھیشم کی طرح پھر کوئی ویر تیرے ہاتھ سے چھین لے گا۔

شالو: تو یہی چاہتی ہے کہ اس تلوار کی باڑھ کو تیرے گلے پر تیز کردوں۔

امبا: یدی تو ویر ہے۔ یدی تجھے اپنے بل اور باہو پر بھروسا ہے تو لا ایک تلوار مجھے بھی دے اور پھر دیکھ کہ کس کی ماتا کے دودھ میں شکتی ہے۔ تو سچا

چھتریہ ہے یا میں بھی چھترانی ہوں۔

شالو: جا ری کلٹا—

(شالو تلوار نکالتا ہے۔ امبا جھپٹ کر تلوار والا ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

امبا: ویر منڈلی میں استری بن گیا اور آج ایک استری کے سامنے پُرش بنتا ہے۔
دھکّار ہے تیری ویرتا پر اور دھکار ہے تیرے جنم پر۔

(ایک دوسرے کو کرودھ سے دیکھتے ہیں)

باب دوسرا — سین چھٹا

پرشورام کا آشرم

پرشورام: اس نے یہاں بلانے کا کارن پوچھا تھا؟

تپسوی: نہیں بھگون۔

پرشورام: میری آگیا سن کر کیا کہا؟

تپسوی: آگیا سن کر دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ساتھ آنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

پرشورام: وہ کہاں ہے؟

تپسوی: جس کدم کے ورکش کے نیچے وہ بچپن میں آپ سے شستر وِدّیا سیکھا کرتے تھے، اسی ورکش کو پریم سے گلے لگائے ہوئے آپ کی پرتیکشا کررہے ہیں۔

پرشورام: جاؤ کہو کہ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں (تپسوی کا جانا) گنگا کے پتر۔ یدی تونے میرے بھے سے کاشی راج کی کنیا کو سویکار نہ کیا تب مجھے ماننا پڑے گا کہ میرے اکیس بار ناش کرنے پر بھی ابھی تک دھرتی چھتریوں سے شونیہ نہیں ہوئی۔ ساودھان آج نرنے ہوگا کہ دیوورت کا سچا نام کون سا ہے۔ بھیرو یا بھیشم۔

باب دوسرا— سین ساتواں

آشرم کا دوسرا بھاگ

بھیشم: یہی پُنیہ دھام ہے جہاں بھرگو میرے بچپن کے پودے کو پریم امرت سے سینچا کرتے تھے۔ یہی گرد آشرم ہے جہاں سے شکتی اور شستر ودّیا کا دان لے کر (امبا کا آنا) یہ کون؟

امبا: نہیں پہچانا۔ کاشی راج کی کنیا امبا کو اتنی شیگھر بھول گئے۔

بھیشم: دیوی یہ کیا۔ شالو راج کے رنواس کے بدلے میں تمھیں پرشورام کے آشرم میں دیکھ رہا ہوں۔

امبا: ہاں۔ اور کسی میں سہایتا کرنے کی شکتی نہ دیکھ کر بھگوان بھرگو کی شرن لی ہے۔ کیونکہ جو ابھاگے ہیں، جو دکھی ہیں، جو نروپائے ہیں، انھیں دو ہی جگہ شانتی مل سکتی ہے۔ مرتیو کی گود میں یا نرائن کے چرن میں۔

بھیشم: شرن لینے کا کارن؟

امبا: پتا کے گھر کا سکھ۔ پتی کے ہردے کا وشواس، ستیوں میں سر اونچا رکھنے کا ادھیکار، ان سب سے مجھے الگ کردینے کے بعد کارن پوچھتے ہو۔ کارن تم ہو۔ کارن تمھارا انیائے ہے۔ اِستری کا روپ، پریم، سیوا، یہ پُرش کے لیے دواہ کے دیوتا کے آشیرواد ہیں۔ میں روپ بھی لے گئی۔ سیوا اور پریم بھی۔ کِنتو سنو۔ شالوراج نے کیا کہا۔ اس نیچ نے گھرنا اور اپمان کے ساتھ کہا کہ ناری اپنا روپ لے کر لوٹ جا۔ میں بھیشم کے سونگھے ہوئے پھولوں کا ہار پہننا نہیں چاہتا۔

بھیشم: اوہ۔ منشیہ تو سندیہہ اور ایرشا سے اندھا ہوجاتا ہے۔ نرادھم شالو، کیا تجھے بھگوان شما کریں گے۔

امبا: دیوورت، تم ہی سوئمبر سے مجھے ہر لائے تھے۔ اس لیے میرے سروناش کا مول کارن شالو نہیں تم ہو۔ بولو۔ بولو۔ اب میں یہ کلنک لگا منھ لے کر پتا کے سامنے، بہنوں کے سامنے، سنسار کی ستیوں کے سامنے کیسے جاسکتی ہوں۔ گانگے، یدی تم ایک استری کی لاج اور مان کی رکشا کرنا دھرم سمجھتے ہو تو اپنی دھرم پتنی بنا کر اس کلنک سے میرا اُدھار کرو۔

بھیشم: دھرم پتنی؟ دیوی کیا تم نے نہیں سنا ہے کہ میں بیاہ نہ کرنے کی پرتگیا کر چکا ہوں۔

امبا: تو کیا تم نے بیاہ نہ کرنے کی پرتگیا کے ساتھ ایک راج کنیا کی سُکھ شانتی لوٹ لینے کی بھی پرتگیا کی تھی۔ ہاتھ جوڑ کر دیا کی بھیک مانگنے والی ایک ابھاگنی کو دیا کی بھیک نہ دینے کی بھی پرتگیا کی تھی۔

بھیشم: راج کماری۔ میں تپسیا کر کے تمھارے ست کی ساکشی دینے کے لیے دیوتاؤں کو بلا سکتا ہوں۔ اس اپمان کے لیے شالو راج کو تمھارے چرنوں میں بیٹھ کر شما مانگنے کے لیے باڈھیہ کرسکتا ہوں۔ اس سے بھی ادھک چاہتی ہو، تو جن ہاتھوں سے تمھیں سوئمبر سے ہر لایا تھا، ان ہاتھوں کو کاٹ کر پھینک سکتا ہوں۔ کنتو دیا کرو۔ بیاہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میں کرتویہ یگیہ میں پتنی اور پُتر کے سکھ کی آہوتی دے چکا ہوں۔

امبا: دیوورت۔ جن شاستروں میں بیاہ کو استری پُرش کا پرتھم دھرم لکھا ہے، کیا وہ شاستر جھوٹے ہیں۔

بھیشم: نہیں۔

امبا: تب بیاہ نہ کرنا شاستروں کی آگیا کا انادر نہیں ہے۔ بیاہ دیوتاؤں نے کیا، رشیوں نے کیا، ایشور کے اوتاروں نے کیا۔ وِواہت جیون میں سُکھ نہیں ہے تو دشرتھ نندان شری رام چندر نے سیتا سے وواہ کیوں کیا۔ کیا تم رام سے بڑھ کر ہو؟

بھیشم: دیوی۔ میں رام کے چرنوں کی رج کے برابر بھی نہیں۔ کنتو تم جانتی ہو کہ راج دھرم کا پالن کرنے کے لیے شری رام نے بھی سیتا جیسی دیوی کو تیاگ دیا تھا۔ میں بھی رام کا بھکت ہوں اور رام نام کا شستر لے کر دھرم روپی لکشمن کے ساتھ پرتگیا کی جے کرنے نکلا ہوں۔

امبا: نشٹھر سنو۔ پُرش کی جوانی اور تندرستی سدا نہیں رہتی۔ بیماری اور بڑھاپے میں دھن، پُتر، نوکر، پڑوسی، کسی سے سُکھ نہیں ملتا۔ کیول دھرم پتنی ہی سچی سیوا کرسکتی ہے۔ آج وہی استری سیوا امبا کے روپ میں تمھارے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہے۔ (پاؤں تھام کر) دیوورت مجھے سویکار کرو۔

بھیشم: (ہاتھ پکڑ کر اٹھاتا) دیا کرو دیوی۔ میری دُربلتا اور پرتگیا پر دیا کرو۔ تم کس سے بیاہ کرنا چاہتی ہو؟

امبا: دیوورت سے۔

بھیشم: کنتو دیوورت اب کہاں ہے۔ پرتگیا کرنے کے ساتھ ہی دیوورت کرتویہ کی چتا میں جل کر راکھ ہوگیا۔ میں اُس کی راکھ سے پیدا ہونے والا بھیشم ہوں۔

امبا: میں دیوورت کے اوتار بھیشم ہی سے پرارتھنا کررہی ہوں۔

بھیشم: بھیشم سے۔ بھیشم تو اس سنسار کی ہر ایک استری کو اپنی ماتا سمجھتا ہے۔ تم بھی میری ماتا ہو۔ (گھٹنے ٹیک کر) ماتا۔ اپنے پتر کو پرتگیا پالن کا آشیرواد دو۔

امبا: اتنا ابھیمان۔ استری جاتی کا اتنا ترسکار۔ استریوں ہی کی بھول ہے جو کنارے سے ٹکرا کر پھر کنارے کی طرف دوڑنے والی لہر کی طرح پُرش کی ٹھوکر کھا کر بھی پُرش کے پاؤں چومتی ہے۔ بھیشم استری ایک ہی طرف جھکتی ہے۔ پریم یا گھرنا۔ تم نے میرا پریم نہیں لیا۔ اب گھرنا ملے گی۔ آج سے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے میرا ایک ایک روم پرتی ہنسا پرتی ہنسا پکارتا رہے گا۔ اب جگت شونیہ ہوگیا۔ کوئی نہیں رہا۔ کیول امبا ہے، بھیشم ہے اور پرتی ہنسا ہے۔

بھیشم: دیوی شانت ہو۔

امبا: میری شانتی، میرا سُکھ، میرا سورگ اب جو کچھ ہے، پرتی ہنسا ہے۔ دیوتاو، میرے ہردے پر آگ برسا کر دیا اور شما کے بھاؤں کو جلا دو۔ ناری دُربلتا نشٹ کردو۔ رمنی کو راکشسنی بنا دو۔ میں بیاہ سُکھ، دھرم، مکتی کچھ نہیں چاہتی، کیول بھیشم کی مرتیو چاہتی ہوں۔ بس بھیشم کی مرتیو۔

(پاگلوں کی طرح بھاگ جانا۔ پرشورام کا آنا)

بھیشم: گرو دیو پرنام۔

پرشورام: کلیان ہو۔ دیوورت آنکھوں میں آنسو، کرودھ، بادل، بجلی لیے ہوئے امبا ابھی یہاں سے گئی ہے۔ نشچے تم سمجھ گئے ہوگے کہ میں نے تمھیں یہاں کیوں بلایا ہے۔

بھیشم: سمجھ گیا ہوں بھگون۔ کِنتو اس کے دُکھ کے ہونٹوں پر سُکھ کی ہنسی پیدا کرنے کے لیے میرے پاس کوئی اپائے نہیں۔

پرشو رام: نشچے۔ ہے۔

بھیشم: کیا؟

پرشورام: راجا شالو کی تیاگی ہوئی امبا کو کوئی چھتریہ راجا گرہن نہیں کرسکتا۔ تمھارے ہی کارن اسے دوش لگایا گیا ہے اور اب تم ہی اس سے بیاہ کرکے یہ کلنک دور کرسکتے ہو۔

بھیشم: گرودیو— گرودیو۔

پرشورام: تب کیا تم اس سے وواہ نہیں کروگے۔ سوچ کر اُتر دو۔ یہ پرشورام کی آگیا ہے۔

بھیشم: بھگونت بھرگو۔ کیا آپ نے ماتا گنگا کی جل دھارا کو ہمالے سے نکل کر ہمالے کی اور لوٹتے دیکھا ہے۔ میں بھی انھیں دیوی کا پُتر ہوں۔ میرا کرتویہ ہاتھ پکڑ کر جس پرتگیا مارگ پر لیے جارہا ہے، اُس مارگ سے کوئی گھٹنا، کوئی بوجھ، کوئی آشا، کوئی بھے مجھے الگ نہیں کرسکتا۔

پرشورام: دیوورت ساودھان۔ میں رشی جمدگنی کا پُتر پرشورام ہوں۔ آج تک کسی چھترانی

ماتا نے ایسے ویر کو جنم نہیں دیا جو میری آگیا کا اناور کرے۔ یدی تم نے بیاہ نہ کیا تو پھر تمھیں شستر پکڑ کر مجھ سے یدھ کرنا ہوگا۔

بھیشم: ششیہ اور گرو میں یدھ۔

پرشورام: ہاں۔

بھیشم: بھکت اور نارائن میں یدھ۔

پرشو رام: ہاں۔

بھیشم: نہیں گرودیو شما کیجیے۔ اسوابھاوک یدھ دیکھ کر دھرم کی آنکھوں کی شانتی چتر یہ بن جائے گی۔ میں آپ سے یدھ نہیں کرسکتا۔

پرشورام: یدھ نہیں کرسکتا۔ دیوورت، کیا یہ چھتریہ کے شبد ہیں؟

بھیشم: بھگون۔ یہ چھتریہ کے شبد نہیں، ایک شیشہ کی پرارتھنا ہے۔

پرشورام: پرارتھنا ہی کا نام ویروں کی بھاشا میں کایرتا ہے۔ بس بیاہ یا یدھ۔

بھیشم: پربھو۔ آپ نارائن بھی ہیں اور برہمن بھی۔ مں ترلوک کی شکتیوں سے بنا شستر لڑسکتا ہوں۔ کنتو آپ سے نہیں لڑسکتا جلوان دیا کیجیے۔

پرشورام: تمھارے پاس بل نہیں ہے تو میں شکتی کا وردان دے سکتا ہوں، دیا نہیں دے سکتا۔

بھیشم: اوہ ششیہ ہوکر گرو سے یدھ کرنا بھی ادھرم ہے اور چھتریہ ہوکر یدھ کے لیے للکار لے جانے پر شستر نہ اٹھانا بھی پاپ ہے۔ بھگوان آپ ہی بتا دیجیے کہ میں کس کرتویہ کا پالن کروں۔

پرشورام: امبا سے بیاہ کرو۔

بھیشم: یہ اسمبھو ہے۔

پرشورام: پرشورام کی آگیا نہ ماننے کا ساہس کرنا، جگت میں کیول یہی اسمبھو ہے۔ یدی میرے بھے، کرودھ، بل کو تمھارا چھتریہ دھرم اپمان سمجھتا ہے تو پھر یدھ کرو۔

بھیشم: گرودیو کی یہی آگیا ہے تو اچھا۔ بھگوان پرشورام اور بھیشم۔ ششیہ اور گرو۔ چھتریہ اور برہمن یدھ بھی کریں گے۔ ایسا یدھ کہ ہوا کا جیون بھی کٹ جانے

کے بھے سے بیچ میں نہ آسکے گا۔

پرشورام: تب تیار ہو جاؤ۔

بھیشم: آندھی، طوفان اور چھتریہ یدھ کے لیے سدا تیار رہتا ہے۔

پرشورام: اچھا تو شستر اٹھاؤ۔ میں اپنا فرشا اٹھاتا ہوں۔ دیوورت یہ وہی فرشا ہے جو ایکس بار چھتریہ رکت دھارا میں تیر چکا ہے۔

بھیشم: اس سمے کے چھتریوں میں کوئی دیوورت نہ تھا۔ آپ کا یہ ابھیمان بھنگ کرنے کے لیے بھیشم نے جنم لیا ہے۔

پرشورام: اچھا تو یدھ آرمبھ ہو۔ یہ جگت ایکس بار دیکھ چکا ہے۔ ایک بار اور دیکھ لے کہ وِدّیا، دھرم اور آتم شکتی نہیں، باہو بل میں بھی برہمن چھتریہ سے شریسٹھ ہوتا ہے۔ بھیشم یدھ کرو۔

بھیشم: آپ مجھے وردان دے چکے ہیں کہ کسی سے گرو اور ششیہ میں یدھ ہوا تو ششیہ ہی کی جے ہوگی۔ اس لیے شما کیجیے یہ میرا اور آپ کا یدھ نہیں، بھگوان سے بھگوان کی دی ہوئی شکتی کا یدھ ہے۔ ترلوک کی شکتیو آؤ اور دیکھو، یدھ اسے کہتے ہیں۔

(ہاتھ جوڑ کر پرنام کرنا اور یدھ کرنا)

پرشورام: دیوورت، تم کیول میرا وار روک رہے ہو۔ آکرمن نہیں کرتے۔ چھتریوں کی طرح یدھ کرو نہیں تو کہہ دو کہ میں چھتریہ نہیں ہوں۔

بھیشم: اچھا بھگون۔ اب ایسا ہی یدھ ہوگا کہ آپ کے ہاتھ کا فرشا بھی ایک بار چھتریہ بل کی جے پکار اٹھے۔

(پھر یدھ ہونا۔ دیوتاؤں کے ساتھ مہادیو کا پرویش)

مہادیو: بھرگو، شانت ہو۔ یدھ ساپت کرو۔ ترلوک اس یدھ کو روکنے کے لیے دہائی دے رہا ہے۔

پرشورام: وشوناتھ۔ یہ یدھ بھاگیہ کی اِچھا کی طرح اٹل ہے۔ بھیشم پرہار کرو۔

بھیشم: گرو کی آ گیا ہے۔ دیوگن شما کریں۔

(دونوں لڑتے ہیں۔ بھیشم کے وار سے فرشا گر پڑتا ہے)

سب دیوتا: دھرم ویر بھیشم کی جے۔

بھیشم: بس اور نہیں۔ (تلوار پھینک کر پرشورام کے پاؤں تھام لیتا ہے) بھگون میرا اُپرادھ شما کرو۔

پرشورام: دیوورت۔ میں جگت اور دیوتاؤں کو تمھارے ستیہ اور پرتگیا کی مہما دکھانا چاہتا تھا۔ یہ یدھ نہ تھا۔ تمھارے ہردے بل کی پریکشا تھی۔ ویردھنیہ ہو۔

(بھیشم کو گلے لگانا۔ اُمبا کا آنا)

امبا: یہ کیا — یہ کیا۔ جس پاشان ہردے کو دھکار کہنا چاہیے، اُسے بھگوان دھنیہ کہہ رہے ہیں۔ اور یہ کون؟ دیوتا گن۔ یہ شبد سن کر تمھاری گھرنا بھی کرودھ سے گرج اٹھنے کے بدلے ابھی تک شانت ہے۔

پرشورام: دیوورت، جاؤ وشرام کرو۔

بھیشم: جو آ گیا۔ دیوتا گن، پرنام۔

(جانا چاہتا ہے مگر امبا روکتی ہے)

امبا: انیائی کاریہ۔ ٹھہرو، کہاں جاتے ہو۔ تم نے استری کا ہردے توڑ کر اکشمیہ پاپ کیا ہے۔ اس پاپ کا دنڈ ابھی نہیں ملا۔ تمھیں بھر گو سے یدھ کرنا ہوگا۔

پرشورام: دیوورت، تم جاؤ (بھیشم کا جانا) امبا۔ اب یدھ نہیں ہوگا۔

امبا: کیا کہا، یدھ نہیں ہوگا۔ کیا تمھیں نے اکیس بار چھتریوں کا ناش کیا تھا۔ کیا تمھارا ہی نام سن کر چھتریوں کی بجھی ہوئی چتا بھی کانپ اٹھتی ہے۔ کیا تم ہی جمدگنی کے پتر پرشورام ہو نہیں تم بھیشم جیسے تچھ منشیہ سے ڈر گئے، اس لیے پرشورام نہیں ہو۔ میں آج سے تمھیں پرشورام نہیں کہوں گی اور تیج شالی براہمن سمجھ کر

پرنام بھی نہیں کروں گی۔

پرشورام: یہ روپ چھوڑ کر ناری بنو۔ میں تمھیں آشیرواد دوں گا۔

امبا: مجھے آشیرواد نہیں پرتی ہنسا چاہیے۔ (مہادیو سے) کیلاش پتی، کیا تم بھی میری سہایتا نہیں کرسکتے۔ میں دکش نندنی ستی کی دہائی دیتی ہوں۔

مہادیو: کیا مانگتی ہے؟

امبا: بھیشم کی مرتیو کا وردان۔

مہادیو: بھیشم کی مرتیو تمھارے دوارا ہوگی۔ لیکن ناری روپ میں نہیں، نر روپ میں۔ اس جنم میں نہیں دوسرے جنم میں۔

امبا: بس پالیا۔ سب کچھ پالیا۔ میری آتم پرانے کپڑے کی طرح آج ہی اس شریر کو اتار پھینکے گی۔ دھرتی، آکاش، سوریہ، چندر، یہ میری تم سے انتم بھینٹ ہے۔ سنسار تجھ سے وداع ہوتی ہوں، اب تو مجھے اس جنم میں نہیں اُس جنم میں دیکھے گا۔

(امبا کا جانا)

مہادیو: چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح اپنی سانس سے وایو منڈل میں وش پھیلاتی ہوئی چلی گئی۔ وچتر استری ہے۔

پرشورام: اس سے ایسا پرتیت ہوا مانو پاپ نشہ پی کر پاگل ہوگیا ہے۔

مہادیو: وہ دیکھو پرتی ہنسا کے نرک میں آتما ہتیا کے دروازے سے پرویش کرنا چاہتی ہے۔

(سین کا ٹرانسفر۔ شام کا سمے۔ پہاڑ کے پیچھے سورج ڈوب رہا ہے۔ جلتی ہوئی چتا میں امبا بیٹھی دکھائی دیتی ہے)

امبا: جل جا۔ جل جا۔ اے شریر جل جا۔ پرنتو ساودھان۔ پرتی ہنسا کا وچار نہ جلنے پائے۔ بھیشم کی کامنا نہ جلنے پائے۔

بھیشم: ناری— یہ کیا؟

امبا: نشٹھر من۔ شریر کا ناش ہوتا ہے۔ آتما کا ناش نہیں ہوتا۔ دوسرے جنم میں مرن جیون کا پھر طوفان بن کر ٹوٹنے کے لیے آج آگ کی لہروں میں ڈوب رہی ہوں۔ ایک بار پھر ملوں گی، کنتو اس روپ میں نہیں، بھیشم کی مرتیو کے روپ میں— مرتیو— بھیشم کی مرتیو۔

(چتا میں جل جاتی ہے)

—پردہ—

باب تیسرا — سین پہلا

پانڈو آشرم

(پانچوں پانڈو متفکر بیٹھے بات چیت کر رہے ہیں)

ارجن: ہم نے پورے راجیہ میں سے کیول پانچ گاؤں مانگے۔ کنتو دُریودھن کا انیائے ہے۔ دیکھو کہتا ہے کہ ہم سوئی کی نوک کے برابر بھی دھرتی نہ دیں گے۔

بھیم: ایسا ہوتا تو بھیم کی پرتگیا کیسے پوری ہوتی۔ جس جانگھ پر دُریودھن دروپدی کو بٹھانا چاہتا تھا، وہ جانگھ اپنی گدا سے کون توڑتا۔ جن بالوں کو پکڑ کر دروپدی کو کھینچتے ہوئے جوے منڈپ میں لایا گیا تھا، اُن بالوں کو ادھم دُشاشن کے لہو سے کون سینچتا۔

یدھشٹر: یدوناتھ سے میں نے کہا کہ کوروؤں کی شکتی ان کی سینا ہے اور پانڈوؤں کا بل شری کرشن ہیں۔

باب تیسرا ــــ سین دوسرا

دوارکا میں شری کرشن کا بھون

(رات کا سمے ہے۔ آکاش پر تارے ہیں۔ سارا بھون دیپکوں کے اجالے سے جگمگا رہا ہے۔ شری کرشن جھولے میں بیٹھے بانسری بجا رہے ہیں۔ ستیہ بھاما اور رکمنی مگدھ ہوکر سن رہی ہے)

کرشن: سنسار میری مرلی کا گایا ہوا راگ، سمے کا پرواہ اس راگ کی لے، جیون اس کی تان، مرتیو اور پرلے اس کا سم، سکھ اور دُکھ، شانتی اور اشانتی، ہنسی اور آنسو اس مرلی کے سُروں کی بڑھتی دُھن ہے۔

(رکمنی اور ستیہ بھاما کا گانا)

رکمنی: پران ناتھ، ایک بات تو بتاؤ اور لکڑیوں کی طرح بانسری بھی تو ایک سادھارن لکڑی ہے۔ پھر اس میں اتنی آکرشن شکتی، اتنا رس، اتنی مٹھاس کہاں سے آگئی۔

کرشن: یہ بات مجھ سے کیوں پوچھتی ہو۔ اِسی بانسری سے پوچھو۔

رکمنی: اس سے کیوں پوچھیں۔ یہ تو اپنے کو رادھا سے بھی زیادہ مان والی سمجھتی ہے۔ تمھارے ہونٹوں کے سوا اور کسی سے بات کرنا ہی نہیں چاہتی۔

کرشن: سہاسنی۔ وچار سے دیکھ۔ اس بانسری کے اندر کچھ دکھائی دیتا ہے۔

رکمنی: کچھ نہیں۔

کرشن: بس تو اس میں شکتی اور مٹھاس اس لیے ہے کہ اس نے اپنے اندر کا میل اور

کوڑا باہر نکال کر پھینک دیا ہے۔ اسی پرکار جو لوگ اپنے ہردے سے سوارتھ اور اُہنکار نکال کر پھینک دیتے ہیں، اُن کی آتما بھی میری اس بانسری کی طرح آنند مدھر راگنیوں سے گونج اٹھتی ہے ہاں ایک اور نئی بات سنو گی۔

ستیہ بھاما: نئی بات۔ وہ کیا؟

کرشن: تم جانتی ہو رادھا کون تھی؟

ستیہ بھاما: ہاں، جی ہاں۔ جانتے ہیں۔ تمھارے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

رکمنی: برج کی رہنے والی ہماری سوت تھی۔

ستیہ بھاما: ایک گوالے کی لڑکی تھی۔

کرشن: ٹھیک۔ تمھیں نہیں، سارا بھارت اسی دھوکے میں ہے کہ رادھا برج کی ایک گوالنی تھی۔

رکمنی: دودھ دہی بیچنے والے کی لڑکی نہیں تو کیا کوئی راج کماری تھی۔

کرشن: پرنتو سنو۔ جسے تم شیام کی بھکتی کہتی ہو، اُسی کا نام رادھا ہے۔ بھکتی ہی تھی جو رادھا کا نام دھارن کرکے مجھ سے پریم کرنا سکھانے آئی تھی۔

ستیہ بھاما: رکمنی تم نے تو سورج کو بادل بن کر گھیر لیا ہے۔ اِدھر اُجالا آنے ہی نہیں دیتیں۔ ناتھ، میں روٹھ جاؤں گی۔ مجھ سے بھی تو باتیں کرو۔

رکمنی: واہ بہن۔ تم تو سارا سمندر اکیلے ہی پی جانا چاہتی ہو۔ اچھا ناتھ انھیں سے بات کرو— یہ روٹھنا جانتی ہیں تو کیا میں روٹھنا نہیں جانتی۔

کرشن: یہ کیا۔ ابھی میل اور ابھی جھگڑا— (ستیہ بھاما سے) تم کیوں روٹھو گی؟

ستیہ بھاما: بہت دنوں سے روٹھی نہیں ہوں۔ آج روٹھنے کو جی چاہتا ہے۔

کرشن: (رکمنی سے) اور تم کیوں روٹھ گئیں؟

رکمنی: روٹھوں گی نہیں، تو مناؤ گے کیسے؟

کرشن: کِنتو بیاہ کے سمے پریم کی شرط ہوئی تھی۔ روٹھنے اور منانے کی شرط نہیں ہوئی تھی۔

(دونوں ہنستے ہوئے چلی جاتی ہیں)

سونا بھی جیون کا نیم ہے۔ منشیہ روپ دھارن کیا ہے تو منشیہ جیون کے ہر ایک نیم کا پالن کرنا ہوگا۔

(کرشن کا سو جانا۔ داسی کے ساتھ دُریودھن کا پرویش)

داسی: دوارکا پتی وشرام کر رہے ہیں۔ مہاراج دریودھن آپ کو پربھو کے جاگنے تک پرتیکشا کرنا ہوگا۔

دریودھن: جاگنے کے بعد پھر سو سکتے ہیں۔ اُٹھا دو نا۔

داسی: داسی میں اتنا ساہس نہیں ہے۔ یہاں براجیے۔

(پائنتی کی طرف رکھے آسن کی طرف اشارہ کرنا)

دریودھن: میں کرشن کے پاؤں کی طرف بیٹھوں۔ کیا تم ہمارے بھارت میں کرشن ہی کو سب سے بڑا سمجھتی ہو۔ یہ کیول راجا ہیں اور میں سمراٹ ہوں۔

(سرہانے رکھے آسن پر بیٹھ جاتا ہے)

داسی: نریش۔ راجا اور سمراٹ ہونا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ میں دوارکا ناتھ شری کرشن کو ترلوک کا سوامی سمجھتی ہوں۔

(ارجن کا پرویش۔ دریودھن کو دیکھ کر)

اَرجن: یہ کون؟ دریودھن؟

دریودھن: مجھے یہاں دیکھ کر آشچر یہ کیوں ہوا۔ ارجن آشچر یہ کا دن تو وہ ہوگا جب تم کرن کے بانوں سے پران بچانے کے لیے بھاگتے ہوئے دکھائی دو گے۔

ارجن: دریودھن گھر استریوں کے لڑنے کی جگہ ہے۔ چھتریوں کے لڑنے کی جگہ رن بھومی ہے۔ تم اتنے گر گئے کہ شانتی بھون میں بھی بھائی سے بھائی کا برتاؤ نہیں کر سکتے۔

دریودھن: بھائی۔ کون بھائی۔ وہ نربج جو جوے میں اپنی استری تک ہار جائیں۔ وہ کایر جو دھنش دھاری اور گدادھاری کہلا کر بھری سبھا میں اپنی دھرم پتنی کا اپمان ہوتے ہوئے دیکھیں اور پران کے ڈر سے ہوں تک نہ کریں، میں انھیں اپنا بھائی کبھی نہیں سمجھ سکتا۔

(ارجن کرشن کے پاؤں کی طرف بیٹھ جاتا ہے)

داسی: (سرہانے کے آسن کی طرف اشارہ کرکے) ویرور آپ وہاں کیوں نہیں بیٹھتے۔ آپ بھی تو مہاراج کی طرح راج پتر ہیں۔

ارجن: میری جگہ شری کرشن کے چرن میں ہی ہے۔ اس چرن کے پرتاپ سے سنکٹوں پر جے پانا اور یہی چرن پکڑ کر بھوساگر سے پار ہونا ہے۔ یہی میرا یہ لوک اور یہی میرا پرلوک ہے۔

داسی: دونوں ہی راج پتر ہیں۔ کنتو ایک میں کتنی نمرتا اور دوسرے میں کتنا اہنکار۔

(کرشن جاگتے ہیں اور ارجن کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھتے ہیں)

کرشن: ارجن، تم کب آئے؟

دریودھن: جناردن۔ میں بھی اپستھت ہوں۔

کرشن: مہاراج دُریودھن۔ آپ بھی آئے ہوئے ہیں۔ ہستناپور میں تو سب کشل ہے۔ کیسے آئے۔

دُریودھن: کورو اور پانڈو۔ دونوں آپ کے سمبندھی ہیں اور دونوں پر آپ کی سمان کرپا ہے۔ میں ورتمان یدھ میں آپ سے سہایتا مانگنے آیا ہوں۔

کرشن: اور ارجن تم کیسے آئے ہو؟

ارجن: میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ تو اپنی شکتی سے منشیہ کے ماتھے کا لکھا ہوا پڑھ سکتے ہیں۔

دریودھن: ارجن بھی اسی لیے آیا ہے۔ کنتو میں ارجن سے پہلے آیا ہوں اور جو پہلے آیا

وہی نیتی اور نیائے کے انوسار آپ کی سہایتا کا ادھیکاری ہوسکتا ہے۔

کرشن: کنتو مہاراج دُریودھن، میں نے تو جاگنے کے بعد سب سے پہلے ارجن کو دیکھا۔

دریودھن: کیول دیکھنے سے پہلے کا ادھیکار دوسرے کو نہیں مل سکتا۔

کرشن: آپ بھی سہایتا مانگنے آئے ہیں اور ارجن بھی۔ کنتو میں نرنے کر چکا ہوں کہ اپنی سینا اور پرامرش سے سہایتا کرنے کے سوا سویم کسی کے پکش میں شستر نہ اُٹھاؤں گا۔ ایک طرف میری نارائنی سینا ہے اور ایک طرف میں ہوں۔ ان دونوں میں سے آپ اور اَرجن جسے چاہیں گرہن کرلیں۔

دریودھن: آپ اس یدھ میں کسی کی طرف سے شستر نہ اٹھائیں گے۔

کرشن: نہیں۔

دریودھن: کنتو مجھے تو شستر چلانے والے کی ضرورت ہے۔ آپ مجھے اپنی نارائنی سینا دے دیں۔

کرشن: سینا چاہتے ہیں، مجھے نہیں۔

دریودھن: ہاں۔ جب آپ یدھ ہی نہ کریں گے تو پھر میں آپ کو کشٹ دینا نہیں چاہتا۔

کرشن: اَرجن، تم کیا چاہتے ہو؟

ارجن: مجھے شستر بھی نہیں چاہیے، اور سینا بھی نہیں چاہیے۔ میں کیول شری کرشن کو چاہتا ہوں۔

کرشن: میں اکیلا خالی ہاتھ تمھاری کیا سہایتا کروں گا؟

ارجن: یدوناتھ۔ اکیلا سورج سارے سنسار کا اندھیرا دور کردیتا ہے جہاں آپ ہوں گے وہاں آپ کے چرن چومنے کے لیے جے کو بھی آنا پڑے گا۔

کرشن: اچھا نریش۔ کل یہاں سے دونوں پرستھان کریں گے۔ آپ کے ساتھ کرشن کی نارائنی سینا اور ارجن کے ساتھ کرشن۔

(کرشن، ارجن اور دریودھن جاتے ہیں)

باب تیسرا — سین تیسرا

ہستناپور کا راج بھون

(دھرت راشٹر، بھیشم پتامہ، گرو دروناچاریہ اور وِدُر جی موجود ہیں)

دروناچاریہ: نریش، یہ تلوار کی جھنکار نہیں سروناش کی چنگھاڑ ہے۔ روکیے، اب بھی روکیے، آپ نے اس یدھ کو نہ روکا تو کوروؤں پانڈوؤں کے لہو سے سب کچھ ڈوب جائے گا۔ آپ کا راج بھی، ونش بھی، بھارت بھومی بھی اور بھارت کا گورو بھی۔

دھرت راشٹر: دروناچاریہ جی، میں باپ ہوں اور دُریودھن بیٹا ہے۔ بیٹے کو سولی نہیں دے سکتا، گلا نہیں گھونٹ سکتا، کیول سمجھا سکتا ہوں۔ کنتو کیا کروں۔ وہ میری نہیں مانتا۔ جس طرح ہوا سے آگ بھڑکتی ہے۔ اسی طرح سمجھانے سے اس کا غصہ بھڑکتا ہے۔

وِدُر: مہاراج، شما کیجیے۔ یہی شبد ہیں جنھیں سن کر دھوکا ہوتا ہے کہ آپ ہی کا پریم پُتر دریودھن کی سلگائی ہوئی آگ میں ایندھن جھونک رہا ہے۔

دھرت راشٹر: بھائی وِدُر تم بھی مجھے دوش دیتے ہو۔

بھیشم: دروناچاریہ جی۔ آپ اور وِدُر جی ایک بار جاکر پھر دُریودھن کو سمجھائیں کہ ہٹ چھوڑ دے اور کہیں کہ اس یدھ میں تیرا کلیان نہ ہوگا۔ کارن، کہ ایک طرف انیائے، ابھیمان اور خوشامد ہے اور دوسری طرف دھرم راج یدھشٹر کی تپسیا، ارجن کا پراکرم، بھیم کی پرتگیا، دروپدی کے آنسو اور ترلوکی ناتھ بھگوان شری

کرشن کی کرپا ہے اور یہ بھی کہیں کہ جدھر شری کرشن ہیں، اُدھر دھرم ہے اور جدھر دھرم ہے اُدھر جے ہے۔

دوناچاریہ: (وِدُر سے) آیئے۔ ایشور اُسے سمجھ دے۔

بھیشم: دُریودھن تو وہ پاپ کررہا ہے جس کا ہزار جنم میں بھی پرائشچت نہ ہوسکے گا۔ مورکھ سمجھ جا۔ نہیں تو تیرے کارن بھارت کے بھوشیہ کا اتہاس بھارت ماں کے آنسو سے لکھا جائے گا۔

باب تیسرا — سین چوتھا

راج بھون

(بھیشم اور شکونی کا پرویش)

شکونی: پانڈوؤں کا سہارا کیول کرشن ہیں۔ پرنتو وہ اکیلے کرے گا ہی کیا؟

بھیشم: کیا کہا۔ دیو کی نندن شری کرشن کچھ نہیں کر سکتے۔ کنس کا راج، رکمن کا بل، ششو پال کا ابھیمان مٹانے والے، دروپدی کی لاج بچانے والے، کوروؤں کی سبھا میں وراٹ روپ دکھانے والے جناردن کچھ نہیں کر سکتے۔

(دُریودھن کا آنا)

دُریودھن: کیا کر سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی نارائنی سینا بھی تو ہمیں دے دی ہے۔

بھیشم: یدوناتھ نے اپنی نارائنی سینا تمھیں دے دی ہے۔ کنتو اپنا آتم بل تمھیں نہیں دیا۔ دُریودھن میں جانتا ہوں کہ تو نہیں سمجھے گا۔ پھر بھی دل نہیں مانتا۔ ایک بار پھر سمجھاتا ہوں کہ پانڈوؤں جیسے شا شیل، دھرمی، پرتاپ شالی بھائیوں کو اپنا شترو نہ بنا۔ اس یدھ میں تیرا کلیان نہ ہوگا۔

دُشاشن: پتامہ۔ آپ سب کے ساتھ نیائے کرتے ہیں کنتو کوروؤں اور ان کے متروں کے ساتھ نیائے نہیں کرتے۔

بھیشم: لوٹ آ دریودھن۔ خوشامدیوں کے بتائے ہوئے راستے سے اب بھی لوٹ آ۔ طوفان سامنے سے چلا آرہا ہے۔ نہ لوٹا تو کوروں اور پانڈوؤں کے لہو میں

بھارت ڈوب جائے گا۔

دُریودھن: ڈوبتا ہے تو ڈوب جانے دو۔ بھارت کے بھاگیہ کے اکشر مرن شکتی سے نہیں لکھے گئے ہیں۔

(شکونی، دُریودھن اور دُشاشن کا جانا)

بھیشم: (اپنے سامنے ایک چھایا دیکھ کر) کاشی راج کی کنیا امبا۔ کیا پچھلی گھٹناؤں کی یاد میرے سامنے جاگرت کا سوپن بن کر آئی ہے۔ ہونٹ ہل رہے ہیں۔ بولو بولو، چھایا مورتی تم کون ہو؟

چھایا: بھیشم کی مرتیو۔

بھیشم: ارتھات۔

چھایا: میں امبا کے روپ میں امبا کو دیا ہوا شیو وردان ہوں۔

بھیشم: کنتو، امبا تو چتا میں جل چکی۔

چھایا: امبا کے ساتھ شنکر کا وردان نہیں جلا۔ اُس نے بھیشم سے پرتی ہنسا کے لیے پھر جنم لیا ہے۔

بھیشم: کس روپ میں۔

چھایا: وہ روپ آج کے دسویں دن تمھیں یدھ بھومی میں دکھائی دے گا۔ (جانا چاہتی ہے)

بھیشم: ٹھہر۔ چھایا مورتی۔ سن ایک بات۔

چھایا: پرتی ہنسا۔ پرتی ہنسا۔ پرتی ہنسا۔

(چھایا لُپت ہوجاتی ہے)

باب تیسرا — سین پانچواں

یدھ بھومی

کرشن: یدھ آرمبھ ہونے کے سمے بھی اپنے سامنے بھائیوں اور گروؤں کو دیکھ کر تم نے دربلتا پرکٹ کی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں نے جیون اور مرن۔ اور نش کام کا رہسیہ سمجھانے کے لیے جو گیان اُپدیش تمھیں دیا تھا، ویرتھ ہوا۔

ارجن: دیو، مجھے ایک ایک شبد یاد ہے۔

کرشن: میں اپنے شبدوں کی نہیں، شبدوں کے ارتھ کی پوجا چاہتا ہوں۔ ارتھ سمجھ گئے ہو تو نش کام کرم کے لیے تیار ہوجاؤ اور کرم کا پرینام ایشور کو ارپن کردو۔

شکھنڈی: (یدھ بھومی کی طرف دیکھتے ہوئے) بھیشم بھیشم۔ یدھ کے باجوں کے کولاہل میں۔ شستروں کے ٹکرانے میں، ویروں کے گھائل ہوکر گرنے کے شبدوں میں، جدھر سنو، سب طرف بھیشم ہی کا نام سنائی دیتا ہے۔

کرشن: ارجن، سن رہے ہو۔ سنسار میں کوئی امر نہیں ہے۔ پھر کیا سرشٹی کا نیم جھوٹا کرنے کے لیے بھیشم جیتا رہے گا۔

شکھنڈی: کیشو۔ یدی ارجن بھیشم سے لڑنا نہیں چاہتے تو مجھے آگیا دیجیے۔ آپ جانتے ہیں کہ راج کماروں کے شستر سماپت ہونے کے دن اپنے پچھلے اپمان کا بدلہ لینے کے لیے دروناچاریہ نے پانڈوؤں سے گرو دکشنا میں یہ مانگا تھا کہ میرے شترو راجا دروپد کو قید کرکے لاؤ اور اس یدھ میں دروناچاریہ کی اچھا پوری کرنے کے لیے سب سے زیادہ سہایتا بھیشم نے ہی کی تھی۔ اپنے پتا کے اُس نرادر کا بدلہ لینے کے لیے میں اس سنگرام شستر کو گرہن کرتا ہوں۔

ارجن: شکھنڈی۔ بدلہ لینا اسمبھو ہے۔ کیا تم نے یہ بات نہیں سنی کہ جس شکتی نے اپنی ماتا کے گربھ سے پُرش روپ میں جنم لیا ہے وہ پتامہ کے ہاتھ سے شستر نہیں گرا سکتا۔

شکھنڈی: تو ارجن سن لو۔ میرا جنم بھی پُرش روپ میں نہیں ہوا تھا۔ اپنے پتا راجا درپد کو ملے ہوئے وردان کے پرتاپ سے پُرش ہوگیا ہوں۔

کرشن: شکھنڈی، تمھاری اچھا پوری ہوگی۔ کنتو تمھارے ہاتھ سے نہیں۔ تمھاری آڑ میں ارجن کے ہاتھ سے۔

شکھنڈی: کسی کے ہاتھ سے ہو۔ مجھے بھیشم سے بدلہ چاہیے۔ کنتو میرا بدلہ لینے کے وچار نے ابھی تک پرتگیا کا روپ دھارن نہیں کیا ہے۔ پھر بھی تین دن سے کوئی شکتی سوپن میں آکر مجھ سے کہہ رہی ہے کہ تیری پرتگیا پوری ہونے کا دن آگیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے کیا پرتگیا کی تھی اور کب کی تھی۔ اس جنم میں کی تھی یا پچھلے جنم میں۔

کرشن: ارجن۔ پھر سنو۔ باپ، بھائی، بٹیا، متر، گرو، سنسار کے سارے سمبندھ نام ماتر کے ہیں۔ جیسے پانی کی لہر کبھی جھاگ، کبھی بادل، کبھی ورشا بنتی ہے، ویسے ہی آتما بھی ہر ایک روپ دھارن کرتی رہتی ہے۔ اس لیے ویر آکرمن کرو۔ سنسار میں کوئی کسی کا نہیں ہے۔ صرف ایک ہی اپنا ہے اور اس کا نام کرم ہے۔

ارجن: اچھا پربھو۔ یہی ہوگا۔ پوتے اور دادا کا یدھ اس بات کی سوچنا دے رہا ہے کہ کل یگ بھارت کے دروازے پر آپہنچا۔

کرشن: شکھنڈی۔ چھتریہ دھرم یاد دلانے کے لیے تم ارجن کے ساتھ رہو۔

باب تیسرا — سین چھٹا

رن بھومی کا دوسرا بھاگ

(دونوں سینائیں آمنے سامنے ہیں۔ دُریودھن اور دُشاشن باتیں کررہے ہیں)

دُشاشن: دیکھ رہے ہو۔ دیکھ رہے ہو۔ یہ بوڑھا آکاش جس کے منھ پر سے کے ساتھ ساتھ جھریاں پڑگئی ہیں، اُس نے بھی ایسا بھیشن یدھ نہ دیکھا ہوگا۔

دُریودھن: کرشن نے وچن دیا ہے کہ میں کسی کے پکش میں شستر نہ اُٹھاؤں گا۔ کنتو پتامہ نے پرتگیا کی ہے کہ یدی آج کے یدھ میں کرشن کو بھی شستر اٹھانے کے لیے بادھیہ نہ کردیا تو میں چھتریہ نہیں اور گنگا پُتر بھی نہیں۔

دُشاشن: دُربھاگیہ۔ منشیہ کا ناش ہونے سے پہلے اُس کی بدھی کا ناش کردیتا ہے۔ جب ہی تو ان مورکھ پانڈؤں نے اتنے ویروں کے ہوتے ہوئے آج شکھنڈی کو سیناپتی بنا دیا ہے۔

دریودھن: دُشاشن۔ ساودھان۔ یدھ ساپت ہونے تک پتامہ اسے نہ دیکھیں کیونکہ انھوں نے صاف شبدوں میں کہہ دیا ہے کہ شکھنڈی کو میرے سامنے نہ آنے دینا۔ اس پُرش روپی استری کا سامنا ہوا تو میں شستر پھینک دوں گا۔

دشاشن: تب ہمیں اُسے گھیر لینا چاہیے۔

دریودھن: ہاں چلو گھیر لو۔ ٹھیک اسی طرح جیسے بھاری طوفان تھپیڑوں سے آتے جہاز کو گھیر لیتا ہے۔

غیبی آوازیں: مہا بلوان بھیشم کی جے — پتامہ کی جے۔

کرشن: ارجن بھیشم کا پتن ہی دریودھن کی پراجے ہے۔ کوروں کے دن کو رات بنانا چاہتے ہو تو بس اس ویرتا کے سوریہ کو اپنے ہاتھوں سے ڈباؤ۔

ارجن: بس دیو۔ میں نے سب طرف سے منھ پھیر لیا۔ اب کیول چھتریہ کا کرتویہ آنکھ کے سامنے ہے۔

بھیشم: مل گئے۔ نر اور نارائن دونوں ایک ساتھ مل گئے۔ کُنتی نندن آج میرا تمھارا یدھ ہے۔ ویر یہ یدھ ایسا ہونا چاہیے کہ ایک بار تمھارے رکشک شری کرشن بھی کہہ دیں کہ دھنیہ ہے۔ ویر بھیشم اور میں گورو سے چھاتی پھلا کر کہہ اُٹھوں کہ دھنیہ ہے اُرجن۔

کرشن: دُریودھن راجا نہیں ہے، ایک ڈاکو ہے اور دوسروں کا ادھیکار لوٹنے میں تم اس ڈاکو کی سہایتا کر رہے ہو۔

بھیشم: میں یدھ کی پکار کے سوا آج کسی کی پکار نہیں سنوں گا۔ جناردن۔ اُرجن کی رکشا کے ساتھ اپنی رکشا بھی کیجیے۔ بھیشم کے بان جو گگن کے تارے کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں، آج آپ کو بھی رتھ پراستھر نہیں رہنے دیں گے۔ (بان مارتا ہے)

کرشن: ارجن۔ رن بھوی کے لیے مرتیو سدا تمھارے بانوں کے آگے آگے چلتی ہے۔ آج یہ پرمانت کردو کہ تمھارا دھنش دھنش ہی ہے، چولھے میں جلنے سے بچ گئی ہوئی لکڑی کا ٹکڑا نہیں ہے۔

بھیشم: شاباش دھنیہ ہے وہ ماتا جس نے ارجن سے ویر کو جنم دیا۔ یہ لو ویرتا کا انعام۔ (بان مارتا ہے)

(بھیشم کے بان سے کرشن کا گھائل ہونا)

کرشن: ساہس کا ابھیمان بڑھتا جاتا ہے۔ بہت شما کیا۔ پاپ کے سہایک کیا تو نے نرنے کر لیا ہے کہ دھرم کا کوئی رکشک نہیں۔ اچھا میرا وار روکو۔ دیکھوں تمھیں جگت کیوں اچیے سمجھتا ہے۔

(رتھ کا پہیہ نکال کر وار کرنا)

ارجن: یہ کیا۔ یہ کیا۔ کیشو۔ کیا آپ اپنا وچن بھول گئے۔

بھیشم: بھگون۔ میں نے پرتگیا کی تھی کہ آج کے یدھ میں آپ کو بھی شستر اُٹھانے کے لیے بادھیہ کردوں گا۔ بھکتی کا مان بڑھانے کے لیے آپ نے شستر گرہن کرکے بھکت کی پرتگیا پوری کردی۔ سدرشن دھاری وکرال مورتی میں آپ کی کرپا کو دنڈوت کرتا ہوں۔

کرشن: کوروں کا ناش ہونے سے پہلے تمھارا ناش ہونا چاہیے۔ کیونکہ جب تک تم جیتے ہو، ان کا انیائے اور ابھیمان بھی جیتا رہے گا۔ میں تمھیں یدھ کے لیے للکارتا ہوں۔

بھیشم: منشیہ ہو، راکشش ہو، دیوتا ہو، کوئی ہو، اس کی للکار کا جواب اپنے شستر کی جھنکار سے دینا چھتریہ کا دھرم ہے اور میں بھی چھتریہ ہوں۔

(کرشن کا پھر سے پہیہ اٹھا لینا)

کرشن: تب سنبھل جاؤ۔

(شکھنڈی کا آنا)

شکھنڈی: یدوناتھ، ٹھہریے۔ آج میں سیناپتی ہوں۔ اس لیے بھیشم کا پتن میرے ہاتھ سے ہونا چاہیے۔

بھیشم: (آشچریہ سے) وہی مورتی، وہی روپ، جوانی میں دیکھا ہوا سوپن، آج بڑھاپے میں پھر دیکھ رہا ہوں۔ بولو۔ بولو۔ میری تمھاری ساکشات کہاں ہوئی تھیں۔ میں نے تمھیں کہیں دیکھا ہے۔

شکھنڈی: اس جنم میں آج ہی تمھارے سامنے آیا ہوں۔ سمبھو ہے کہ تم نے میرے پچھلے جنم میں مجھے دیکھا ہو۔

بھیشم: اتم سے امبا کی آنکھوں میں بھی ایسی ہی آگ دھک دھک جل رہی تھی۔ تم

کون ہو؟

شکھنڈی: جگت کے لیے مہاراج دُرُپد کا یوراج اور تمہارے لیے پرتی ہنسا۔

بھیشم: تمہارا نام؟

شکھنڈی: شکھنڈی۔

بھیشم: بس جیون مرن کا کھیل سماپت ہوگیا۔ میرے پیارے دھنش بان، میرے چھتریہ دھرم کے رکشک۔ میرے بچپن سے بڑھاپے تک کے سچے ساتھیو۔ جاؤ۔ اب کسی اور ویر کے کندھے اور ہاتھوں کی شوبھا بنو۔

شکھنڈی: یہ کیا؟ اسی ذربلتا پر اپنے کو بھیشم کہتے ہو۔

بھیشم: میں جگت کی ہر استری کو ماتا کہہ چکا ہوں۔ اس لیے استری کسی روپ میں بھی آئے بھیشم اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔

شکھنڈی: تم شستر پھینک بھی دو تو بھی میں دیا نہیں کروں گا۔ مجھے تمہاری ہار نہیں مرتیو چاہیے۔

(بھیشم پر بان چلانا)

کرشن: (ارجن سے) اس کے بان سے یہ پہاڑ چور نہیں ہوسکتا۔ بھیشم نے آنکھیں بند کرلی ہیں۔ شکھنڈی کی آڑ سے بان مار کر سدا کے لیے یہ آنکھیں بند کردو۔

ارجن: اُف یہ جیون کا سب سے کٹھن کرتویہ ہے۔ ہاتھو، کانپو نہیں۔ واسودیو کی آگیا ہے۔ پالن کرنا ہی ہوگا۔

(پرنام کرکے بان چلانا)

بھیشم: اوہ۔ پران کی جڑیں ہل گئیں۔ شکھنڈی کے بان میں اتنا بل نہیں ہوسکتا۔ دھرتی ماتا اپنی سنتان کو اپنی گود میں جگہ دو۔

(بھیشم کا دھرتی پر گرنا)

شکھنڈی: میری پرتی ہنسا پوری ہوئی۔

(شکھنڈی کا جانا اور کئی لوگوں کا ایک ساتھ آنا)

ارجن: یہ کیا کیا۔ ارے ارجن یہ تو نے کیا کیا۔ واسودیو اِس مہاپاپ کا کیسے پرائشچت ہوگا۔

یدھشٹر: بھارت کا سورج ڈوب گیا۔

بھیم: دھرتی اور آکاش آشچریہ میں ہیں کہ تم ابھی تک اِستھر ہو۔

دریودھن: (آکر) پتامہ اٹھو۔ پھر شستر گرہن کرو۔ تمھیں ہماری آشا اور تم ہی ہماری جے ہو۔

بھیشم: میں یوگ ابھیاس سے سوریہ اُترائن تک جیوت رہوں گا۔ اب سنسار کی اِچھاؤں میں سے کیول ایک ہی اچھا ہے کہ پران تیاگنے سے پہلے تم بھائیوں کو گلے ملتے دیکھ لوں..... تھوڑا جل۔

دریودھن: دُشاشن جاؤ جل لاؤ۔

بھیشم: گردن ڈھلی جاتی ہے۔ کچھ سہارا دو۔

دُریودھن: ایک ریشمی تکیہ — دوڑو۔

بھیشم: رن بھومی میں چھتریہ کے لیے ریشم کا تکیہ۔

(دُشاشن جل لے کر آتا ہے)

دریودھن: جل لیجیے۔

بھیشم: یہ جل نہیں۔ ارجن تم جل پلاؤ۔

(ارجن بان مار کر پاتال سے جل دھارا نکالتا ہے۔ پاتال گنگا کا جل بھیشم کے منھ میں گرتا ہے۔)

ارجن: پتامہ اُپستھِت ہے۔

بھیشم: پتر آیوش مان۔ بھگوان کی لیلا ہے (کرشن سے) اب تمھاری کرپا کا سمے ہے۔ میری آتما کے دوشوں کو اپنی اسیم دیا سے ڈھانک دو اور اس پرلوک یاترا میں میرا سہارا بنو۔

کرشن: کرم ویر۔ اپنی دوّیہ شکتی سے دیکھو۔ دیوگن، ہاتھوں میں جے مال لیے سورگ کے دروازے پر کھڑے ہوئے سوارتھ وجئی بھیشم کے سواگت کا گیت گا رہے ہیں۔ تم نے اپنے دھرم بل سے یہ لوک بھی جیت لیا اور پرلوک بھی۔

(بھیشم کی آتما سورگ کی اور جاتی ہے۔ سورگ میں دیوتا بھیشم کا سواگت کرتے ہیں)

—پردہ—

ختم

آنکھ کا نشہ

(جوانی کی بھول)

1924

آنکھ کا نشہ (1924)

یہ ڈراما اکثر جگہوں پر ''جوانی کی بھول'' کے نام سے بھی کھیلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں محققین کے درمیان کسی قسم کا اختلاف رائے نہیں۔ آغاحشر نے اسے جے ایف میڈن اینڈ کمپنی کے لیے 1924 میں لکھا تھا اور پہلی بار اسے کلکتہ کے اسٹیج پر پیش کیا گیا۔ یہ ڈراما اس عہد کے شراب و شباب کے شوقین لوگوں کی بے راہ روی اور بے سہارا عورتوں کی مجبوری اور بدحالی سے فائدہ اٹھانے والے سماج کے لوگوں کی عکاسی کی غرض سے لکھا گیا تھا، جو ہندوستانی سماج کے لیے اس وقت ایک بڑا چیلنج تھا۔ اس کی ہیروئن کام لتا کو حالات نے طوائف بننے پر مجبور کردیا ہے اور اس کے دل میں سماج سے بدلہ لینے کا جذبہ اپنی انتہا پر پہنچ چکا ہے۔ اس کے ایک ایک مکالمے میں انتقام کی شعلگی اور طنز کے نشتر موجود ہیں جو سماج کے نام نہاد ٹھیکے داروں کی نیند حرام کردینے کے لیے کافی ثابت ہوئے۔ اس اعتبار سے آغاحشر کے ہندی ڈراموں میں یہ ڈراما خاص اہمیت کا حامل ہے۔

اس ڈرامے کا ایک قلمی مسودہ اور دو مطبوعہ نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ قلمی مسودہ نیلی روشنائی سے اردو رسم خط میں نہایت خوش خط، صاف اور باریک قلم سے لکھا ہوا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں پنسل سے آغاحشر کے ہاتھ کی اصلاح موجود ہے۔ اس مسودے میں کاتب کا نام اور تاریخ کتابت کہیں درج نہیں۔ مشمولہ متن کی تیاری کے دوران اسے خاص اہمیت دی گئی ہے۔ دو مطبوعہ نسخوں میں سے ایک ٹھاکر پرساد اینڈ سنز، بک سیلر، وارانسی کا شائع کردہ ہے، جو ہندی رسم خط میں ہے۔ اس میں کسی جگہ سنہ اشاعت درج نہیں۔ ڈرامے کے سرورق پر مترجم کی حیثیت سے ''داس'' کا نام درج ہے، جس نے اس کی زبان کو سنسکرت آمیز کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس مطبوعہ نسخے کی

زبان آغا حشر کی زبان سے یکسر مختلف ہوگئی ہے۔ دوسرا مطبوعہ نسخہ خود آغا جمیل کاشمیری (اس کلیات کے مرتبین میں سے ایک) اور جمیلہ عالی جعفری نے مشترکہ طور پر مرتب کیا ہے، جو 1981 میں اے جے پرکاشن، وارانسی کے زیر اہتمام شائع ہوا تھا۔ اس مطبوعہ نسخے کو متن کی تیاری میں بنیادی طور پر استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ اس کا متن مذکورہ بالا اصل مسودے کو بنیاد بنا کر ہی تیار کیا گیا ہے۔

ناٹک کے پاتر

پُرش پاتر:

1۔	جُگل کشور	کلکتے کا ایک دھنوان نو یُوک
2۔	بنی پرساد	کلکتے کا دوسرا دھنواں نو یُوک۔ جگل کا سہ پاٹھی متر
3۔	مادھو	جگل کا چچیرا بھائی
4۔	کندن لال	کلکتے کا ایک مہاجن
5۔	سدا رنگ	سارنگیا
6۔	نیل کنٹھ	تبلچی
7۔	ماتا دین	کندن لال کا جمعدار
8۔	چھیدی	مادھو کا نوکر

بیلف۔ پولس۔ افسر۔ سپاہی۔ تماش بین۔ گرام واسی، دکان دار اِتیادی

اِستری پاتر:

1۔	سروجنی	جگل کی دھرم پتنی
2۔	کام لتا	کلکتے کی پرسدّھ ویشیا
3۔	راج کنور	کام لتا کی ماں
4۔	کامنی	کام لتا کی لڑکی
5۔	دلاری	کٹنی

داسیاں۔ سادھوی استریاں۔ نرتکی اتیادی

انک پرتھم — درشیہ پرتھم

جنگل کا مکان

(سہگان)

موہے کردھر کر بھو ساگر سے کرو اُدّھار۔
تھر د اُدھار ہے جگت کے دُکھ ہرتا۔
سُکھ راشی، دکھ ناشی، تھری دیا کے سُر نر ابھیلاشی
بارمبار، سنسار چرنن سیس ہے دھرتا
تم دین بندھو ہو۔ کرونا سندھو ہو۔ وِپد بہاری آس تمھاری۔
بھنور میں ڈولت ہے نیّا۔ تمھیں کھویا ہو۔ سکھ کرتا۔

(سروجنی منگدھ درشٹی سے آکاش کی طرف اور داسیاں آشچریہ بھاؤ سے اسی کے مکھ کی اور دیکھ رہی ہیں)

داسی 1: ہردے کی دنیا میں پریم کی راگنی بج رہی ہے۔ اس راگنی میں مدھو کی مٹھاس بھی ہے اور مدرا کا نشہ بھی۔

داسی 2: پریتم کے دھیان میں من ایسا لین ہے مانو ایک مدھر سوپن دیکھ رہی ہیں جس سے جاگنا نہیں چاہتیں۔

داسی 1: بڑی دیر سے من کا پنچھی وچار کے سندر پنکھ پھیلائے آکاش میں اُڑ رہا ہے۔ کیا سوچ رہی ہو؟

سروجنی: سوچ رہی ہوں کہ سنسار کی وستوؤں میں پتی کون سی وستو ہیں؟

داسی 1: پتی ناری جیون کی پرتھم اوشا ہیں۔

داسی 2: گرہستھ آشرم کے مکھ پر کھیلتی ہوئی شانتی کی مسکراہٹ ہیں۔

داسی 1: استری کے ہردے اور آتما کے بیچ میں بہتی ہوئی سکھ کی ترنگ ہیں۔

سروجنی: سچ کہتی ہو جیسے ایک بالک تاروں سے جگمگ کرتے ہوئے آکاش کو وسمت بھاو سے دیکھتا، کنتو اُس کے جگمگانے کا کارن نہیں سمجھ سکتا، اُسی طرح میں بھی پہلے نہیں سمجھتی تھی۔ کنتو پتی مندر میں آکر ان کی چرن سیوا کا سکھ پانے کے بعد سمجھی کہ جگت کیوں اتنا سندر اور کیوں اتنا منوہر ہے؟ دیوتا مجھے اپنی اننت بھکتی کا وردان دو۔ میں تمھارے پوتر چرنوں میں پرنام کرتی ہوں۔

(پرنام کرتی ہے، جگل کشور کا پرویش)

جگل کشور: گھر کی رانی— وِدروہی ہردے اسے پیار کر۔

داسی 1: (چپکے سے) بہن چلو۔ اب ایکانت میں پریم اور سوندریہ کو گلے ملنے دو۔

(دونوں داسیوں کا پرستھان)

جگل کشور: (سروجنی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) سُہاسنی!

سروجنی: (چونک کر) آؤ پران ناتھ۔

جگل کشور: یہ کیا کر رہی تھیں؟

سروجنی: میں ہاتھ جوڑ کر دیوتا سے ان کی اننت بھکتی کا وردان مانگ رہی تھی۔

جگل کشور: کس دیوتا سے؟

سروجنی: جن کی پوجا اور سیوا کو میں اپنا پرم سوبھاگیہ سمجھتی ہوں۔

جگل کشور: اُس دیوتا کا نام؟

سروجنی: کون سا نام بتاؤں؟ ان کے تو انیک نام ہیں۔

جگل کشور: انیک میں سے دو چار نام تو سنوں۔

سروجنی: اچھا تو گنتے چلو۔ ناتھ۔ سوامی، پربھو، پریتم، جیون جیوتی، من موہن، پران ولبھ، ہردیشور......

جگل کشور: ٹھہرو۔ ٹھہرو میں گنتی بھول جاؤں گا۔ یہ سب دیوتا مہاراج کے نام ہیں تو انھیں ناموں سے پتی مہاشے کو کیوں پکارتی ہو؟

سروجنی: نہیں سمجھے— سنو۔ سکھ سوبھاگیہ کی منگل مئی پرتیما کا نام 'پتی' ہے اور پتی ہی کا دوسرا نام 'دیوتا' ہے۔

جگل کشور: سروجنی، پُرش نے سنسار میں سب کچھ سیکھ لیا ہے، کنتو ناری کے سمان سچا، اچل، تیاگ پورن پریم کرنا نہیں سیکھا۔

سروجنی: (ہنس کر) نہیں؟

جگل کشور: نہیں۔من کی دنیا چاہے کتنی ہی کروٹ لے کنتو ناری ہمالیہ کی طرح سدا اپنے کرتویہ پر استھر رہتی ہے اور پُرش پگھلتی ہوئی برف کی طرح چھن چھن میں اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے۔

سروجنی: تو؟

جگل کشور: یدی میں تمھیں پریم نہ کروں تو کیا تب بھی تم مجھے اس طرح پریم کرتی رہو گی؟

سروجنی: ناتھ۔ میں اس کا کیا اُتر دوں؟ ندی اپنی ترنگ روپی بانہوں کا ہار پہنانے کے لیے ساگر کی اور کیوں دوڑتی ہے؟ بھنورا کاشی اور پریاگ کو چھوڑ کر کمل پشپ کی پری کرما کو کیوں پنیہ سمجھتا ہے؟ چکور گنگا جمنا کے بدلے چندرما کی چاندنی میں اشنان کرنے کو کیوں اپنا سوبھاگیہ جانتا ہے؟ پریم میں کیا سکھ ہے؟ یہ نہیں سمجھا سکتی، کنتو اتنا بتا سکتی ہوں کہ پتی پریم ہی ناری جیون کا سوندریہ اور ناری کا ایک ماتر دھرم ہے۔

جگل کشور: ان پنکھڑیوں سے ہمیشہ امرت ٹپکتا رہتا ہے۔ پریے ایک گھونٹ...

(پیار کرنا چاہتا ہے)

سروجنی: یہ کیا! ہاتھ چھوڑ دو!! وہ سنو کوئی بلا رہا ہے— ہاں۔

(ہاتھ چھڑا کر بھاگ جاتی ہے)

جنگل کشور: چہکتی ہوئی مینا چلی گئی— آہا۔ مانو کانوں کے پاس ایک ستار بج رہا تھا اور بند ہوگیا۔

(جنگل کشور کا پرستھان)

ایک پرتھم — درشیہ دوتیہ

کام لتا کا گھر

(ایک طرف راج کنور، دوسری طرف سازندے اور سامنے جنگل کشور اور بینی پرساد گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھے ہیں۔ کام لتا ناچ رہی ہے)

(گانا)

دئی ری چھائی کاری بدریا
سونی رے سیجریا— ناہیں آئے بلما
کٹے تارے گن گن رینا
نا آوے موہے چینا۔
دئی ری کیسے نٹھر سے لاگے نینا
سوتن کے گھر چھائے بلما

سدارنگ: جیتی رہو بٹیا۔ بڑی بائی جی کا نام روشن کررہی ہو۔

نیل کنٹھ: جوانی بنی رہے۔ آنکھوں سے مارتی اور ٹھوکروں سے جلا رہی ہو۔

(ناچ ختم ہوتا ہے۔ سدا رنگ کھڑے ہوکر چٹ چٹ بلائیں لیتا ہے)

سدارنگ: آئے میں صدقے جاؤں، اسی کا نام ناچ ہے کہ پیر کے نیچے بتاشہ بھی نہ ٹوٹے۔

کام لتا: گرو جی۔ یہ سب آپ ہی کی شکشا اور کرپا ہے۔ میں تو ابھی تا... تا...... تھیا

بھی نہیں جانتی۔

جگل کشور: کام لتا یہ ناچ نہیں جادو تھا جادو۔ تم ناچ رہی تھیں یا گھنگھرو باندھ کر خود راگنی ناچ رہی تھی۔

کام لتا: اس تعریف کے لیے نمستے کہوں یا بندگی؟

بنی پرساد: آہا۔ کیا چلت پھرت اور کیا توڑے تھے۔ مجھے تو یہ معلوم ہوا کہ پانی کی لہر پر روپیہ والا انار چھوٹتا ہوا بہا جارہا ہے۔

کام لتا: بس زیادہ تعریف نہ کیجیے نہیں تو میں بھی اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگوں گی۔

راج کنور: سدا رنگ جی۔ کندن لال سیٹھ کی گدّی آٹھ بجے بند ہوجائے گی۔ میں ذرا ہوتی آؤں۔

بنی پرساد: راج کنور۔ جلسہ سونا کرکے کہاں چلیں۔

راج کنور: کیا کہوں۔ یہ تو بچوں کی طرح ہٹ کر بیٹھتی ہے۔ آج ایک گلابی ساٹن پر کار چوبی کے کام کی پشواز بکنے آئی تھی...... وہ دیکھیے آنکھ مار کر منع کررہی ہے...... نا بابا...... میں نہ کہوں گی۔

کام لتا: کہہ دو۔ کہہ دو...... یہ سن کر کیا مجھے پھانسی دے دیں گے؟

بنی پرساد: (کام لتا سے) تمھارے ہی روکنے سے تو چلتی موٹر کار میں پنچر ہوگیا۔ (راج کنور سے) بائی جی۔ اب تو تمھیں کہنا ہی پڑے گا۔

راج کنور: سرکار، آج سدا رنگ جی کے بہنوئی کسی رنڈی کی نئی پشواز بیچنے لائے تھے۔ مال تو ہزار سے اوپر کا نہ تھا مگر چھوٹی بائی جی نے جھٹ سے بارہ سو دام لگا دیے۔ کہنے لگی کہ پرسوں بسنت پنچمی ہے، یہی پشواز پہن کر سرکار لوگوں کے سامنے ناچوں گی۔

بنی پرساد: سوچی تو اچھی۔ ان کی سمجھ کبھی بے تالی نہیں چلتی۔

راج کنور: بس آپ ہی لوگوں نے نخرے اُٹھا اُٹھا کر اس کا مزاج بگاڑ دیا ہے۔ یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ گھر میں بینک کی طرح ہر وقت روپے نہیں رکھے رہتے (کام لتا سے) کندن لال سیٹھ نے چار آنے بیاج پر بھی روپیے نہ دیے۔ تب بائی

جی کی نئی پشواز پہن کر سرکار لوگوں کو کیسے خوش کرو گی؟

سدارنگ: بڑی بائی جی۔ یہی دن ان کے اوڑھنے پہننے کے ہیں۔ گھر کے لوگوں سے کیا شرم ہے۔ باہر سے نہ ملے تو سرکار سے اُدھار لے لو۔

کام لتا: (تیور بدل کر) استاد جی۔کمبل ڈال کر سرکار کو لوٹ لوٹا۔ انھیں باتوں سے رنڈی اور میراثیوں کا نام بدنام ہوگیا۔ دیکھو جی۔تم یاتم ایک پیسہ بھی دو گے تو میں بگڑ جاؤں گی۔

جگل کشور: پیسہ دوں گا تب بگڑو گی نا— میں تو روپے دوں گا۔ راج کنور بائی یہ لو۔

راج کنور: ہو۔ دولت کی بڑھتی ہو۔ روپیوں کو بکس میں سمجھنا۔ میں بیاج کے ساتھ مُول لوٹا دوں گی۔

جگل کشور: مُول معاف ہے اور بیاج میں ان کی مہربانی چاہیے۔

کام لتا: دیکھا، روپے معاف ہیں، یہ سنتے ہی بڑھاپے پر جوانی آگئی۔ (راج کنور سے) اری نائیکاؤ تم بڑی پیسے کی لوبھی ہوتی ہو۔

بنی پرساد: اچھا۔ کچھ اور چھیڑو سدا رنگ جی۔ سوئی ہوئی سارنگی کو جگاؤ نا۔ ارے میں تو بھول ہی چلا تھا۔ جگل کل گورنر کپ ہے۔ نگین داس نے ٹپ دینے کا وعدہ کیا ہے۔تم طبلے سارنگی کی ریس دیکھو، میں فلوک کی طرح ابھی آپہنچتا ہوں۔

راج کنور: واہ، تم تو اس سبھا کے راجا اندر ہو۔ چلے گئے تو یہ سبز پری کس کے سامنے ناچے گی۔

بنی پرساد: راجا اندر نہ سہی لیکن گلفام اور یہ لال دیو، کالے دیو تو موجود ہیں۔

(ہنستا ہوا جاتا ہے)

سدا رنگ: ہاں بیٹی اب وہی خاندانی چیز شروع کرو، جسے سن کر بھوج پور کے مہاراج نے تمھاری نانی کو ایک ہاتھی اور دو گاؤں انعام میں دیے تھے۔

(دوبارہ ناچ گانا شروع ہوتا ہے۔ مجرا ختم ہونے پر راج کنور اور سدا رنگ دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں)

جگل کشور: تیور کسیلے، نظر کڑوی، باتیں چٹپٹی، صورت نمکین، گانا میٹھا۔ کام لتا تم تو سارے رسوں کی کھان ہو۔

کام لتا: پیو نہ پریتم۔ یہ رسوں کا لہراتا ہوا سرودر تمھارے ہی لیے ہے۔

جگل کشور: کام لتا، تم نے مجھے کون سی شراب پلا دی جس کا نشہ کم ہونے کے بدلے سانپ کے زہر کی طرح چھن چھن میں بڑھتا جارہا ہے۔ میں اپنے آپ کو بھول بیٹھا ہوں اور دکھائی دے رہا ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں تمھارے سوا جگت کی ہر ایک وستو کو بھول جاؤں گا۔

کام لتا: میری جان پریم کا جُوا من کے پانسوں سے کھیلا جاتا ہے۔ یہ پانسے تو اسی طرح کبھی مجھے اور کبھی تمھیں جتاتے رہیں گے۔ دیکھو نا، میں نے تمھیں جیت کر بھی اپنے کو ہار دیا ہے اور تم نے اپنے آپ کو ہار کر بھی میرا من جیت لیا ہے۔

جگل کشور: کام لتا، میں تمھیں ابھی تک نہ سمجھ سکا۔ مجھے سمجھاؤ، تم پریم کی بولتی ہوئی پرتیما ہو، ناری ہو، اپسرا ہو، جادوگرنی ہو، کون ہو؟

(مادھو کا پرویش)

مادھو: یہ کون ہے، مجھ سے پوچھو۔ اس کا کُل پاپ ہے، اس کا پتا اَدھرم ہے، اس کی ماتا، نرلجتا ہے۔ اس کے سمبندھی سوارتھ اور لوبھ ہیں، اس کا گھر چھل کا نرک ہے اور یہ اس نرک میں نواس کرنے والی راکشسنی ہے۔

کام لتا: (دل میں) آتے ہی ساون کے بادل کی طرح برس پڑا۔ (مادھو سے) تم کون ہو؟

مادھو: میں درپن ہوں۔ کنتو وہ شیشے کا درپن نہیں جس میں تم اپنے بالوں کا گھونگھر، آنکھوں کا کاجل اور گالوں کا پاؤڈر دیکھتی ہو۔ میں وہ درپن ہوں جس میں

تمھیں اپنا اصلی روپ دکھائی دے گا۔ وہی روپ جسے تم بازار میں بیچ کر اپنا پیٹ پالتی ہو، وہی روپ جو ویشیا کے چہرے پر کوڑھ کی سفیدی اور پتی ورتا استری کے چہرے پر ایشور کا آشیرواد دکھائی دیتا ہے۔

کام لتا: (جنگل سے) تمھارا چہرا اسے دیکھ کر پیلا کیوں پڑگیا، کیا تم اسے جانتے ہو؟

جنگل کشور: تم... مادھو..... یہاں کیوں آئے؟

مادھو: آپ میرے سورگیہ چاچا کی سنتان اور میرے بڑے بھائی ہیں، اس لیے مجھے یہاں آنے کے لیے بادھیہ کیا۔

جنگل کشور: کس نے؟

مادھو: آپ کے پریم نے، آپ کے بھوشیہ کی چنتا نے۔ دیکھیے وش کو امرت سمجھ کر نہ پی جییے سر۔ زہری ناگن کو پھولوں کا ہار سمجھ کر گلے میں نہ ڈالیے۔ کل وان پُرش ہوکر ایک نیچ استری کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیے۔ یہ آپ جیسے کتنے ہی دولت کے کھلونوں سے کھیل چکی ہے اور کتنے ہی کھلونوں کو نیا کھلونا مل جانے پر ٹھوکر مار کر توڑ چکی ہے۔

جنگل کشور: جاؤ مادھو واپس جاؤ۔ تمھیں یہاں آنے کے لیے شرم کرنا چاہیے۔

مادھو: شرم میں کیوں کروں؟ میں گھر کا پوتر پرساد چھوڑ کر بازار کی جھوٹی تھالی پر مکھی بن کر نہیں گرتا۔ شرم انھیں کرنی چاہیے جو رنڈی کے گھر میں جیب کا پیسہ خرچ کر کے بیوقوف بننے آتے ہیں۔ شرم انھیں کرنی چاہیے جو گھر کی ستیوں سے اپنی سیوا کرائے اور رنڈی کے گھر آکر اس کے پاؤں دباتے ہیں۔

جنگل کشور: تم نے میرے سامنے اتنے ڈھیٹ ہوکر کبھی بات نہیں کی۔ دھیان ہے کیا بک رہے ہو؟

مادھو: مجھے دھیان ہے کہ میں کیا بک رہا ہوں۔ کنتو آپ کو بھی دھیان ہے کہ کیا کررہے ہیں۔ کیا گھر کی استری اپنا دیوتا سمجھ کر آپ کی پوجا نہیں کرتی؟ پریم نہیں کرتی؟ پھر آپ جیون کا کون سا کھویا ہواسکھ ڈھونڈھنے کے لیے یہاں آئے

ہیں؟ یاد رکھیے گھر کی کل کامنی سے ملا ہوا سکھ دیوتاؤں کا وردان ہے اور رنڈی کا دیا ہوا سکھ کتے کی قے ہے۔

جگل کشور: تم میرے چھوٹے ہو۔ اس لیے مجھے اُپدیش دینے کا ادھیکار نہیں رکھتے۔

مادھو: چھوٹا اور بڑا کیا؟ یدی سچی بات اور کلیان کاری اُپدیش دیوار پر لکھا ہو تو اسے بھی گرہن کرنا چاہیے۔ ایشور نے پاپ اور اُدھرم کی رکشا کے لیے آپ کو روپیہ نہیں دیا ہے۔ آج اس دردر بھارت دیش میں لاکھوں ودھوائیں اَنّ اور وستر کے لیے، لاکھوں اناتھ بچے پالن پوشن کے لیے، لاکھوں بے روزگار آدمی ایک وقت کی روٹی کے لیے ترس رہے ہیں۔ ان روتی ہوئی آتماؤں کے بدلے ان ہنستی ہوئی پاپ کی مورتیوں کو روپے دینا دھن، دھرم اور دیش کی ہتیا کرنا ہے۔

کام لتا: دیکھو میں ان کے وچار سے چُپ ہوں۔ تم میرا اپمان کرتے ہو۔

مادھو: اپمان! چوری اس کی ہوتی ہے جس کے پاس دھن ہوتا ہے اور اپمان اس کا ہوتا ہے جس کے پاس عزت ہے۔ تم اتنی تُچھ ہو کہ تمھارے روپ کی پوجا کرنے والے بھی تمھیں لالسا سے دیکھتے ہیں، کِنتو عزت سے نہیں دیکھتے۔ ناری کا بکھان روپ سے نہیں گُن سے ہوتا ہے اور ناری کی عزت کاجل اور پاؤڈر سے نہیں دھرم اور ستیہ سے ہوتی ہے۔

جگل کشور: بس اور نہیں۔ تمھارے شبد سوئی سے بھالے بنتے جارہے ہیں۔ کام لتا اندر چلو۔

(دونوں جاتے ہیں)

مادھو: ارے ویشیاؤ، تمھارے پاس کون سی شکتی ہے، جس کے دوارا تم بدھی مانوں سے بدھی، آنکھ والوں سے آنکھیں، دھن والوں سے دھن، باپوں سے بیٹے اور گھر کی ستیوں سے ان کے سوامی چھین لیتی ہو۔ آہ کیسا انیائے، کتنا بھیشن اتیاچار ہے کہ آج اس دیش میں دھن اور دھرم کا ناش کرنے والی کُلٹاؤں کی

آنکھ کا نغمہ

پریم کے پھولوں سے پوجا ہوتی ہے اور کُل کی مریادا اور پتی کی لاج رکھنے والی دیویوں کے آنکھ سے بہتے ہوئے آنسوؤں کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی...... دیا ہے! بھارت واسیوں کو سمجھ دو، نہیں تو بھارت ستیوں کے آنسوؤں میں ڈوب جائے گا۔

(مادھو کا پرستھان)

انک پرتھم — درشیہ ترتیہ

کلکتہ میں رنڈیوں کا مشہور محلہ۔ سونا گاچی

—رات کا سمے—

(دونوں طرف دور تک بجلی کی روشنی سے جگمگاتے ہوئے گھروں کا درشیہ۔ تنبولیوں کی سجی ہوئی دکانیں اور ہوٹل کھلے ہیں۔ پنجابی، بھاٹیے، برمی، یہودی، مارواڑی، بنگالی ہر دیش کے آدمی چکر کاٹ رہے ہیں۔ کسی کسی برآمدے میں رنڈیاں کٹہرے پر ہاتھ رکھ سڑک کی طرف جھکی ہوئی رستہ چلتوں کو بھانپ رہی ہیں۔ کہیں سے شرابیوں کی چیخ پکار اور کہیں سے مجرا سننے والوں کی واہ واہ سنائی دے رہی ہے۔ پھولوں کے گجرے اور ملائی کی برف بیچنے والے کوٹھوں کے نیچے آوازیں لگا رہے ہیں۔ گاڑیوں اور موٹروں کے ساتھ دلال دوڑ رہے ہیں۔ رنڈیوں کے نوکر ایک ہاتھ میں 'برف سوڈا' دوسرے میں 'پان سگریٹ' کا دونا لیے اور بغل میں تولیے کے اندر لپٹی ہوئی 'وسکی' کی بوتل دبائے جھپٹے ہوئے چلے جارہے ہیں۔ تھوڑی تھوڑی دور پر پولس کے سپاہی سر سے اونچے لٹھ لیے کھڑے ہیں)

ایک: واہ رے کلکتہ بختاور بابو۔ یہ کون سا بازار ہے؟

دو: یہاں بنگالے کی پریاں رہتی ہیں۔ اس محلے کا نام ہے سونا گاچی۔

تنبولی: بختاور بابو۔ کہاں چلے گئے تھے؟ سُشیلا بائی کا نوکر کل ہی پوچھ رہا تھا۔ پان

تو کھالیجیے۔

(برف والے کا پرویش)

برف والا: برف۔ ملائی کا برف، بابو جی بڑی گرمی پڑرہی ہے۔ قلفی لے لیجیے۔ کھاتے ہی ٹھنڈے ہوجایئے گا۔

دو: ابے ہم تو آج ڈیسن کے سٹے میں بیس ہزار کھو کے تین بجے دن سے ٹھنڈے ہورہے ہیں۔ کیا دام ہیں؟

برف والا: ملائی کی قلفی چار آنہ اور پستہ ملی ہوئی بھنگ کی قلفی چھ آنہ۔

دو: جا کوئی اور اُلّو ڈھونڈھ۔ جانتے ہیں کہ بابو کو شرم سے لینا ہی پڑے گا، اس لیے رنڈیوں کے محلے میں آتے ہی یہ بھی اپنا بھاؤ ڈبل کردیتے ہیں۔

(پھول والے کا پرویش)

پھول والا: بیل پھول (اونچے سروں میں) بیل پھول۔

رنڈی: (کوٹھے پر سے) او بیل پھول اِدھر آ۔

پھول والا: آیا بائی جی۔

(سامنے سے رنڈی کا نوکر بغل میں شراب کی بوتل اور ہاتھ میں سوڈا لیے ہوئے آتا ہے اور جلدی میں پھول والے سے ٹکر ہوتی ہے)

نوکر: دوں گھما کر منھ پر سوڈے کی بوتل۔ آنکھ کا اندھا ہے؟ تو دیکھ کر کیوں نہیں چلتا۔

پھول والا: اور تیری آنکھیں کیا بائی جی کے پیچھے مجیرا بجا رہی تھیں۔

نوکر: گدھے کا بچہ۔

پھول والا: گدھی کا ناتی۔

سپاہی: ارے سالا لوگ۔ سرکاری سڑک پر کاہے واسطے گول مال بچا رکھا ہے۔ چلو

تھانے۔

رنڈی: (اوپر سے) ارے شکھو، کیوں جھگڑا کرتا ہے؟ (سپاہی سے) گجادھر سنگھ جی، دیا رکھو، یہ ہمارا نوکر ہے۔

سپاہی: جاؤ۔ بائی جی کا منھ دیکھ کر چھوڑ دیا۔ نہیں تو ابھی پھاٹک میں بند کر دیتا، ایک سگریٹ تو پھینکو۔

(دونوں جاتے ہیں۔ مادھو کام لتا کے گھر سے باہر آتا ہے)

مادھو: جب کہا، بھائی سنتا ہوں کہ تم آگ سے کھیل رہے ہو تو یہی اُتر دیا کہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ انت میں میں نے یہ نرنے کیا کہ چوری کی جگہ پر اچانک پہنچ کر چور کے منھ سے اس کی چوری سویکار کرانی چاہیے۔ یہی ہوا کنتو پرینام — اس کا اُتر میں نہیں دے سکتا۔

(بنی پرساد کا پرویش)

بنی پرساد: بھارت کا سورگ کون؟ کلکتہ۔ اور کلکتے کا سورگ کون؟ رام بگان اور سونا گاچی۔ دنیا میں کوئی کمانے اور جوڑنے کے لیے پیدا ہوا ہے اور کوئی کھانے اور اُڑانے کے لیے۔ کوئی تالاب اور کنویں کی طرح اکٹھا کرتا ہے اور کوئی فوارے اور نل کی ٹونٹی کی طرح خرچ کرتا ہے۔ میرا باپ تو دھن کمانے اور جوڑنے کے پھیر میں پڑ کر مرنا بھی بھول گیا۔ جس دن بڈھا لڑھکا، اس دن اس سورگ میں سات پریوں کا ناچ کراؤں گا۔

مادھو: جیتے رہو بنی بابو۔ سپوت ایسے ہی ہوتے ہیں۔

بنی پرساد: کون؟ مادھو —

مادھو: لوگ باپ کے مرنے پر دان پنیہ کرتے ہیں اور تم رنڈیاں نچاؤں گے؟

بنی پرساد: تو کیا برا کروں گا۔ میرے باپ نے زندگی بھر کسی رنڈی کا گانا نہیں سنا، مرنے پر اس کی آتما تو سن لے گی۔ یہ بھی ایک پرکار کی پتا سیوا ہے۔

مادھو: تمھارے باپ نے تمھیں اس لیے جنم دیا تھا کہ بڑے ہوکر اس کے مرنے کی پرارتھنا کیا کرو۔ سچ ہے غریب کا لڑکا باپ کو چاہتا ہے اور دھنوان کا لڑکا باپ کے دھن کو چاہتا ہے۔ غریبوں کے لڑکے پرارتھنا کرتے ہیں کہ باپ جیتا رہے اور دھنوان کے لڑکے پرارتھنا کرتے ہیں کہ جلدی باپ مرے اور جلدی پیسہ ملے۔

بنی پرساد: لیکن باپ سمجھ دار ہو اور آپ ہی مرجائے تو پرارتھنا کرنے کی ضرورت ہی کیوں ہو؟ تمھیں نیائے کرو کہ آج کل میرا باپ اسّی اور پانچ پچاسی کا پہاڑا یاد کررہا ہے۔ لاکھوں کی دولت کمائی۔ تین بیاہ کیے، سات لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے، جن میں سے نو مرگئے۔ ایک میں ہی یم راج کو رشوت دے کر ابھی تک جی رہا ہوں، لیکن وہ بڈھا اب بھی مرنا نہیں چاہتا۔

مادھو: بڑی بیوقوفی کررہا ہے۔

بنی پرساد: ارے بھائی بڈھے اسی طرح جیتے رہے تو جوانوں کو دھرتی پر چلنے کی جگہ بھی نہ ملے گی۔

مادھو: بنی بابو۔ جیسے چھری سے پران رکشا اور پران ہتیا دونوں ہوسکتی ہے ویسے ہی آدمی پیسے سے اپنے سکھوں کی رکشا بھی کرسکتا ہے اور اپنا سرو ناش بھی کرسکتا ہے۔ یاد رکھو جس دن تمھاری جیب میں پیسہ نہ ہوگا اُس دن اس محلے کے کتے بھی تمھاری طرف منہ اٹھا کر بھونکتے وقت یہ سمجھیں گے کہ ہمارا سمے نشٹ ہورہا ہے۔

بنی پرساد: یہاں کے کتوں کو سمے کا خیال رکھنا ہی چاہیے۔ کاٹ کھانا، کپڑا کھینچنا، پیٹ پر اگلی ٹانگوں کے پنجے رکھ کر دم ہلانا، انھیں بہت سے کام رہتے ہیں۔

مادھو: بنی بابو، تم آج میرے اُپدیش کا ٹھٹھا کررہے ہو، کنتو ایک دن سے تمھارا ٹھٹھا اڑائے گا۔ اپنے متر جگل کو بھی تمھیں نے اس محلے کا راستہ دکھایا ہے۔ اپنے باپ کی عزت پر، اپنی جوانی پر، اپنے پیسوں پر دیا کرکے یہ راستہ چھوڑ دو۔ یدی اسی راستے پر چلتے رہے تو تم بھی نشٹ ہوجاؤ گے اور تمھارا ساتھ

دینے سے اس کا جیون بھی سروناش کی آندھی میں مٹھی بھر دھول کی طرح اُڑ جائے گا۔

بنی پرساد: بچپن کھیلنے کودنے اور جوانی دنیا کا مزا لینے کے لیے ہے۔ یہ باتیں بڑھاپے میں سوچنا چاہیے۔

مادھو: کیوں؟

بنی پرساد: کیونکہ بڑھاپے میں زندگی کی گورنمنٹ سے تھکے ہوئے ہاتھ پاؤں کو پنشن مل جاتی ہے۔ اس لیے حقہ کی نے منھ سے لگا کر پلنگ پر بیٹھے بیٹھے کھانسنے اور سوچنے کے سوا بوڑھوں کو اور کوئی کام نہیں رہتا۔ اچھا رام رام۔

(کام لتا کے گھر جاتا ہے)

مادھو: جو مرنے ہی کو جینا سمجھ رہا ہے اُسے کون جینے کا اَرتھ سمجھا سکتا ہے۔

(گانا)

یہ سکھ نہیں آنکھ کا نشہ ہے پیا جو یہ وِش بُرا کرو گے
تم اپنے ہاتھوں سے اپنا بیڑا ڈباؤ گے اور کیا کرو گے
ٹکوں سے جب جیب ہوگی خالی سنو گے پھر بائی جی کی گالی
گلے میں غیروں کے ہاتھ ڈالے، ہنسے گی وہ، تم جلا کرو گے
یہی قرینہ اگر رہے گا، تو زر رہے گا نہ گھر رہے گا
چمار کھاتے میں نام ہوگا، سڑک پہ جھاڑو دیا کرو گے
نہ مان ہوگا، نہ پیار ہوگا، گلے میں لعنت کا ہار ہوگا
گلی کے کتے ہیں جیسے جیتے، اُسی طرح تم جیا کرو گے

(ٹرام آتی ہے۔ ایک مسافر چلاتا ہے)

مسافر 1: کوچوان، کوچوان، گاڑی روکو۔

(گاڑی سے الٹا اترتے وقت گر جاتا ہے)

مسافر 2: باندھو۔ باندھو۔ گاڑی باندھو۔ (ٹرام رک جاتی ہے۔ سب مسافر اتر پڑتے ہیں) بابو کیا چوٹ کھایا؟

مسافر 1: آدمی گرنے سے چوٹ نہیں کھاتا تو کیا لڈو کھاتا ہے۔ باپ رے سانس بند ہوئی جاتی ہے۔ بابو دیکھو میں جیتا ہوں یا مرگیا؟

مسافر 2: گھبراؤ نہیں تم جیتا ہے۔

مسافر 1: دھرم چھوڑ کر نہ بولنا۔ اگر میں مرگیا ہوں تو سچ سچ بول دو۔

مسافر 2: اُلو کا پٹھا۔ اندھا ہوکر گاڑی چلاتا ہے۔ پاجی کہیں کا۔

کنڈکٹر: بابو جی۔ ڈرائیور کا کیا قصور ہے۔ گالی نہ دو۔

مسافر 2: چپ رہو گدھا۔

کنڈکٹر: دیکھو بابا لوگ ساکشی رہنا، یہ گالی دے رہا ہے۔ عزت کا دعویٰ کروں گا۔

مسافر 2: ابے میں تیرے باپ کو بھی گالی دوں گا۔

(دونوں لڑتے ہیں)

مسافر 3: ارے کیوں لڑے مرتے ہو۔ ہائے ہائے دنیا سدھر گئی مگر ہندستانی نہیں سدھرے۔ آج سنسار کی ساری جاتیاں آپس کی پھوٹ کا پرینام سمجھ کر اپنے دیش میں پریم اور ایکتا کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھ گئیں۔ کنتو دین دکھی بھارت جننی کے کپوت ابھی تک چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔ ہٹ جاؤ بھائی۔ تم اس کے منہ کی طرف پیٹھ کرکے کیوں اُترے۔

مسافر 2: ارے مجھے کلکتہ میں آئے آٹھ دن ہوگئے مگر ابھی تک یہ نہ معلوم ہوا کہ اس کا منہ کدھر ہے؟ (سپاہی سے) دیکھو وردی والا، اس بے دُم اور بے منہ کی گاڑی نے مجھے نیچے گرادیا۔ اِسے ہتھکڑی لگا کر پولس اسٹیشن لے چلو۔

سپاہی: ارے ٹرام کیا کوئی غنڈہ ہے جسے پکڑ کر پولس میں لے جاؤں۔

کنڈکٹر: چلو بیٹھ جاؤ...... گھنٹی بجاؤ۔

مسافر2: ارے تم گھنٹی بجاؤ یا گھنٹا لیکن میں اس گاڑی کو پولس میں ضرور لے جاؤں گا۔ (گاڑی پکڑ کر) اے سپاہی۔ گاڑی بھاگتی ہے، پکڑو..... پکڑو۔

(پیچھے لٹک جاتا ہے)

انک پرتھم — درشیہ چترتھ

جگل کشور کا گھر

دُلاری: پرسوں اس گھر کی سندری کو گنگا گھاٹ پر دیکھ کر بنی بابو ایسے ریجھے کہ ابھی تک ہائے ہائے کررہے ہیں۔ پھانس لے جانے پر دو سو روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ سودا بیچنے والی کا روپ دھارن کرکے جال پھینکنے تو آئی ہوں۔ دیکھوں چڑیا پھنستی ہے یا دانہ کھا کر اُڑ جاتی ہے۔ (سروجنی سے) اَنجن، مسّی، ٹکلی، چوڑی، گوٹا، لیس، کناری— بہو جی کچھ خریدوگی؟

سروجنی: تم کون ہو؟

دلاری: تمھاری پڑوسن لاجونتی کی ساس دُلاری۔

سروجنی: کیوں، کیا ہے؟

دلاری: بہوجی، بریلی کا انجن، لکھنؤ کی مسی، دلی کا گوٹا، بمبئی کی چوڑی، کلکتہ کی لیس سبھی کچھ ہے— سہاگ بنا رہے، آج تمھارے ہی ہاتھ سے بوہنی کروں گی۔

سروجنی: تم پڑوس میں رہتی ہو۔ اس لیے پیسوں کی ضرورت ہو تو لے جاؤ، کِنتو میں ان بناؤ سنگار کی چیزوں کو پسند نہیں کرتی۔

(جانا چاہتی ہے)

دلاری: بہوجی، لینا یا نہ لینا۔ ایک بار دیکھ تو لو۔ یہ دیکھو لگاتے ہی آنکھیں جگایا ہوا جادو بن جاتی ہیں۔ یہ خاص بریلی کا انجن ہے۔

سروجنی: استری کی آنکھوں کو بریلی کا انجن نہیں کل کی لاج سندر بناتی ہے۔

دلاری: یہ دیکھو لکھنؤ کی مسی۔

سروجنی: ناری کا منھ لکھنؤ کی مسی لگانے سے نہیں پتی دیو کا نام جپنے سے پوتر ہوتا ہے۔

دلاری: یہ دیکھو بنارس کی ٹکلی......

سروجنی: ایک کُل ودھو کے ماتھے کو بنارس کی ٹکلی نہیں، پتی ورت دھرم کا تیج شوبھائمان کرتا ہے۔

دلاری: یہ دیکھو بمبئی کی چوڑی۔

سروجنی: گرہ لکشمی کے ہاتھوں کی شوبھا بمبئی کی چوڑیوں سے نہیں پتی کی چرن سیوا سے ہوتی ہے۔

دلاری: تمھاری طرح سب استریاں بناؤ سنگار سے گھرنا کرنے لگیں، تب تو ہمیں ان چیزوں کا بیچنا ہی چھوڑ دینا پڑے۔

سروجنی: پیٹ پالنے کے لیے کچھ بیچنا ہے تو دیوتاؤں کی مورتیاں بیچو، دھرم ویروں کی چھوی بیچو، مہاتماؤں کی بنائی ہوئی بھجن پستک بیچو۔ اس سے تمھارا بھی لابھ ہوگا اور جن گھروں میں جاتی ہو، ان گھروں کی استریوں کو بھی آتمک لابھ پہنچے گا۔ اب تک کیول تمھیں پیسے ملتے ہیں۔ تب تمھیں پیسہ بھی ملے گا اور پُنیہ بھی ملے گا۔

دُلاری: بہو جی یہ ست جگ نہیں کل جگ ہے۔ جب تک ہونٹوں پر پان کی لالی، گالوں پر کاجل کا تل، آنکھ میں اَنجن، مانگ میں سندور، ماتھے پر ٹکلی، گلے میں پھولوں کی چمپا کلی، چوٹی میں بیلے کا ہار ارتھات پورا بناؤ سنگار نہ ہو تب تک آج کل کے پتی استریوں کو پسند نہیں کرتے۔

سروجنی: یہ تمھاری بھول ہے۔ مندر میں پھول چڑھاتے سمے دیوتا کی مورتی ہمارے روپ کی طرف نہیں، بھکتی اور شرّدھا کی طرف دیکھتی ہے۔ پتی بھی دیوتا کے سمان ہیں۔ یہ بھی آنکھ کے کاجل اور ہونٹ کی لالی سے نہیں، استری کے پریم اور سیوا سے پرسن ہوتے ہیں۔

ڈلاری: بھو جی۔ پتیوں کی نظر میں پریم اور سیوا کا مان ہوتا تو آج اس دیش میں پتی پتی رٹنے والی مورکھا استریوں کی یہ دُرگتی نہ ہوتی۔ برا نہ ماننا۔ اپنے کو ہی دیکھو۔ کتنی سندر، کتنی کومل، کتنی پریمی، کتنی آگیا کارنی۔ کنتو جیسا کہ لوگ کہتے ہیں تمھارے پتی جنگل بابو تم جیسی اپسرا کو چھوڑ کر تیل پھلیل سے مہکتی ہوئی ویشیاؤں کے کوٹھے کیوں جھانکتے پھرتے ہیں۔

سروجنی: تو کیا— وہ اپنا کرتویہ بھول گئے تو میں بھی اپنا دھرم بھول جاؤں؟ وہ میرے دیوتا ہیں۔ دیوتا کی مورتی سامنے نہ ہو تو اس کا دھیان کرنے سے بھی سکھ مل سکتا ہے۔

(مادھو کا پرویش)

مادھو: یہ کیا؟ دیوی کے پاس راکشسی۔ یہ سروناشی یہاں کس لیے ہے؟

ڈلاری: بھو جی، ذرا آئینے کے سامنے کھڑی ہوکر اپنے روپ کی چھٹا دیکھو۔ ایسے روپ کا ایسا انادر۔ دنیا کی لاج سے آنکھیں نہ روئیں کنتو پتی کے اتیاچار پر تمھارا دل ضرور روتا ہوگا۔ دُکھ تو یہی ہے کہ تم گھر کی استریاں رونا جانتی ہو، بدلہ لینا نہیں جانتیں۔

سروجنی: استری بدلہ لے۔ کس سے؟

ڈلاری: اپنے پتی سے۔

سروجنی: پتی سے۔ لوک پرلوک کے سوامی سے؟ جنگل میں اکیلا چھوڑ دینے پر کیا دمینتی نے نل سے بدلہ لیا تھا؟ متھرا جاکر بھول جانے پر کیا رادھیکا جی نے بھگوان کرشن جی سے بدلہ لیا تھا؟ بن باس دیے جانے پر ستی شرومنی سیتا نے کیا شری رام چندر سے بدلہ لیا تھا؟ سنو، ہندو ناری بدلہ لینا نہیں جانتی کیول پتی سے پریم کرنا اور پتی کے اَپرادھوں کو شما کرنا جانتی ہے۔

ڈلاری: دیا اور شما کے شبد اب کیول دھرم پستکوں کی شوبھا کے لیے رہ گئے ہیں۔ تمھارے بھلے کے لیے میں تو یہی صلاح دوں گی کہ تمھیں بھی اینٹ کا

جواب پتھر سے دینا چاہیے۔

سروجنی: ارتھات؟

ذلاری: ارتھات کہ دنیا کا سکھ نہ بھوگا تو دنیا میں جنم لینے کا لابھ ہی کیا ہے؟ پتی نے اپنا من پرائی استری کو دے دیا ہے تو تم بھی اپنا پریم دوسرے پُرش کو دے سکتی ہو۔

سروجنی: کیا کہا؟ دُشٹا، پاپنی۔

مادھو: اوہ۔ جی چاہتا ہے کہ ابھی اس کا گلا گھونٹ دوں۔

دلاری: بگڑتی کیوں ہو؟ میں اپنی اچھی صلاح کا دام تو نہیں مانگتی۔ تمھیں بتاؤ، اس بھکتی اور سیوا کے بدلے میں تمھیں پتی سے کون سا سکھ مل رہا ہے؟

سروجنی: پتی مجھے کھانا نہ دیں، کپڑا نہ دیں، زیور نہ دیں، پریم نہ دیں۔ کِنتو اپنے چرنوں کی داسی سمجھیں، یہی میرا مان اور سب سے بڑا سکھ ہے۔ چلی جا۔ اب آئی تو......

دلاری: دیکھو میں پھر کہتی ہوں۔

مادھو: (غصے میں دوڑ کر اُسے گردن سے پکڑ لیتا ہے) دُراچارنی، پشاچی، کیا تو سودا بیچنے کے بہانے گرہستوں کے گھروں میں جا کر بہوؤں اور بیٹیوں کو یہی شکشا دیتی ہے۔ اپنے گندے ہونٹوں سے ان کے پوتر کانوں میں یہی وِش انڈیلتی ہے؟ آہ، ان روپ دھارنی ٹھگنیوں نے کہیں بھکارنی، کہیں سنیاسنی، کہیں سودا بیچنے والی بن کر کتنے کلوں میں کلنک لگایا ہوگا۔ جو لوگ اپنے کل اور بہو بیٹیوں کی رکشا چاہتے ہیں انھیں باہر کی بے جانی بوجھی عورتوں کو اپنے گھر میں کبھی نہ آنے دینا چاہیے۔

دلاری: شما کرو۔ مجھے یہاں آنے میں بھول ہوئی۔

مادھو: کلٹا، پیٹ کا گڑھا پاٹنے کے لیے من دو من ہیرے موتی کی نہیں۔ تھوڑے سے چاول یا آٹے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیا تو دو مٹھی اَنّ پوتر دھندے سے پیدا نہیں کرسکتی۔ تیرے جیسے پاپی سمجھتے ہیں کہ چھل سے، جھوٹ سے،

خوشامد سے، دوسروں کا ستیاناس کرنے ہی سے روٹی مل سکتی ہے۔ کبھو نہیں۔
یہی نیم ہوتا تو جگت کے سارے سچے اور دھرماتما لوگ بھوکوں مرگئے ہوتے۔
جا دور ہو سامنے سے۔

(مارتا ہوا دلاری کو لے جاتا ہے)

سروجنی: اُف کتنی گھرنت، کتنی بھینکر، یہ ناری نہیں ناگن تھی، جو میرے دھرم کو ڈسنے آئی تھی۔

انک پرتھم — درشیہ پنچم

کام لتا کا مکان

(سدا رنگ کام لتا کی دودھ پیتی بچی کو کھلا رہا ہے)

سدارنگ: رسیلی آنکھیں، جٹواں بھویں، پتلے پتلے ہونٹ، چمیلی کی سفیدی اور گلاب کی لالی سے بنا ہوا گورا رنگ، کیلے کے پتے جیسے چکنے چکنے ہاتھ پاؤں۔ ارے میری درشنی ہُنڈی، آج کل اس شہر کے سیٹھ ساہوکاروں کے پاس بہت روپے ہوگئے ہیں۔ تو کب جوان ہوگی اور کب ان کا دیوالہ نکالے گی۔

(بینی کا غصے میں پرویش)

بینی پرساد: اوہ، کتنی بے مروت۔ آدمی کے چہرے پر طوطے کی آنکھیں لگی ہوئی نہ دیکھی ہوں تو اِن رنڈیوں کو دیکھ لو — یہ محبت سے بھرے ہوئے دل کو نہیں دیکھتیں، روپے سے بھری ہوئی جیب کو دیکھتی ہیں۔

(راج کنور کا پرویش)

راج کنور: لال لیموں سے چٹنی کا اور لڑائی سے پیار کا مزا بڑھ جاتا ہے۔ بگڑ کر جاتے کہاں ہو؟

(کام لتا کو آواز دیتی ہے)

سدارنگ: کیا ہوا بینی بابو؟

بنّی پرساد: ہوا کیا۔ تمھاری چھوٹی بائی جی نے ہیرے کی کنگھی اور جڑاؤ رسٹ واچ کی فرمائش کی تھی۔ میں نے آٹھ دن کا سمے مانگا۔ بس اتنی ہی بات پر نتھنے پھول گئے اور تیور بدل کر کہنے لگی کہ رنڈی گھر کی بیوی نہیں ہے کہ جو کھلاؤ گے کھائے گی اور جو پہناؤ گے پہنے گی۔ رنڈی کی فرمائش نہیں دے سکتے تو رنڈی کے گھر آتے ہی کیوں ہو؟ کہو یہ اُسے کہنا چاہیے تھا۔

سدارنگ: بابوجی۔ یہ جگت تو لوہار کی دکان ہے۔ جس میں رات دن کھٹ کھٹ ہوا کرتی ہے۔ ایک نے کہا آؤ جی، دوسرے نے کہا جاؤ جی۔ اس آؤ جی جاؤ جی کو لڑائی نہیں کہتے۔

بنّی پرساد: پھر کیا کہتے ہیں؟

سدارنگ: اسے من رجھانے کا ڈھنگ اور رنڈی کا چونچلا کہتے ہیں۔

(کام لتا کا پرویش)

کام لتا: کیا ہے ماں؟

راج کنور: اب تمھیں مناؤ۔ یہ تو بگڑ کر چلے جا رہے ہیں۔

کام لتا: جا رہے ہیں— کہاں جاتے ہو؟

بنّی پرساد: نرک میں۔

کام لتا: اچھی بات ہے۔ کل ایک آدمی کہہ رہا تھا کہ آٹھ دن سے نرک کے دروازے پر، ٹولیٹ لکھا ہوا ہے۔ جاؤ آرام سے رہو گے۔

بنّی پرساد: میں تمھارے ہتھکنڈے خوب سمجھتا ہوں۔ جگل جیسی سیدھی سادی اسامی مل گئی ہے۔ اس لیے مجھ سے الگ ہونے کا بہانہ ڈھونڈھ رہی ہو۔ کِنتو سنو، جگل میرا دوست ہونے پر بھی آج تک میرے اور تمھارے پرانے سمبندھ کا حال نہیں جانتا۔ جس دن جان گیا، تمھاری صورت بھی نہ دیکھے گا۔

کام لتا: (منھ چڑھا کر) اونھ۔ یہ رس گُلا جیسے گال سلامت رہیں، ایک مکھی جائے گی تو سو مکھیاں آجائیں گی۔

راج کنور: ارے کیسی لڑکی ہے۔ ماں باپ لڑ رہے ہیں اور تو ٹک ٹک دیکھ رہی ہے۔ لو اس برف کے ٹکڑے کو کلیجے سے لگاؤ، ابھی غصہ ٹھنڈا ہوجائے گا۔

بنی پرساد: کام لتا۔ یہ میرے اور تمھارے پریم ورکش کا اَپوتر پھل ہے۔ نہ جانے پوروجنم میں اس نے کون سا اَپرادھ کیا تھا جو کسی کل ودھو کی کوکھ سے جنم لینے کے بدلے تم جیسی ویشیا کے گربھ سے جنم لیا۔ میں باپ ہونے کے ادھیکار سے اب اپنی سنتان کو تمھارے زہری دودھ سے پالنا نہیں چاہتا۔

کام لتا: تو؟

بنی پرساد: آدمی کا بچہ بھیڑیوں کے بھٹ میں پل کر بھیڑیوں کے سوبھاؤ کے سوا کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ اس لیے اپنی سنتان کا بھوشیہ، اپنی عزت، اپنے کل کی مریادا بچانے کے لیے اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ میں یہ کبھی سہن نہ کرسکوں گا کہ یہ بڑی ہوکر کل ودھو بننے کے بدلے تم جیسی ویشیا بنے۔

کام لتا: یہ وچار آج آیا۔ کنبھ کرن کی نیند لنکا جل چکنے کے بعد ٹوٹی۔ بابو صاحب، یہ بات اُسی روز سوچنی تھی جب باپ کی کمائی کے روپے جیب میں ڈال کر پہلی مرتبہ رنڈی کے کوٹھے کی طرف آنکھ اٹھائی تھی۔ رنڈی کے گربھ سے جنم لینے والی کنیائیں آکاش سے نہیں گرتیں۔ تم ہی جیسے دھن وان، کل وان پُرشوں کی سنتان ہوتی ہیں۔ جو لوگ اپنے کل کو کلنک لگانا، رنڈی کی لڑکی کا باپ کہلانا، ویشیا کے پیٹ سے جنم لینے والی اپنی سنتان کو کوٹھوں پر نچوانا نہیں چاہتے، انھیں رنڈی کی چوکھٹ پر پاؤں بھی نہ رکھنا چاہیے۔

بنی پرساد: جو نہ ہونا چاہیے تھا ہوچکا۔ لیکن اب......

کام لتا: بنی پرساد جی۔ رنڈی کے گھر کو کبوتر کی چھتری کہتے ہیں۔ تمھارے پاس کیا پرمان ہے کہ یہ تمھاری لڑکی ہے۔

بنی پرساد: اس کے جنم لینے کے چھ مہینے کے بعد تم نے میرے نام کا پہلا اور دوسرا اکشر اس کی کلائی پر کھدوایا تھا — (کلائی دکھا کر) یہ دیکھو بنی کا 'بِ' اور پرساد کا 'پ'۔ کیا ان اکشروں کے ہوتے ہوئے بھی کسی اور پرمان کی آوشیکتا ہے۔

کام لتا: کلائی پر کھدے ہوئے دو اکشروں سے لڑکی پر ڈگری مل سکتی ہے تو جاؤ عدالت میں دعویٰ کرو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے اب تک اس کے لالن پالن پر ہزاروں روپے خرچ کیے ہیں۔

بنی پرساد: وہ روپے بھی تمھاری تجوری سے نہیں، میری ہی جیب سے نکلے تھے۔ پھر بھی لڑکی کے بدلے تم پانچ سو مانگو تو میں پانچ ہزار دینے کو تیار ہوں۔

کام لتا: پانچ ہزار۔ بس اتنا ہی۔ ارے اسے جوان تو ہونے دو۔ جس دن یہ اپنا روپ اور جوانی بیچنے کے لیے بازار میں نکلی، اس دن میں پانچ ہزار تو اس کی مسکراہٹ کے وصول کرلوں گی۔

بنی پرساد: تو کیا تم اسے بھی ویشیا بنانے کا وچار رکھتی ہو؟

کام لتا: رنڈی کے گھر میں جنم لینے والی لڑکی ویشیا نہ بنے گی تو کیا دیوی بنے گی۔ آشچریہ سے کیا دیکھتے ہو۔ رنڈی کی دوستی کا یہی پرینام ہے۔ میں نے رنڈی بن کر اپنے باپ کا سر نیچا کیا۔ یہ ویشیا بن کر تمھاری ناک کاٹے گی۔

بنی پرساد: وہ دن آیا تو نہ یہ جیے گی، نہ میں جیوں گا— لاؤ لڑکی۔

(لڑکی کو چھیننا چاہتا ہے)

راج کنور: بٹیا، یہ تو غصہ دلاکر دلگی دیکھنے کے لیے تمھیں چھیڑ رہی ہے۔ (کام لتا سے) ارے تو بڑی پاجی لڑکی ہے۔ لال اتنی ننھی سی جان کو ماں اور نانی کے سوا دوسرا نہیں پال سکتا۔ کون روکتا ہے۔ اسے تین چار برس کی ہونے دو، پھر لے جانا۔

(آنکھ مارتی ہے۔ سدا رنگ مطلب سمجھ کر لڑکی کو گھر میں لے جاتا ہے)

بنی پرساد: اتنا سہی۔ اچھا۔ اس کے بعد روپے سے، زبردستی سے، عدالت سے جس طرح بھی تم راضی ہوگی، اُسے میرے حوالے کرنا ہوگا۔ سن لیا۔ تین برس کی تاریخ یاد رکھنا۔

(بنی کا پرستھان)

راج کنور: (ہنستی ہے) ہا ہا ہا۔ چلے گئے ڈگڈگی بجاتے ہوئے (سدا رنگ لڑکی کو گھر میں چھوڑ کر واپس آتا ہے) دیکھا سدا رنگ جی۔ چور کے گھر میں سیندھ لگانا چاہتا تھا۔

کام لتا: کِنتو ماں، تم بھی اپنے باپ کی چچی ہو۔ ایک ہی چھومنتر میں اڑیل گھوڑے کو مریل گدھا بنا دیا۔

سدارنگ: چھوٹی بائی جی۔ نائیکا بننا سہج نہیں ہے۔ رنڈی کو چوہے کی طرح پھونک پھونک کر کاٹنا چاہیے۔

کام لتا: اچھا اماں، یہ موا تو گیا۔ تھوڑی دیر میں جگل آپہنچے گا۔ اب اُس کے پھانسنے کے لیے ہمیں تیار ہوجانا چاہیے۔

سدا رنگ: بائی جی۔ تم نے جگل کے دیوالہ نکالنے کی جو چال سوچی ہے، وہ سُر اور تال سے تو ٹھیک ہے۔ بڑی بائی جی کے ساتھ سے پر میں بھی سر ہلا دوں گا۔ کِنتو۔

کام لتا: کنتو کیا؟ دیکھو استاد جی۔ جس کے پاس انوبھو اور بدّھی کا ابھاؤ ہو، جوانی ہو، پیسہ ہو، بگاڑنے والے دوست اور رنڈی سے چوتھ کھانے والے مصاحب ہوں، اس کے وعدے اور محبت کا کوئی بھروسا نہیں۔ جگل ہزار دو ہزار نہیں، کئی لاکھ کی اُسامی ہے۔ یہ سونے کی مچھلی دوسرے کے جال میں پھنس گئی تو ہم سب ڈور اور کانٹے سے کھیلتے رہ جائیں گے۔

سدا رنگ: بائی جی۔ اپنے پریم کا وشواس دلانے کے لیے ماں کے ساتھ جھوٹی لڑائی لڑکر جگل کے گھر جا تو رہوگی، کِنتو مجھے ڈر ہے کہ جانے کے بعد واپس آنا نہ بھول جاؤ۔

کام لتا: پاگل ہوگئے ہو۔ کہیں ہوا میں اڑنے والا پکھیر و پنجرے میں بند رہ سکتا ہے۔ دو ہی چار مہینے کے اندر اس کی جیب، بینک اور صندوق کے روپیوں کا صفایا کرکے کوئی نیا شکار پھانسنے کے لیے پھر اپنی پرانی چھتری پر آبیٹھوں گی۔

راج کنور: ارے چپ چپ۔ جگل آپہنچا۔

کام لتا: ہاں تو لڑائی کے ناٹک کا پہلا سین شروع ہوجانا چاہیے۔ دیکھو ماں ٹھیک ٹھیک

پارٹ کرنا۔ یہ معلوم ہو کہ فریب کے اسٹیج پر ماں بیٹی نہیں دو مرغیاں لڑ رہی ہیں۔

راج کنور: ارے چل چل۔ کسی بھاگوان کا بھاگ چرا لائی تھی جو میری کوکھ سے جنم لیا۔ (جنگل کا پرویش) حرام زادی کھال سے باہر ہوئی جاتی ہے۔

کام لتا: دیکھ بڑھیا۔ تو بھیگی ہوئی جوتی کی طرح بڑھتی جا رہی ہے۔ منھ بند کر نہیں تو سر کا ایک ایک بال نوچ کر گنجی بندریا بنا دوں گی۔

راج کنور: اوہو۔ ہاتھی کے مستک پر مینڈکی ناچے گی۔ مجھے بڑھیا نہ سمجھنا۔ ایسا گھونسا جڑوں گی کہ منھ دکھائی دے گا۔ لیکن منھ پر ناک نہ دکھائی دے گی۔

سدارنگ: جانے دو بائی جی۔ جانے دو۔ پولس آ گئی تو دونوں کا دفعہ چونتیس میں چالان کر دے گی۔

کام لتا: بس تم چونچ بند رکھو۔ کوئل اور مینا کی لڑائی میں کوے کو بولنے کی ضرورت نہیں۔

جنگل کشور: آج یہ نئی بات کیسی— کام لتا آگ کیوں ہو رہی ہو؟— کیا ہوا؟

کام لتا: مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ جس کا روپیوں سے گھر بھر دیا ہے، اُسی نمک حرام بڑھیا سے پوچھو۔

جنگل کشور: یہ تو آپے میں نہیں ہے۔ ماں تم ہی بتاؤ۔

راج کنور: میں کیا بتاؤں۔ جو تمھارے کوٹ کا بٹن بن کر رہنا چاہتی ہے، وہی بتائے گی۔

کام لتا: (سائڈ میں) جیتی رہو ماں۔ خوب پارٹ کر رہی ہو۔

جنگل کشور: سمجھ میں نہیں آتا گرو جی۔ یہ کیا جھگڑا ہے۔

سدارنگ: بابو جی، میں کیا بتاؤں؟ جہاں مردنگ بج رہے ہوں، وہاں ڈفلی کی آواز کون سنتا ہے۔

راج کنور: سدا رنگ جی، تم نے کتھک کے گھر میں جنم لیا تو کیا۔ کنتو آدمی دھرماتما ہو۔ گلے کی کنٹھی چھو کر کہو، کس کا دوش ہے؟

کام لتا: دوش کی بچی۔ اپنی ماسی سے پوچھ۔ ماما سے کیا پوچھ رہی ہے۔ حرام کا کھا کھا کر پھولتی جا رہی ہے۔ اری ارتھی بھاری ہو جائے گی۔ جلدی مر۔ مر۔

(گلا دباتی ہے)

سدارنگ: ارے۔ رے۔ رے۔ یہ کیا کرتی ہو۔ یہ تو ہماری روٹی کا سہارا ہیں۔ مرگئیں تو ہمیں پیٹ پالنے کے لیے سارنگی بیچ کر حجام کا استرا خریدنا پڑے گا۔

راج کنور: ارے تیرے ہاتھ ٹوٹیں۔ تجھے مانگی بھیک نہ ملے (جنگل سے) کیوں؟ بیٹی کے ہاتھ سے ماں کا گلا گھٹوا کر کلیجہ ٹھنڈا ہوا؟ میں کبھی نہ مانوں گی۔ تم نے ضرور اس پر جادو کیا ہے۔

جنگل کشور: یہ کیا۔ مدراس کا بادل کلکتہ پر کیوں برسنے لگا؟

سدا رنگ: (دل میں) کھوپڑی سے سمجھ بہا لے جانے کو۔

کام لتا: دیکھو جی۔ میرا شریر رنڈی کے رکت مانس سے بنا ہے۔ مگر میرا دل رنڈی کا دل نہیں ہے۔ بڑھیا نے تو کئی دفعہ پھونک مار کر بجھانا چاہا، لیکن اس پاپ کے مندر میں ابھی تک دھرم کا دیا جل رہا ہے۔

جنگل کشور: مجھے یہ تو سمجھاؤ۔ ہوا کیا؟

کام لتا: تم نے کرم چند کا پڑپے کا نام تو سنا ہوگا۔ اس کے سالے بھاگ چند کو چھ دفعہ دیوالہ نکالنے کے بعد سٹے میں پھر دس لاکھ روپے مل گئے ہیں۔ کل اُس کا آدمی آ کر کہنے لگا کہ جنگل بابو کی نوکری چھوڑ دو تو سیٹھ بھاگ چند پانچ ہزار پیشگی اور دو ہزار کا مہینہ دینے کو تیار ہیں۔ بس پانچ ہزار کا نام سنتے ہی بڑھیا پکے ہوئے پھوٹ کی طرح کھل گئی۔ لیکن ہم نے صاف کہہ دیا کہ ہم بے وفا نہیں ہیں۔ جس بابو کا ہاتھ پکڑتے ہیں، اُس کا مسان تک ساتھ دیتے ہیں۔

سدارنگ: (سائڈ میں) سچ ہے بائی جی ایسی وفادار ہیں کہ بابو کا پیسہ ہی نہیں، بابو کی جان تک لے کر چھوڑتی ہیں۔

راج کنور: جب تو نے کہہ دیا تو میں کیوں چھپاؤں — بابو صاحب، ملتا ہوا دھن کوئی نہیں چھوڑتا۔ رنڈی تو نیلام کا مال ہے۔ جو بڑھ کر بولے گا وہی خرید سکے گا۔

کام لتا: دیکھو پریتم۔ مجھے اس رنڈی کے دھندھے سے گھرنا آ گئی ہے۔ اب میں تمھاری چرن سیوا کر کے اپنے پاپی جیون کا پرائشچت کرنا چاہتی ہوں۔ کیا تم مجھے چار موٹے کپڑے اور دو مٹھی اَن نہیں دے سکتے۔ جنگل مجھے اس پاپ کے

نرک سے نکال کر اپنے گھر لے چلو۔ ایک بھٹکی ہوئی ناری کو دھرم کا رستہ بتاؤ— دیکھو نہیں نہ کرنا۔ یدی تم نے مجھے شرن نہ دی تو میں آج ہی سنیاس لے کر ورنداون چلی جاؤں گی۔

جگل کشور: کام لتا، میں ہر پرکار سے تمھاری رکشا کرنے کو تیار ہوں۔ کنتو کنبے، بھائی، بیوی کے ہوتے ہوئے تمھیں گھر لے جانے کا ساہس نہیں کرسکتا۔

کام لتا: تب میں پاپ سے بچنے کے لیے کنویں میں پھاند پڑتی ہوں (رو کر) استاد جی، ارتھی اور چتا تیار کرو، میں ڈوبنے جاتی ہوں۔

سدارنگ: (روک کر) ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ بابو جی مرنے سے روکیے۔ ایسی خوبصورت عورت گھڑی گھڑی پیدا نہیں ہوتی۔

راج کنور: مرتی ہے تو مرنے دو— بابوجی، سوچتے کیا ہو۔ جانا چاہتی ہے تو لے جاؤ نا— بہتوں کو دیکھ چکی اب تمھیں بھی دیکھوں گی کہ کتنے دن اسے سکھ سے رکھتے ہو (کام لتا سے) او ابھاگنی سنتی ہے۔ یہی جو آج تیرے پیروں کے آگے نوٹ بچھاتے ہیں، کل تیرے بدن کا زیور تک بیچ کر کھاجائیں گے۔

کام لتا: میں زیور کی بھوکی نہیں۔ ان کے پریم کی بھوکی ہوں— تو ضرور کل انھیں بدنام کرے گی کہ زیور کے لالچ سے میری لڑکی کو لے گئے ہیں۔ جب حرام کا دھندا چھوڑا، تب حرام کی کمائی کا زیور بھی نہیں چاہیے— یہ لے اُٹھا لے اپنا زیور۔

(گہنا اتار کر پھینکتی ہے)

سدارنگ: (سائڈ میں) شاباش، رنڈی وہی ہے جو اپنے گھر کی جھاڑو بھی باہر نہ جانے دے۔

راج کنور: ناک والی بن کر زیور تو دے چلیں۔ اب یہ سات سو روپے کی ساڑی سنبھال کر رکھنا۔ بابو کے گھر سے نکالے جانے کے بعد اسی کو گرو رکھ کر کچھ دنوں بھیک مانگنے سے بچ جاؤ گی۔

کام لتا: بھیک مانگے تو اور تیری ہونے والی نوچی۔ ٹھہر جا۔ میں تیری خریدی ہوئی

جوتی بھی تیرے ہی منھ پر مارتی ہوں۔

(اندر جاتی ہے)

جگل کشور: استاد جی، تم کچھ بولتے نہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟

سدارنگ: حضور یہ ماں بیٹی کا ناٹک ہو رہا ہے— دو ڈراپ ہو چکے— تیسرا شروع ہونے والا ہے۔ آپ ٹکٹ لے کر آئے ہیں اور میں بنا ٹکٹ کے دیکھ رہا ہوں۔

(کام لتا سفید ساڑی پہن کر آتی ہے)

کام لتا: میرا دینے والا جیتا رہے، مجھے کیا پروا ہے؟ (راج کنور سے) زیور پا چکی، لے اپنے سات سو کی ساڑی بھی رکھ چھوڑ۔ دیکھ اب نہ کہنا کہ مجھے لوٹ لے گئی۔ میں اس دھوتی کے سوا تیرے گھر کا ایک تنکا بھی لے کر نہیں جاتی۔

سدارنگ: چلو بائی جی۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ دو ایک سین اور دیکھوں گا، یہاں تو ڈراپ سین ہی گر گیا۔

(جاتا ہے)

جگل کشور. کام لتا، یہ کیا کیا؟ پھر سوچ لو۔ ایک ہی پُرش کو دیو مان کر اس کی سیوا اور بھکتی میں اپنا سارا جیون بتانا، یہ ناری کی تپسیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لالسا کا راکشس تمھاری تپسیا بھنگ کر دے۔

کام لتا: ناتھ، مجھ پر وشواس کرو۔ جیسے سانپ کینچلی اُتار دیتا ہے، ویسے ہی میں اپنا ویشیا پن اس گھر میں چھوڑ کر تمھارے ساتھ چل رہی ہوں— دیکھ لینا، اپنے آپ کو ایسا بدل ڈالوں گی کہ جو آج مجھے رنڈی کہتے ہیں، وہی کل مجھے مہا ستی کے نام سے پکاریں گے۔

انک پرتھم — درشیہ ششم

جگل کشور کا گھر

سروجنی: مادھو، تمھارے بھائی کل سے گھر نہیں آئے جیسے راستے میں بچھڑ گئی ہوئی گائے اپنے گوالے کو پکارتی ہے ویسے ہی میرا ہردے ان کے لیے پھڑک رہا ہے۔ جانتے ہو وہ کہاں ہیں؟

مادھو: میں ایک ستی کو دُکھ دینے کے پاپ سے بچنا چاہتا تھا، اس لیے آج تک چھپایا۔ کِنتو جب آگ پہاڑ کی چوٹی پر جل رہی ہو تو اُسے چھپایا نہیں جاسکتا — ہاں بہن میں جانتا ہوں۔

سروجنی: تو بتاؤ میرے پتی دیو کہاں ہیں؟

مادھو: تم سے تھوڑی دور پر — اس گھر سے ملے ہوئے باغ میں۔

سروجنی: باغ میں — اکیلے؟

مادھو: جس چندن کے ورکش میں سانپ لپٹے ہوں اُسے اکیلا نہیں کہہ سکتے۔ ان کے ساتھ کون کون ہے — سنوگی؟ — دُراچار — لالسا — انمادتا — دُربدھی اور۔ اور۔ شما کرنا، بادھیہ ہوکر کہتا ہوں — اور بازار میں بیٹھنے والی کام لتا۔

سروجنی: کیا — کیا — کام لتا — باغ میں؟

مادھو: ہاں، وہ اپنی ماں سے لڑ کر چلی آئی ہے اور اب تمھارے پتی کے گلے کا ہار بن کر ہمیشہ اسی باغ میں رہے گی۔

سروجنی: نہیں نہیں۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔ میرے پتی پر دوش لگاتے ہو۔ وہ بھول کر سکتے ہیں، پیتل پر سونے کا دھوکا کھاسکتے ہیں کِنتو سچی بھکتی اور پریم کے ساتھ ایسا

انیائے نہیں کرسکتے۔ کہو کہو کہ میں نے جھوٹ کہا— چپ ہو— نہیں بولتے— تب کیا یہ سچ ہے— اوہ— اوہ— یدی یہ سچ ہے تب سنسار میں میرے لیے کیا رہ گیا— رونا اور مرتیو۔

(گر پڑتی ہے)

مادھو: اے ویشیاؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے کامی پُرشو، تمھاری منشیتا اور دیا کہاں چلی گئی۔ تم ان گھر کی گئوؤں کو ایکانت میں بہتے ہوئے جھرنے کے سمان رُلاتے رہتے ہو— کنتو یاد رکھو— تمھیں ان ستیوں کے ایک ایک آنسو کا ایشور کے سامنے اُتر دینا ہوگا۔ بہن اُٹھو— جیون ساگر میں سدا جوار بھاٹا آتا رہتا ہے۔

سروجنی: تاروں کی جگمگاہٹ، دھرتی کی شوبھا، پھولوں کی ہنسی، کوئل کی کوکو، ندیوں کا سنگیت، اب سنسار کی کوئی وستو مجھے سکھی نہیں کرسکتی۔ ارے کام لتا۔ ارے نردئی ناری— تو میرا گھر چھین لے۔ زیور چھین لے۔ ایشور کے دیے ہوئے سارے سکھ چھین لے، کنتو میرے سوامی کو مجھ سے نہ چھین۔ سوامی ہی جیون ہیں— اور سوامی ہی سے جیون کا مان ہے۔

(روتی ہوئی چلی جاتی ہے)

مادھو: نہیں سمجھ سکتا کہ بھارت کی استریوں کو ایشور نے کس وستو سے بنایا ہے۔ ان کا بھکتی پوروک پریم ایک اتھاہ ساگر ہے، جو بڑھنا جانتا ہے، گھٹنا اور سوکھنا نہیں جانتا۔

انک پرتھم — درشیہ سپتم

باغ میں بارہ دری

(پھولوں کی کمان کے نیچے ایک سنگ مرمر کے صوفے پر جگل کشور اور کام لتا بیٹھے ہیں۔ ایک طرف میز پر شراب کے کنٹر اور گلاس رکھے ہیں۔ کام لتا تھوڑی تھوڑی دیر سے گلاس بھر کر جگل کو دیتی ہے۔ خوب صورت عورتوں کا غول ناچ رہا ہے۔ سازندے سرود اور بربط بجا رہے ہیں۔ گانا ہوتا ہے)

گاڑ گاڑ — مل مل بجنی۔
کاری بدریا چھائی رے
ناچت مور پپیہا بولے۔ امرت رس نس نس میں ڈولے
بجن ملن کی رُت آئی رے
ڈوب گئی میں پیار کے رنگ میں
امنگ اٹھت ہے انگ انگ میں
جو بنوا کرے جورا جوری
انگیا میری مسکائی رے
گاڑ گاڑ کاری بدریا چھائی رے

(ناچ ختم ہونے پر ناچنے والیاں اور سازندے رخصت ہوتے ہیں)

کام لتا: کیا دیکھتے ہو پریتم، کبھی شراب کے پیالے کی طرف اور کبھی میرے مکھ کی

اور۔ کیا دیکھ رہے ہو؟

جگل کشور: جب تمھارے مکھ کی اور دیکھتا ہوں تب معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کے پیالے میں سوندریہ کی مدرا رس اور رنگ کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ کام لتا سمجھ میں نہیں آتا کہ پہلے کسے پیوں۔ گلاس کی مدرا یا تمھارے روپ کی مدرا۔

کام لتا: پریتم روپ اور مدرا ہی مل کر پریمی ہردے میں سکھ کی سرشٹی کرتے ہیں۔ پیو اتنا پیو کہ پیالے میں ایک گھونٹ بھی باقی نہ رہے۔ ایک کو ہونٹوں سے پیو، دوسرے کو آنکھوں سے۔

جگل کشور: جس گھر میں کامنا اور ترپتی کا مدھر ملن ہے، روپ ہے، مدرا ہے، سنگیت ہے، وہی گھر سورگ ہے۔ سندری، میں نے تمھارے پریم سے وردان پاکر بنا تپسیا کے سورگ کو جیت لیا ہے۔

(اندر جاتا ہے)

کام لتا: (نفرت آمیز ہنسی کے ساتھ) ہا ہا ہا۔ یہ کاؤ پُرش بھی کتنے جھوٹے اور نرلج ہیں۔ اخباروں میں، لکچروں میں، ناولوں میں، ناٹکوں میں ہم ویشیاؤں کو بازار کی گھرنت کتیا کہتے ہیں اور پھر اُس کتیا کی ایک چھوٹی مسکراہٹ کے لیے اُسی کتیا کو ہردیشوری اور سندری کہہ کر اپنا تھوکا ہوا آپ ہی چاٹتے ہیں (شراب انڈیلتی ہے) جوں جوں گلاس بھرتا ہے بوتل خالی ہوتی جاتی ہے۔ جگل ٹھہر جا۔ میں اسی بوتل کی طرح ایک دن تیرے گھر کو بھی دھن اور سکھ سے خالی کردوں گی۔

(سروجنی رکتی اور جھجکتی ہوئی آتی ہے)

سروجنی: پریم کی اُتماں یہاں تک کھینچ لائی کنتو اب پاؤں آگے نہیں بڑھتے۔ چھی چھی، مجھے یہاں نہ آنا چاہیے تھا۔ لوٹ جاؤں۔ ارے پاگل ہردے پھر یہاں لایا ہی کیوں تھا۔ نہیں کرم کا لکھا پڑھ کر لوٹوں گی— (کام لتا سے) تم ہی کام

لتا ہو؟

کام لتا: ہاں، تم کون ہو؟

سروجنی: پہلے میرا نام سروجنی تھا اور اب ابھاگنی ہے۔

کام لتا: پہچان گئی۔ تمھارے پتی سے یہ نام سن چکی ہوں۔ کنتو یہ کیا کہا؟ ایسا تیج اور ایسا روپ اور ابھاگنی؟

سروجنی: اسے روپ نہ سمجھو۔ یہ میرے جلے ہوئے بھاگیہ کی راکھ ہے جو ودھاتا نے میرے منھ پر مل دی ہے۔ کام لتا، کیا تم ناری ہو؟

کام لتا: تم کیا سمجھتی ہو؟

سروجنی: یدی تم ناری ہو تو ایک ابھاگنی ناری کا دکھ ضرور سمجھو گی۔ جانتی ہو، کون سی وستو چھن جانے پر ناری کا چہرہ مرجھائے ہوئے پیلے پتے کی طرح سوکھ جاتا ہے؟ جانتی ہو، کس وستو کے ابھاؤ سے سارا سنسار چتا کے سمان دھک دھک جلتا ہوا دکھائی دیتا ہے؟ کام لتا، جس وستو کو اپنا بنانے کے لیے ہندو ناری رات دن دیوتاؤں کو پشپانجلی چڑھاتی ہے۔ جس وستو کے سامنے ہندو ابلا سورگ کی سمپتی کو بھی تچھ سمجھتی ہے، اُس وستو کے لیے تمھارے پاس پرارتھنا لے کر آئی ہوں، تم ناری ہو، تب ایک دکھیا ناری پر دیا نہ کرو گی؟

کام لتا: یدی ہو سکا— کہو کیا کامنا ہے؟

سروجنی: جو سہاگ کی شوبھا ہے، ماتھے کا تلک ہے، مانگ کا سندور ہے، ہردے کا راجا ہے، اُس کی کامنا کے سوا ہندو ناری کی اور کیا کامنا ہو سکتی ہے۔ میں ایک بڑے گھر کی کل ودھو ہوکر بھکارن کی طرح تمھارے سامنے ہاتھ پھیلاتی ہوں۔ بھکشا دو۔ مجھے میرے پتی کی بھکشا دو۔

کام لتا: کیا تمھارا پتی تمھیں دے دوں؟

سروجنی: ہاں بھکارنی کا دھن بھکارنی کو دے دو۔ آج سنسار پر پرمانت کردو کہ جیسے ہیرا پرنالے کی کیچڑ میں گر کر بھی اپنی چمک نہیں کھوتا، ویسے ہی بھارت کی ابھاگنی ناریاں پتت ہونے پر بھی پنیہ کی مہما نہیں بھولتیں۔

کام لتا: ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔ (خود سے) اس کی دکھ بھری پکار سے ہردے میں سوئی ہوئی دیا کروٹ لینے لگی۔ کیا اسے جھنجھوڑ کر جگا دوں؟

سروجنی: کیا سوچ رہی ہو؟— میرا دھن، سکھ، مان، نیند، چین، کرم، موکش، لوک پرلوک جو کچھ ہیں پتی ہیں۔ ان کے بنا میرے لیے سنسار کچھ نہیں ہے، کنتو تمھارے لیے سب کچھ ہے۔ کیونکہ میں دھرم بندھن سے بندھی گھر کی استری ہوں اور تم سوتنتر ویشیا ہو۔

کام لتا: کیا کہا؟— ویشیا۔ اوہ میں دیا کرنے چلی تھی، تم نے ٹھیک سمے پر تھپڑ مار کر میری بھول مجھے جتا دی۔ نشچے میں ویشیا ہوں۔ سنو، ایک سمے تھا جب میں بھی دھرم پرائنا تھی، اُچ تھی، پوتر تھی، کلنک کے اسپرش سے بچنا اور پنیہ کے شرن میں جیون بتانا چاہتی تھی۔ کنتو تمھارے ہی بھائیوں اور بیٹوں نے، تمھارے ہی سماج کے بھدر پُرشوں نے میرے اور سورگ کے بیچ پاپ کی دیوار کھڑی کر دی۔ میں کامنا اور یتن کرنے کے بعد بھی دیوی نہ بن سکی۔ کیا بنی؟— ویشیا— جانتی ہو کیوں ویشیا بنی؟

سروجنی: ہمیں یہ پاپ کی کہانی نہ سناؤ۔

کام لتا: جو لوگ بڑے دھری اور نیائی بن کر ویشیا کو ویشیا بننے کے لیے دوش دیتے ہیں، انھیں ویشیا کے دکھی ہردے کی پکار بھی سننی ہوگی— سنو۔ کوئی بالیکا ماں کے پیٹ سے ویشیا نہیں پیدا ہوتی، اس کے اناتھ ہونے، نراشرے ہونے، اَنّ وستر ہین ہونے، سنسار کی چھل کپٹ سے اگیان ہونے کا لابھ اٹھا کر لمپٹ کامی پُرش اُسے ویشیا بننے کے لیے بادھیہ کر دیتے ہیں۔

سروجنی: اوہ۔ چپ رہو۔

کام لتا: دنیا میں کون ہے جس سے بھول نہیں ہوئی۔ اگیان بالکا بھی کامی پُرش کے لوبھ اور دھوکے میں پھنس کر بھول بیٹھتی ہے۔ کِنتو بھول کا گیان ہونے پر جب وہ ہوش میں پوتر جیون بتانے کے لیے دو وستر اور ایک مٹھی انّ کا سہارا ڈھونڈھتی ہے تب سارے دیا اور پروپکار کا اُپدیش دینے والے بہرے

اور گونگے بن جاتے ہیں۔ سماج کی چوکھٹ سے، گرہستوں کے گھر سے، اناتھ شالا اور ودھوا آشرم کے دروازے سے دھتکارے جانے کے بعد نروپائے ہوکر وہ جس کلنک کے راکشس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگی تھی، انت میں اسی کے چرنوں میں گرجاتی ہے۔ اور ویشیا بن جاتی ہے۔ یدی یہ پاپ ہے تو اس پاپ کا دوش اُس سماج پر ہے جو پاپ کو برا کہنا جانتا ہے کنتو پاپی کا اُدھار کرنا نہیں جانتا۔

سروجنی: میں تم سے ترک کرنا نہیں چاہتی، کیول اپنا پران پتی چاہتی ہوں۔ ایک بھکارنی تمھارے ہردے کے دروازے پر آواز دے رہی ہے۔ دو۔ دو، اُسے بھکشا دو۔

کام لتا: آہا ہا ہا۔ سے کیسا بلوان ہے۔ شیو کی جٹا میں نواس کرنے والی گنگا کو دھرتی پر اترنا پڑا ہے۔ جو سماج اگیانتا کی پرتھم بھول پر بھی دیا نہیں کرتا، آج اُسی سماج کی پتی ورتا استری ہاتھ پھیلا کر ایک ویشیا سے دیا کی بھیک مانگ رہی ہے۔ نہیں۔ سماج کے کسی پُرش اور کسی ناری نے ہم پر دیا نہیں کی۔ ہم بھی کسی پر دیا نہیں کریں گے۔ ہم ویشیا ہیں۔ گھر کی ناریوں کا سہاگ اور اُن کے بیٹوں، بھائیوں اور پتیوں کا جیون نشٹ کرنا ہمارا دھرم ہے۔

سروجنی: نہیں نہیں۔ دان دینے کی شکتی رکھ کر بھکارنی کو دروازے سے نہ لوٹاؤ۔ میں لوک پرلوک کی سمپتی اور برہمانڈ کا راج نہیں مانگتی۔ کیول ساگر سے ایک بندو، سوریہ سے ایک کرن، کُبیر سے ایک پیسہ اور اننت سُکھ میں کھیلتی ہوئی ناری سے ایک دیا کی درشٹی مانگتی ہوں۔ تم لالی اور پاؤڈر کے دوارا، رات دن بیماری اور بڑھاپے سے نشٹ ہوجانے والے روپ کی رکشا کرتی ہو۔ کیا آج اپنے دیا دھرم کی رکشا نہ کرو گی؟

کام لتا: گرہست گھر کی ہر ایک استری ہم ویشیاؤں کی شترو ہے۔ شترو پر دیا نہیں کی جاتی۔ تم بھی ناری ہو۔ تم بھی روپ وان ہو، تم بھی پریم بھرا ہوا غصہ اور ہنسی بھرا ہوا رونا جانتی ہو۔ یدی تمھارے ہونٹوں میں سمجھانے اور پریم میں

روٹھے ہوئے کو منانے کی شکتی ہے تو اپنے پتی کو میرے باہو بندھن سے چھڑا لے جاؤ۔ آج دیکھنا ہے کہ کس میں ادھک بَل ہے۔ استری کے پریم میں یا ویشیا کے روپ میں۔

سروجنی: اتنی کٹھورتا۔ اتنا ابھیمان۔ اچھا۔ میں بھی دیکھتی ہوں کہ پاپ پُنیہ کا چہرا لگا کر کہاں تک پریم اور وشواس کو دھوکا دے سکتا ہے۔ راکشسنی تم اپنے سارے چھل اور بل سے بھی استری اور سوامی کے جنم جنم کا بندھن کبھی نہیں توڑ سکتیں۔ آج ہو، کل ہو، دس برس کے بعد، کنتو وہ دن نشچے آئے گا جب میرے پربھو ہردے کی پیاس بجھانے کے لیے تمھارے روپ کی مرو بھومی سے ترا ہی ترا ہی کرتے ہوئے گھر کے آنند سرودر کی طرف دوڑیں گے اور تمھیں اسی طرح چھوڑ دیں گے جس طرح لوگ دیوی کے مندر میں پرویش کرتے سمے گندی جوتی کو باہر چھوڑ دیتے ہیں۔

(جنگل کا پرویش)

جنگل کشور: پریے اندر چلو — بادل گھرے آرہے ہیں — کون؟ — سروجنی!

کام لتا: تمھیں مجھ سے چھیننے آئی ہیں۔ کہتی ہیں کہ ویشیا کو پریم کرنے کا ادھیکار نہیں ہے۔

جنگل کشور: (سائڈ میں) پاپ کی پرتیما کے سامنے پُنیہ کی مورتی کھڑی ہے۔ وشواس گھاتک اب اسے کیا اُتر دے گا؟ (سروجنی سے) یہاں...... تم...... کیسے آئیں؟

سروجنی: جیون پربھو، ہندو ناری اپنے سوامی کو اپدیش دینے کا ادھیکار نہیں رکھتی۔ کنتو شما کریں آج ساہس کر کے تمھارے ہی منگل کے لیے دو شبد بولنے کی آگیا مانگتی ہوں۔ ناتھ ناری کا مان روپ سے نہیں گُن سے ہوتا ہے۔ جھوٹے روپ، جھوٹے پریم، جھوٹی ہنسی کے سوا اِس ناری میں کون سا گُن ہے جو تمھیں دکھائی دیتا ہے اور جگت کو دکھائی نہیں دیتا۔ دیکھو اس کے مکھ کی اور دیکھو۔ اس مکھ پر بجلی کی چمک ہے، کنتو ستیہ کا تیج کہاں ہے؟ ان آنکھوں

میں کام کا نشہ ہے۔ کنتو لاج کی شوبھا کہاں ہے؟ ان گالوں میں پھولوں کی لالی ہے، پوترتا کی سگندھ کہاں ہے؟ پربھو، نرک اور سورگ ایک جگہ نہیں رہتے۔ ویشیا کا روپ ہی سندر ہوتا ہے، ہردے سندر نہیں ہوتا۔

جگل کشور: (سوچتا ہے) ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس نے کام کا نشہ پلاکر اپنے روپ کی چھری میرے ہاتھ میں دے دی ہے۔ جس سے میں اپنے جیون کو گھائل کر رہا ہوں۔ کیا کروں؟ نہیں، بہت سویا، جاگنا چاہیے۔ (کام لتا سے) جاؤ کام لتا۔ اپنے گھر واپس جاؤ۔ تم روپ دے سکتی کنتو سچا سکھ نہیں دے سکیں (سروجنی سے) پریے شما کرو میں تمھارا تھا اور تمھارا ہی ہوں۔

(جاکر سروجنی کا ہاتھ تھام لیتا ہے)

سروجنی: آؤ ناتھ۔ میں ان بازار کی ٹھگنیوں سے ڈر گئی ہوں۔ اب تمھیں اپنے ہردے میں چھپا کر رکھوں گی۔

کام لتا: دھنیہ ہے، سچے مہاپُرش دھنیہ ہے۔ کیا اسی مکھ سے پاپ کے اندھیرے میں بھٹکتی ناری کو دھرم مارگ بتانے کا وچن دیا تھا؟ جگل، میں نے اپنے روپ کے پجاریوں کو، دھن کو، گھر کو، سوتنترتا کو، سب کو لات مارکر اپنے ماتھے سے ویشیا کے نام کا کلنک مٹانے کے لیے تمھاری شرن لی تھی۔ آج تم کہتے ہو کہ شرن نہ دوں گا۔ اچھا نہ دو۔ میں پھر پاپ کے اتھاہ ساگر میں ڈوبنے جاتی ہوں۔ ایشور کا نیائے تمھیں کبھی شما نہ کرے گا۔

جگل کشور: (سوچتا ہے) سچ کہہ رہی ہے۔ یدی اس نے نروپائے ہوکر پھر دھرم ہتیا کا پاپ کیا تو اس پاپ کا دنڈ مجھے بھی ضرور بھوگنا پڑے گا۔ (کام لتا سے) ٹھہرو۔ کام لتا ٹھہرو۔ مجھ سے بھول ہوئی۔ میں ہردے کو چھاتی سے الگ کرسکتا ہوں۔ کنتو تمھیں ہردے سے الگ نہیں کرسکتا۔

(سروجنی کو چھوڑ کر کام لتا کا ہاتھ تھام لیتا ہے)

کام لتا: آہ، میں نے اپنا کھویا ہوا سورگ پھر پالیا۔

سروجنی: یہ کیا، یہ کیا ناتھ؟ جس ویشیا جاتی کو دھرم، نیتی، شاستر، سمرتی، پران، اتہاس، سب چھل اور مایا کی مورتی کہتے ہیں، پھر اسی کے دھوکے میں آ گئے۔ سوامی، پربھو، بھاگ آؤ۔ اس سروناشی سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ آؤ۔ ویشیا اور سانپ میں کوئی بھید نہیں ہے۔ سانپ کے دانتوں میں وِش ہے اور ویشیا کے ہردے میں۔ وہ دیہہ کو ڈستا ہے اور یہ دھن اور دھرم کو ڈستی ہے۔

جگل کشور: (پھر سوچتا ہے) نشچے، میں اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہوں۔ جو کسی کی نہ ہوئی وہ میری کیسے ہو سکتی ہے (سروجنی سے) سروجنی مجھے ایک بار اور شما کرو۔

(پھر سروجنی کی طرف آتا ہے)

کام لتا: نسہائے ناری کے وشواس کو روتا چھوڑ کر چلے گئے۔ اچھا جاؤ۔ جتنا دور ہو سکتے ہو جاؤ۔ آج سمجھ گئی کہ پُرش کے لیے اپنے آپ کو مٹا دے تو بھی گھر کی استری کے سمان سچی اور پریمی نہیں سمجھی جا سکتی۔ پاپنی اپنے نرک کی طرف چل۔ تیرا جنم بھی پاپ میں ہوا اور مرتیو بھی پاپ میں ہوگی۔

جگل کشور: اوہ میں نے پتھر مار کر اس کا ہردے توڑ دیا۔ جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی ہردے کی شانتی اور سنسار کی شوبھا بھی جا رہی ہے— نہیں، نہ جاؤ۔ کام لتا نہ جاؤ۔ بندھو، متر، استری سب مجھے چھوڑ دیں کنتو میں تمھیں نہیں چھوڑ سکتا۔

(دوبارہ سروجنی کو چھوڑ کر کام لتا کی طرف دوڑتا ہے)

سروجنی: آہ، میں منھ پر پانی چھڑک کر جگاتی ہوں اور تم جاگ کر پھر آنکھیں بند کر لیتے ہو۔ پہچانو۔ ناتھ اسے پہچانو۔ یہ ناری نہیں، دھکار ہے۔ شراپ ہے، استری کے روپ میں ایک راکشسنی ہے۔

کام لتا: سنتے ہو کیا کہا؟ میں استری نہیں راکشسنی ہوں۔ اُف جگل میں تمھاری گالیاں

سہن کر سکتی ہوں۔ کِنتو دوسرے کے منھ سے اپمان بھرے شبد نہیں سن سکتی۔

جگل کشور: سروجنی۔ تم نے یہاں آکر میرے سُکھ کی سرشٹی میں پرلے مچا دی۔ دھرم، ستیہ کا ابھیمان اتنا بڑھ گیا۔ پتی پتی جپنے سے ہونٹ اتنے نربھے ہوگئے۔ جاؤ، ان شبدوں کے لیے کام لتا سے معافی مانگو۔

سروجنی: ناتھ، کس اَپرادھ کے لیے شما مانگوں۔ کیا اسی اَپرادھ کے لیے کہ میں اپنے پتی کا کلیان چاہتی ہوں۔

جگل کشور: بس شما مانگو۔ میں تمھارا پتی ہوں اور یہ پتی کی آگیا ہے۔

سروجنی: اچھا پتی دیو۔ یدی تمھاری یہی اِچّھا ہے تو میں تمھیں سُکھی کرنے کے لیے اپمان کا یہ گھور دکھ بھی سہن کروں گی۔ کام لتا مجھے شما

(مادھو کا پرویش)

مادھو: ساودھان۔ کیا کرتی ہو؟ جس دن پوترتا پاپ کے آگے ماتھا جھکائے گی اس دن ستی شبد کا مہتو دھرتی سے ناش ہوجائے گا— دھرم کے مندر کی دیواریں ہل جائیں گی— بھارت اپنی دُردشا پر چیخ مار کر اُٹھے گا۔

سروجنی: داسی کیا کرے؟ سوامی کی یہی آگیا ہے۔

مادھو: گھر کی لکشمی کو تُچھ داسی سمجھنا اور پریم جس پر اُس کا ادھیکار ہے، وہ پریم پرائی استری کو دینا، کیا سوامی کے جیون کی یہی مہانتا ہے؟ بیاہ کے دن سنسار کے سُکھ دُکھ کا بوجھ دونوں کے کندھوں پر رکھا گیا ہے۔ پتی کی آگیا پالن اور سیوا کرنا استری کا کرتویہ ہے۔ تو استری کے سکھ اور مریادا کی رکشا کرنا پتی کا دھرم ہے۔

جگل کشور: مادھو۔ میرے شانتی کنج میں پہلے یہ آندھی بن کر آئی اور اب تم وجر بن کر آئے ہو۔ معلوم ہوا کہ تم دونوں میرا سُکھ نہیں دیکھ سکتے۔

مادھو: سُکھ؟ کہاں ہے سُکھ؟ کیا اس شراب کی بوتل میں سُکھ ہے۔ کیا کام اور روپ کے اَپوتر ملن میں سُکھ ہے۔ سینٹ اور لیونڈر سے مہکتی ہوئی اس کلٹا

کی ٹیڑھی بھوؤں اور آڑی مانگ میں سکھ ہے؟ دھوکا نہ کھایئے۔ آنکھ کے نشے اور جوانی کے پاگل پن کو سکھ سمجھ رہے ہیں۔ سکھ کا دیوتا شمسان بھومی میں نہیں ستیہ کے مندر میں نواس کرتا اور سکھ کی گنگا پاپ کی لنکا میں نہیں دھرم روپی کاشی میں بہتی ہے۔

جگل کشور: ترک کرنے سے ہٹ اور ہٹ کرنے سے کرودھ اُتپن ہوتا ہے۔ جاؤ، تمھارے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے جیون کا راستہ پہچانتا ہوں۔

مادھو: نہیں۔ جیون کا راستہ پہچاننا کیسا؟ آپ راستے کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔

جگل کشور: کیوں؟

مادھو: کیونکہ اس نے اپنے روپ اور چھل کے ہاتھوں سے آپ کی آنکھیں بند کررکھی ہیں۔ یدی آپ دیکھ سکتے تو صاف دکھائی دیتا کہ یہ وشواس ہے اور یہ دھوکا ہے۔ یہ پریم ہے اور یہ لالسا ہے۔ یہ سیوا ہے یہ سوارتھ ہے۔ یہ جیتی ہے پتی کے لیے اور یہ جیتی ہے اپنے مزے کے لیے۔ اسے دھرم پیارا ہے اور اسے دَھن پیارا ہے۔

کام لتا: جگل، میرے کانوں پر یہ وجرپات کہاں تک ہوتا رہے گا۔ آدمی ایک ساتھ دو کشتیوں پر پاؤں نہیں رکھ سکتا۔ تمھیں اپنے سکھ کے پھول سے کانٹا الگ کرنا ہے تو ہم دونوں میں سے ایک کو بھول جانا ہوگا۔ سنتے ہو، اب اس گھر میں ایک ہی رہے گی— یہ یا میں۔

جگل کشور: سروجنی، تم نے کام لتا سے شما نہ مانگ کر پتی آگیا کا انادر کیا ہے۔ میں ابھیمان اور اَپمان سہن نہیں کرسکتا۔ جاؤ۔ میرے گھر سے ابھی چلی جاؤ۔

سروجنی: کیا کہا ناتھ؟ جس گھر میں کل ودھو بن کر آئی، لکشمی بن کر رہی، دیوی بن کر پوجی گئی۔ اس گھر سے چلی جاؤں؟

جگل کشور: ہاں، آج ہی چلی جاؤ۔ مجھے تمھاری بھکتی بھی نہیں چاہیے اور سیوا بھی نہیں چاہیے۔

مادھو: تب کیا چاہیے؟ کیول روپ، کیول اُنمادتا، کیول سروناش؟ بھارت کی کروڑوں

پتی بھگت استریاں اپنے سوامی کے شریر کے ساتھ جل کر راکھ ہوگئیں۔ کنتو بتاؤ۔ بتاؤ۔ سرشٹی کے آدی سے اب تک کیا ایک ویشیا بھی کسی پریم کرنے والے پُرش کے ساتھ ستی ہوئی ہے۔ سوچو سوچو۔ چنتا میں، دُکھ میں، بیماری میں، بڑھاپے میں مرتیو کی شیا میں کیول جیون سنگنی ہی ساتھ دیتی ہے۔ بازار کی کلٹا ساتھ نہیں دیتی۔

جگل کشور: بس میرے پاس تمھاری بکواس سننے کا سمے نہیں ہے۔ سروجنی، کیا مجھے اپنی آگیا پھر دہرانی ہوگی۔ جاؤ میرے گھر کے سوا تمھارے رہنے کے لیے سارا جگت پڑا ہوا ہے۔

سروجنی: ناتھ، میرا جگت، میرا جیون، میرا پرلوک سب کچھ انھیں چرنوں میں ہے۔ تم مجھے اپنے ہردے میں رکھو یا لات مارو، کنتو میں ان چرنوں کو چھوڑ کر کہاں جاؤں؟

جگل کشور: اپنے ماتا پتا کے گھر جاؤ۔

سروجنی: ماتا پتا نے تو کنیا دان کرتے سمے تمھاری آدھین کیا تھا۔

جگل کشور: تب نرک میں جاؤ۔

مادھو: شرم کرو، شرم کرو۔ جسے ماں باپ نے، سماج نے، دھرم نے، کرتویہ نے تمھارے جیون کے ساتھ جوڑ دیا تھا، اُسے ایک ویشیا کی پرسنتا کے لیے اپنے گھر سے الگ کررہے ہو۔ دیکھو دیکھو، اس منگل مئی ستی کی اور دیکھو۔ ایسے اپمانت شبد سن کر بھی ہونٹوں سے امرت کی دھارا بہہ رہی ہے۔ اتنا انیائے دیکھ کر بھی آنکھوں میں اسیم پریم بھرا ہوا ہے۔ اتنے انادر پر بھی پتی کی چرن سیوا کو اپنا سوبھاگیہ سمجھ رہی ہے۔ یاد رکھو۔ دھن مل سکتا ہے، روپ مل سکتا ہے، راج مل سکتا ہے، کنتو ستی کے ہردے کے سوا سچا پریم اور کہیں نہیں مل سکتا۔

جگل کشور: تمھارا اُپدیش اور اس کے آنسو دونوں مل کر میرا وچار نہیں بدل سکتے۔ مجھ سے دیا مانگتی ہے تو پہلے کام لتا سے شما مانگے۔

مادھو: میں ہندو ہوکر ایک پتی پرائنا ہندو ناری کو ایک بھرشٹ ویشیا کے پیروں پر جھکتے ہوئے کبھی نہیں دیکھ سکتا— یہ شما نہیں مانگے گی— ستی ایمان کے لیے اِسے شما مانگنی ہوگی۔ (میز پر سے چھری اٹھا کر) راکشسنی بڑھ اور ہاتھ جوڑ کر گرہ لکشمی سے شما مانگ۔

کام لتا: (گھبرا کر) یہ کیا۔ یہ کیا؟

مادھو: بس شما یا مرتیو۔

جگل کشور: مادھو۔ مادھو۔

مادھو: ساوَدھان۔ جب تم پتی کا دھرم بھول گئے تو میں بھی بھائی کا مان بھول گیا۔

سروجنی: مادھو۔ کیا کرتے ہو؟

مادھو: ایک کُتیا کا خون— حرام زادی گھٹنے ٹیک اور بول۔ دیوی مجھے شما کرو۔

(چھری کے ڈر سے کام لتا گھٹنے ٹیک کر شما مانگتی ہے)

کام لتا: ش۔ ش۔ شما— شما۔

—ڈراپ—

انک دوتیہ — درشیہ پرتھم

مادھو کا گھر

(گانا)

پی سنگ گئے سُکھ سہاگ
کیسے پھوٹے مورے بھاگ
جل جل راکھ بھئی میں، ایسی من میں لاگی آگ
ہائے ہائے میں جائے عمریا
آنسو وَن جل سے بھیجے بجریا
بیرن رین بیتے۔ جاگ جاگ
پی سنگ گئے سُکھ سہاگ......

سروجنی: آم کے ورکش پر کوئل کوہو، کوہو کررہی ہے۔ آج سے دو برس پہلے اس کی کوہو میں مٹھاس تھی، رس تھا، سوئے ہوئے بھاؤں کو جگانے اور جاگتے ہوئے ہردے کو مگدھ کرکے نچا دینے کی شکتی تھی اور آج اس کی کوہو مانو ایک بے سری تان ہے، جو ٹوٹے ہوئے ستار میں گونج رہی ہے۔ ایک آکاش سے گرتے ہوئے تارے کی جوت ہے جو دھرتی تک پہنچنے سے پہلے ہی اندھکار میں لین ہوئی جارہی ہے۔ پہلے اس کی کوہو برات کی شہنائی کا الاپ، بیاہ کا گانا، یوتیوں کا قہقہہ جان پڑتی تھی اور اب اناتھ بالک کا رونا اور ودھوا کا ولاپ معلوم ہوتی ہے۔ ڈالی ڈالی پر بھٹکنے اور کنج کنج میں پھرنے والی کوئل بھی اپنا بسیرا نہیں بھولتی۔ سندھیا کال کے سمے پشچم کو جاتے ہوئے سوریہ نارائن

کے رتھ کی گھڑگھڑاہٹ سنتے ہی اندھکار ملے ہوئے اجالے پر تیرتی ہوئی اپنے وشرام تٹ پر آجاتی ہے۔ کِتنو ہائے پران ناتھ، نشے کی بیہوشی میں دیکھے ہوئے سوپن کی طرح مجھے بھی بھول گئے اور گھر کو بھی بھول گئے۔

(دلاری کٹنی بڑھیا داسی کے بھیس میں آتی ہے)

دلاری: بھولی ہرنی کھڑی ہے۔ ایک دفعہ بچ گئی۔ اب کی نشانہ چوک سکتا۔ (سروجنی سے) کیا سوچ رہی ہو؟

سروجنی: سرجو— وہ دیکھو۔ آم کے بوجھ سے لچکتی ہوئی ڈالی پر ہرے ہرے پتوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی کوئل چہک رہی ہے۔ دُکھ نہیں، چنتا نہیں، بھوت نہیں، بھوشیہ نہیں، کیسا سکھ مے جیون ہے۔

دلاری: بہو جی۔ یہ کیسے جانا کہ کوئل دکھ کا انوبھو نہیں کرتی؟ یہ بھی تو اسی سنسار کی وستو ہے۔

سروجنی: نا۔ یہ تو کسی آنند کے جگت یا سنگیت کی سرشٹی سے رستہ بھول کر اس سنسار میں آگئی ہے۔

دلاری: تو یہاں کی وستو نہیں ہے؟

سروجنی: نہیں۔ سنسار اپنا دیا ہوا سُکھ، ہنسی اور گانا چھین لیتا ہے اور یہ سدا سُکھی رہی اور سدا گایا کرتی ہے۔

دلاری: اَپورو روپ سے جگمگ کرتی ہوئی جوانی، جاڑے کی چاندنی کے سمان ویرتھ چلی جارہی ہے۔ ایشور ان کے پتی کو سمجھ دو۔

سروجنی: تم کیوں آئی تھیں؟

دلاری: تم نے مجھے پکارا تھا۔

سروجنی: نہیں تو۔ کیا تمھارے کان بجتے ہیں؟

دلاری: ہائے بڑھاپے، جوانی کو دھوکا دیتے دیکھ کر آنکھ اور کان بھی دھوکا دینا سیکھ گئے۔

(دلاری کا پرستھان)

سروجنی: ہردے میں آگ اور آنکھ میں پانی۔ آنسو نہیں تھمتے۔ کنتو رونے سے کیا لابھ۔ رونا دُکھ کے گھاؤ کو دھو سکتا ہے، اچھا نہیں کرسکتا۔

(دلاری کا پُنہ پرویش)

دلاری: بہو جی۔

سروجنی: کیوں سرجو، پھر کیوں آئیں؟

دلاری: میں یہ کہنے آئی ہوں کہ کل رات اور آج کا تین پہر دن بیت گیا۔ اب بھی بھوجن نہ کرو گی؟

سروجنی: اچھا کھالوں گی۔

دلاری: کب؟

سروجنی: جب بھوک لگے گی۔

دلاری: چولھا بھی ایندھن بنا گرم نہیں رہتا۔ اس طرح یہ شریر کے دن چلے گا؟

سروجنی: سرجو، میرے شریر کی چنتا نہ کرو۔ اِس سنسار میں ہم جیسی ابھاگنیوں کے لیے دکھ ہے، مرتیو نہیں ہے۔

دلاری: بہو جی، ایک ہی سال کے اندر پہلے میرے پتی سورگ واس ہوئے، پھر اٹھارہ اور پچیس برس کے دو جوان بیٹے مرے۔ اس کے بعد بھائی کا سہارا رہ گیا تھا، دو دن کی بیماری میں وہ بھی سدھار گیا۔ انت میں پیٹ پالنے کے لیے دروازے دروازے نوکری کی بھیک مانگنے نکلی۔ یدی تم میرے رونے اور گڑگڑانے پر دیا کرکے نوکری کا سہارا اور شرن نہ دیتیں تو آج مجھ اپاہج بڑھیا، ودھوا کی کیا گتی ہوتی۔

(آنچل سے آنسو پونچھتی ہے)

سروجنی: میں گھر کے کام کاج کے لیے ایک استری ڈھونڈھ رہی تھی۔ تم پتہ پاکر آگئیں اور میں نے رکھ لیا تو کون سا اُپکار کیا۔

دلاری: وہ میں جانتی ہوں۔ بہو جی مجھ سے تمھارا دکھ دیکھا نہیں جاتا۔ تم پتی کو اپنا بنانے کے لیے سوچ بچار کرچکیں۔ دیوی، دیوتاؤں سے پرارتھنا کرچکیں۔ اب

کئی دن سے جو اُپائے میں بتا رہی ہوں اس کی بھی پریکشا کرلو۔

سروجنی: کیا تمھیں سچ مچ وشواس ہے کہ تانترک مہاراج اپنے جادو ٹونے کی شکتی سے میرے کرم کا لکھا بدل دیں گے؟

دلاری: انھیں سادھارن تانترک نہ سمجھو۔ وہ بارہ برس تک آدھی رات کو شمشان بھومی میں سمادھی لگا کر تپسیا کرتے رہے ہیں، تب یہ شکتی پراپت ہوئی ہے۔ اُن کی دیا سے کتنے ہی لوگوں نے ہارا ہوا مقدمہ جیت لیا ہے۔ کتنی ہی بانجھ عورتوں کی گود ہری بھری ہوگئی۔ کتنی ہی استریوں کے بگڑے ہوئے پتی ان کے بس میں ہوگئے ہیں۔ ایک دفعہ چلو تو سہی۔ ان سے سہایتا مانگنے میں تمھارا کچھ خرچ نہیں ہوگا۔ وہ دَھن کے لوبھی نہیں وشواس اور شرڈھا کے لوبھی ہیں۔

سروجنی: کاغذ پر آڑی گول لکیریں کھینچنے اور منہ سے بدبدا کر چھو کر دینے سے رسی کا سانپ نہیں بن جاتا۔ میں گنڈے اور جادو پر وشواس نہیں رکھتی۔

دلاری: یہی تو رونا ہے۔ آج کل کے پڑھے لکھے لڑکوں کی طرح پڑھی لکھی لڑکیاں بھی پرمپرا سے چلی آتی ہوئی ریت بھانت کو تلانجلی دیتی جاتی ہیں— بہو جی پتی کا منگل چاہتی ہو تو اِچھا وِردّھ ہونے پر بھی میری بات کا وشواس کرو۔ جہاں وشواس ہے وہیں جے ہے۔

سروجنی: کیا جگت میں کوئی کاریہ کارن بِنا ہوا ہے؟ کنتو یہ آشا دلا رہی ہے۔ اچھا سرجو کل چلوں گی۔

دلاری: تمھاری کامنا سپھل ہو۔ (من میں) بازی جیت گئی۔

(دلاری کا پرستھان)

سروجنی: ہردے کی پتی پتی مرجھا گئی۔ آؤ ناتھ اس اجڑے ہوئے باغ میں ایک بار پھر بسنت رتو بن کر آؤ۔ (مادھو کا پرویش) بھیا کہو، کچھ اور خبر ملی؟

مادھو: سنسار میں استری کا ہردے بھی ایک وچتر وستو ہے۔ جو پتی تمھارے پریم کو، سیوا کو، ادھیکار کو اور انت میں تم کو بھی بھول گیا، اُس پتی کے سُکھ کی کامنا اور

اس کی آرادھنا اب تک نہیں بھولتیں۔

سروجنی: جگت میں استری کے یاد رکھنے یوگیہ دو ہی وستوئیں ہیں۔ ایک ایشور دوسرا پتی۔ جب ایشور کے دیے ہوئے دکھ اور بیماری میں بھی ایشور ہی کو پکارتے ہیں، تب پتی کے اپرسن ہوجانے پر میں پتی کی آرادھنا کیسے بھول سکتی ہوں۔

مادھو: پہلے گھر اور بینک کے روپیوں سے گلچھرّے اڑائے۔ ان کا صفایا ہونے پر دس ہزار میں باغ اور چھتیس ہزار میں باپ دادا کے رہنے کا مکان گرو رکھ کر روپیوں کی ہولی کھیلی۔ یہ رنگ بھی جب پھیکا پڑگیا تب ایک کی جگہ دس کا پرونوٹ لکھ کر مہاجنوں سے اُدھار لینا شروع کیا۔ اب یہ اوستھا ہے کہ اُدھار بھی نہیں ملتا۔ تھوڑے دنوں میں مانگنے سے بھیک بھی نہ ملے گی۔

سروجنی: نا نا مادھو۔ ایسی بری بھاونا نہ کرو۔ تم بھائی اور میں استری ہوں، ہمیں ان کے منگل کے لیے ایشور سے پرارتھنا کرنی چاہیے۔

مادھو: اور سنو۔ ہم تم آج تک یہی جانتے تھے کہ انھوں نے ایک لاکھ کا مکان خرید کر کام لتا کے نام سے رجسٹری کرادیا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ وہ ٹھگنی لگ بھگ چالیس پچاس ہزار کے زیور بھی اینٹھ چکی ہے۔ آہا۔ باپ کی پوتر کمائی کیسی یوگیہ دیوی کو دان دی گئی۔

سروجنی: دو برس بیت گئے۔ دنیا کا ہر ایک نشہ تھوڑی دیر کے بعد اتر جاتا ہے۔ ان کا نشہ کب اُترے گا؟

مادھو: روپیے کے ابھاؤ اور مہاجنوں کی لاو لاو نے کھٹاس بن کر نشہ پھیکا تو کردیا ہے۔ جس دن شراب کے گلاس کے بدلے میز پر عدالت کا وارنٹ اور کام لتا کی جگہ گھر میں مہاجن اور بیلف دکھائی دیں گے۔ اُس دن پورے طور پر آنکھیں کھل جائیں گی۔

سروجنی: کیا تھا اور کیا ہوگیا۔

(آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے اندر چلی جاتی ہے)

انک دوتیہ— درشیہ دوتیہ

جنگل کا گھر

(کام لتا ہارمونیم بجا رہی ہے۔ سدا رنگ پاس بیٹھا ہوا ٹھیکہ دے رہا ہے)

(گانا): بھرمر آبھی پھول با گانے بتیہ بتیہ کوری کھیلا
دیکھ لے کی تو سوہاگ کورے مودھو بھرا پھلو بالا
پھولیر ہانشی بھالو واشی آمی بوڑو ابھیلاشی
پھولیرشن دیواناشی ہوئے تھاکے بھاوے بھولا

سدا رنگ: لے بھی، لوچ بھی، مٹھاس بھی (طبلہ پر ہاتھ رکھ کے) دویا قسم کیا گاتی ہو۔

کام لتا: سدا رنگ جی۔ گانا بجانا تو دو برس سے چھوٹ گیا۔ اب تو راگ راگنی کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلتی ہوں۔

سدا رنگ: بائی جی۔ تم تو بازار کی ناک تھیں ناک۔ جب سے چلی آئی ہو رنڈیوں کا محلہ نکٹا دکھائی دیتا ہے۔

کام لتا: اچھا یہ تو کہو۔ کچھ ہمارے بابو جنگل کشور کا بھی حال جانتے ہو؟

سدارنگ: جانتا کیوں نہیں۔ ان کا حال کوئی رجسٹری خط نہیں کھلا ہوا پوسٹ کارڈ ہے۔ سب پڑھ سکتے ہیں۔

کام لتا: ایک لاکھ کا مکان۔ پچاس ہزار کے زیور، بیس بائیس ہزار کے ریشم اور زری کے کپڑے اور اتنے ہی نقد روپیوں پر ہاتھ پھیر چکی۔ اب تو اس گھر میں چٹائی اور جھاڑو رہ گئی ہے۔

سدارنگ: چٹائی گھر میں بچھانے کے لیے لے چلو اور جھاڑو جنگل کے لیے چھوڑ دو۔

کام لتا: اتنے دانی بن گئے۔ جھاڑو کیوں چھوڑے دیتے ہو؟

سدا رنگ: تمھارے جانے کے بعد وہ اسی جھاڑو سے اپنی قسمت پر جمی ہوئی دھول جھاڑا کرے گا۔

کام لتا: ہاں۔ یہ تو کہو۔ کیا یہ خبر سچ ہے کہ بنی بابو کے باپ پر فالج گر گیا؟

سدا رنگ: اجی وہ تو ویدوں اور ڈاکٹروں کے پچھلے جنم کا قرضہ چکا کر یم پوری کو پارسل بھی ہو چکا۔ آٹھ دن ہوئے مسان کے ڈاک خانے سے اس کی رسید بھی آگئی۔

کام لتا: بڑا ہی کنجوس تھا۔ مانو پیسہ جوڑنے کے لیے جنم لیا تھا۔ سپوت بیٹے کے اُڑانے کے لیے کتنا چھوڑ گیا؟

سدارنگ: ایک لاکھ نقد اور تین لاکھ کے پرامیسری نوٹ۔ اب تو بنی بابو کے مزے ہی مزے ہیں۔

کام لتا: سدا رنگ جی۔ لنڈوری چڑیا کو سونے کے پر نِکل گئے ہیں تو اسے پھر پھانسنا چاہیے۔ پھندا لگاؤ میں بھی دو چار دن میں جنگل کو دھتا بتا کے روپ اور ہنسی کا پنجرا لیے ہوئے آپہنچتی ہوں۔

سدارنگ: پرسوں بنی بابو دو چار حوالی موالی کے ساتھ نشے میں جھومتے ہوئے لڑکھڑاتے راج کنور بائی سے ملنے آئے تھے۔ میں نے سلام کیا تو اُبے حرامی تو جیتا ہے، یہ کہہ کر سر پر ایک دھول جمائی اور ساتھ ہی پانچ کا نوٹ ہاتھ پر رکھ دیا— پھر سامنے کھیلتی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو اپنی ماں کام لتا سے بھی زیادہ سندر نکلے گی— اور

کام لتا: کچھ میرے لیے بھی کہا؟

سدارنگ: ہاں۔ کہا کہ کام لتا بڑی ہی حرام زادی ہے۔ بڑی ہی پاجی کی بچی ہے۔

کام لتا: کیا بنی نے مجھے گالیاں دیں؟

سدارنگ: تو تم نے کون سی بھلائی کی تھی جو گالی کے بدلے آشیرواد دیتا— اس کا اُپکار

مانو کہ اب تک کچھ نہ کچھ دے ہی دیتا ہے۔ روپیہ نہ سہی گالی ہی سہی۔

کام لتا: چپ چپ، جنگل آرہا ہے۔ اب چل دو۔ (سدا رنگ کا پرستھان) بھگوان اب اس پھانسی سے کب گلا چھڑاؤ گے؟

(جنگل کا دُکھ اور نراشا کے ساتھ پرویش)

جنگل کشور: پانچ نوٹ۔ کیول کاغذ کے پانچ ٹکڑے۔ اتنے کے لیے پانچ ہزار بہانے بنانے لگا۔ اسی منھ سے کہتا تھا کہ تم اپنے ماتھے سے دکھ کا پسینہ پونچھنے کے لیے جیب کے رومال کی طرح میرے شریر کے چام تک کا اُپیوگ کرسکتے ہو۔

کام لتا: کہاں سے آرہے ہو؟

جنگل کشور: ڈھائی برس ہوئے میں نے اسکول کا ساتھی اور بچپن کا دوست سمجھ کر بنی کو پانچ ہزار اُدھار دیے تھے۔ اس سنکٹ میں اپنی جیب سے سہایتا کے بدلے میری جیب سے لیے ہوئے روپے بھی مجھے نہیں دیے۔

کام لتا: صندوق اور جیب میں روپیوں کی کھنکناہٹ کی جگہ سناٹا۔ گھر میں اُداسی، دروازے پر لین دار۔ داہنے بائیں قرضہ اور ڈگری— اس طرح دن کیسے نکلیں گے؟ ابھی تو بہت دن جینا ہے۔

جنگل کشور: دولت کی ندی سوکھ گئی اور پیاس باقی رہ گئی۔ تم ہی بتاؤ، کیا کروں؟

کام لتا: میں بتاؤں۔ مانو گے؟ دیکھو ایک جانور پھوس کے چھپر کے نیچے رہ کر گھاس بھوسی کھاکر، زمین پر سوکر اپنی دم سے بدن کی اور گردن کے جھٹکے سے منھ کی مکھیاں اُڑا کر بھی گزر کرسکتا ہے۔ کنتو آدمی کو اچھا گھر، اچھا کھانا، اچھا سونا، اچھی سیوا، سب ہی کچھ چاہیے اور اس سب کے لیے روپیہ چاہیے۔

جنگل کشور: سچ ہے، کنتو روپیہ

کام لتا: اوہ۔جب تک میرے گلے میں تان، باتوں میں رس، روپ میں جادو ہے،تب تک روپیوں کی کیا کمی ہے۔ روپیہ اور سُکھ چاہتے ہو تو مجھے گھر جاکر پھر

سے ناچ مجرا شروع کرنے دو۔

جگل کشور: کیا کیا؟ تم جس گھر میں بنا بیاہ کے جیون سنگنی بن کر دو برس تک رہیں، اُسی گھر کی عزت پر ٹھوکر مار کے پھر کوٹھے پر مجرا کروگی اور میں اس روپے سے

کام لتا: چین کرو گے۔ سُکھ بھوگو گے اور جب تک مجرا ختم ہو، بغل کے کمرے میں بیٹھ کر بوتل اور گلاس سے جی بہلاؤ گے۔

جگل کشور: بس چپ رہو۔ دنیا میں روپے بنا سُکھ نہ مل سکتا ہو، کنتو پھانسی لگا کر دکھ سے چھٹکارا پانے کے لیے رسی کا ٹکڑا ضرور مل سکتا ہے۔ میں نے دَھن کھویا ہے۔ کنتو ابھی تک کل وان گھر میں جنم لینے کی لاج نہیں کھوئی ہے۔

کام لتا: برا نہ ماننا۔ جن کے پاس دھن نہیں رہتا، اُن کے پاس ایک دن لاج بھی نہیں رہتی۔ میں نے بڑے بڑے کل وان دَھنوانوں کو کنگال ہوجانے کے بعد رنڈی کے گھر میں تماش بینوں کی چلمیں بھرتے اور اگال دان دھوتے دیکھا ہے۔

جگل کشور یہ کون؟— مہاجن اور بیلف۔ بس سب ختم ہوگیا۔

(کندن لال مہاجن کے ساتھ بیلف اور دو سپاہیوں کا پرویش)

کندن یہ رہا اسامی— گرفتار کرلو۔

بیلف جگل بابو۔ میں عدالت کا بیلف ہوں اور یہ تمھارے نام کا باڈی وارنٹ لائے ہیں۔ کندن لال کی ڈگری کے ساڑھے تین ہزار تم دینے کو تیار ہو؟

جگل کشور: کندن لال۔ بدن سے چمٹی ہوئی جونک بھی پیٹ بھر خون پینے کے بعد چھوڑ دیتی ہے۔ کنتو تم مول سے چوگنا بیاج لے کر بھی بیماری اور موت کی طرح آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

کندن تو؟

جگل کشور تم جیسے دیالو پُرشوں سے ادھار لینا بھی ایک پاپ ہے۔ ایشور بھی بڑے سے

بڑے پاپی کو پرائشچت کے لیے سے دیتا ہے۔ تم بھی روپے کے بندوبست کے لیے تھوڑا سا سے دو۔

کندن: ڈگری کو چار مہینے تو ہوگئے اور کتنا سے دوں۔ یدی اُسی دن روپے مل گئے ہوتے اور ان روپیوں کو چار آنے نہ سہی دو آنے روپے بیاج پر لگا دیتا تو چار مہینے میں ساڑھے تین کے چار ہوگئے ہوتے۔ سمجھے۔تمھاری بدولت ساڑھے بارہ روپے سیکڑہ کے حساب سے ہر مہینے میں ڈھائی سو روپیہ بیاج کا گھاٹا سہن کر رہا ہوں۔

جگل کشور: آج میری اوستھا اُس بیمار شیر جیسی ہے جس کی شکتی چھن گئی، ناخن اور دانت گر گئے ہوں۔ کندن لال میں تم سے دیا مانگتا ہوں۔

بیلف: جو لوگ اپنے روپیوں سے بھوکوں کو اَنّ، ننگوں کو کپڑا، اناتھوں کو آشرے، دھرم اور دیش کو سہایتا دے غریب ہوجاتے ہیں، اُن کو دیا ہی نہیں دھنیہ واد بھی دینا چاہیے۔ کِنتو جو لوگ ریس کے میدان، شراب کی دکان اور رنڈی کے مکان میں روپے لٹا کر کنگال ہوجاتے ہیں اُن پر کبھی دیا نہ کرنی چاہیے۔

کندن: (بیلف سے) یہ دَیا چاہتا ہے اور میں روپیہ چاہتا ہوں— میرے پاس دیا نہیں اور اس کے پاس روپیہ نہیں۔ اس لیے اسامی کو حوالات کی طرف لے چلو۔

بیلف: تم روپیہ نہیں دے سکتے، اس لیے میں عدالت کے حکم سے تمھیں گرفتار کرتا ہوں۔

جگل کشور: ٹھہرو۔ ابھی اس سوارتھی سنسار میں میرا ایک سچا متر ہے جو اس سنکٹ کے بندھن سے مجھے مکت کراسکتا ہے۔

کندن: تمھارا سچا متر! وہ کون؟

جگل کشور: (کام لتا کی طرف اشارہ کرکے) یہ۔

کندن: میں نے گھر کی استریوں کی مہما تو سنی تھی کِنتو یہ آج ہی سن رہا ہوں کہ ویشیا بھی کسی پُرش کی متر ہوتی ہے۔

جگل کشور: پرے۔ میں نے آج تک جو کچھ تمھیں دیا، اس دیے ہوئے دھن میں سے ایک پیسہ بھی لینا نہیں چاہتا تھا۔ نروپائے ہوکر کہتا ہوں کہ میری سہایتا کرو۔

کام لتا: سہایتا کروں۔ کس چیز سے سہایتا کروں۔ کیا تم نے میرے پاس کوئی روپیوں کی تھیلی رکھ دی۔

جگل کشور: اچھا روپے نہ سہی، میرے دیے ہوئے پچاس ہزار کے زیور تو ہیں، اُن میں سے ایک زیور بھی بیچ ڈالو گی تو میں آج بے عزت ہونے سے بچ جاؤں گا۔

کام لتا: اچھا۔ سن لیا۔ سوچوں گی۔

جگل کشور: ٹھہرو۔ کہاں جاتی ہو؟

کندن: تمھاری سچی متر ہے، اس لیے روپیہ لینے جارہی ہے۔

جگل کشور: کام لتا۔ کیا تم ایسے سنکٹ کے سمے بھی روپیہ دینا نہیں چاہتیں۔ یوں نہیں دیتیں تو اُدھار سمجھ کر دو۔

کام لتا: اُدھار مہاجن سے ملتا ہے۔

جگل کشور: اچھا تو میری اور میرے کل کی لاج بچانے کے لیے مجھے دان سمجھ کردو۔

کندن: آہا۔ رنڈی کے پیچھے خوار ہونے والوں کی یہی دشا ہوتی ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ ہاتھ اٹھاکر دان دیا کرتا تھا اور آج ہاتھ پھیلا کر دان مانگ رہا ہے۔ وہ بھی کس سے؟ ایک رنڈی سے۔

کام لتا: رنڈی کو کوئی مفت روپیہ نہیں دے دیتا۔ جب وہ اپنا دھرم دیتی، روپ بانٹتی، لاج بیچتی، دل مارتی، جس کا منھ دیکھنے سے گھن آئے، اُس کے پیروں میں بیٹھ کر خوشامدیں کرتی ہے، تب اُسے روپیہ ملتا ہے۔

جگل کشور: کام لتا۔

کام لتا: جگل بابو سنو۔ میں نے گھر چھوڑا، ماں چھوڑی، لڑکی چھوڑی، اتنا ہی نہیں، دو برس تک سُکھ اور سونترتا چھوڑ کر پالتو چڑیا کی طرح تمھارے گھر کے پنجرے میں بند رہی۔ میں کوئی مہا اُپکارنی یا سنیاسنی نہیں تھی۔ پھر اس ہنستے کھیلتے ہوئے سنسار کو کیوں تیاگ دیا تھا؟

جنگل کشور: میرے پریم کے لیے۔

کام لتا: پریم پان کی طرح منھ لال کرسکتا ہے، پیٹ نہیں بھرسکتا۔ پیٹ کو اَنّ اور شریر کو وستر روپے سے ملتا ہے۔ میں اتنی مورکھ نہیں ہوں کہ جوانی میں کمایا ہوا روپیہ تمھیں دان دے کر بڑھاپے میں بھیک مانگوں۔

جنگل کشور: کام لتا۔ دیکھو۔ دھن کے لیے استری کا کرتویہ نہ بھولو۔ سنسار میں ہر ایک سُکھ کا ساتھی ہے، کِنتو استری ہی اپنے آنچل سے پُرش کی آنکھوں کا آنسو پونچھتی ہے، نراشا میں ڈھارس بندھاتی اور اپنے شانتی اور ساہس دلانے والے شبدوں سے ٹوٹے ہوئے ہردے کو پھر سے جوڑ دیتی ہے۔۔۔ تم بھی استری ہو۔ دکھ میں سیوا کرنا اور سنکٹ میں ساتھ دینا استری کا دھرم ہے۔

کام لتا. اس دھرم کا پالن لگن منڈپ سے چِتا تک سیوا کرنے والی گھر کی پتی ورتا استریاں کرسکتی ہیں۔ زری کی ساڑی اور سونے کی کردھنی کے لیے دھرم بیچنے والی ویشیا نہیں کرسکتی۔

جنگل کشور: خوبصورت ناگن۔ تونے میرے وشواس ہی کو نہیں۔ آنکھوں کو بھی دھوکا دیا۔ بتا بتا تیرا یہ روپ کہاں چھپا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پہلے تیرا یہ روپ نہیں دیکھا تھا۔

کام لتا: جنگل مہاشے۔ یہی ویشیا کا اصلی روپ ہے۔ اب بھی پہچانا یا نہیں پہچانا؟

جنگل کشور: وشواس گھاتنی، پہچانا مگر بہت دیر کے بعد۔ اس دن پہچاننا تھا، جس دن میں نے مادھو کا اُپدیش سن کر منھ پھیر لیا تھا۔ اُسی دن پہچاننا تھا جس دن میں نے تیری جیسی راکشسنی کے لیے گھر کی منگل مئی دیوی کو گھر سے باہر کردیا تھا۔ میری بھول تھی جو سمجھ رہا تھا کہ دیا اور سہانو بھوتی سے ویشیا بھی دیوی بن سکتی ہے۔ آج پرمانت ہوگیا کہ پُنیہ کے صابن اور گنگا کے جل سے دھونے پر بھی ویشیا کا کالا جیون کبھی پوتر اور اُجلا نہیں ہوسکتا۔

کام لتا: بس آگ کے ساتھ کھیلنے کا ساہس مت کرو۔

جنگل کشور: سرپنی۔۔۔ ڈائن

(مارنے جاتا ہے)

بیلف: ساودھان۔

(بیلف ایک ہاتھ سے جگل کی کلائی پکڑتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کرتا ہے— جگل اور کام لتا ایک دوسرے کو گھرنا اور کرودھ سے دیکھتے ہیں)

انک دوتیہ— درشیہ ترتیہ

گھر کا دروازہ

بنی پرساد: روپیہ۔ روپیہ۔ سفید، گول ٹھپّے دار روپیہ۔ روپ نہ ہو، گن نہ ہو، وِدّیا نہ ہو، کِنتو جیب میں روپیہ ہو تو آدمی اپنے آگے پیچھے چلنے کے لیے ہاں جی، ہاں جی کرنے والے خوشامدیوں کی فوج بھرتی کرسکتا ہے۔ ان پڑھ ہوکے چندہ دینے کی آشا دلا کر وِدوانوں کی سبھا کا پردھان ہوسکتا ہے۔ لالچی باپ کے منھ میں سونے کا نوالہ دے کر اسی برس کی عمر میں آٹھ برس کی کنیا سے وواہ کرسکتا ہے۔ روپیے مہاراج کو دو انگلیوں پر بٹھا کے ہوا میں اچھال دو، بس ان کی ایک سریلی کھن میں دنیا کے سارے راگ سنائی دے جائیں گے۔ اس کھن کھن کی راگنی پر دلاری کتنی بھی لوبھ کا ناچ ناچ رہی ہے۔ دس بجے کا وعدہ کرگئی تھی۔ ساڑھے نو ہوچکے۔ سروجنی کو پھانس کر لارہی ہوگی— چلوں— بابو بنی پرساد کا چولا تیاگ کر تانترک مہاشے کا اوتار دھارن کرلوں۔

(بنی دروازہ کھول کرگھر میں جاتا ہے۔ دلاری کے ساتھ سروجنی کا پرویش)

دُلاری: یہ دیکھو۔ یہی تانترک مہاراج کا آشرم ہے۔ سویرے اور سانجھ کے سمے اس چوکھٹ پر میلا لگا رہتا ہے۔ کوئی اپنی کالی کلوٹی کنیا کے لیے روپ وان ور مانگتا ہے۔ کوئی بڑھاپے میں بیٹا مانگتا ہے۔ کوئی بیمار بیٹے کے لیے جنتر مانگتا، کوئی نوکری روزگار کے لیے گنڈا مانگتا اور تانترک مہاراج سب کی کامنائیں پوری کرتے ہیں۔

سروجنی: کیول پتی کے منگل کی کامنا اور تمھارے بار بار کے انورودھ سے یہاں تک آئی ہوں۔ کنتو نہ جانے کیوں من آگے بڑھنے کو منع کرتا ہے۔ نا۔ نہ جاؤں گی۔ سرجو، گھر لوٹ چلو۔

دلاری: یہ کیوں؟

سروجنی: ایشور کی دیا بنا گنڈے جادو سے کچھ نہیں ہوتا۔

دلاری: بہو جی۔ جیسے سب ودیائیں ہیں ویسے ہی جادو ٹونا بھی ایک ودیا ہے۔ جب فرنگی لوگ بنا گھوڑے کے کیول دھوئیں اور آگ سے ریل گاڑی دوڑاتے ہیں، بنا پنکھ کے ہوا میں اڑتے ہیں، بنا آدمی کے کیول لوہے کے تار پر کلکتہ سے لندن خبر بھیج دیتے ہیں، تب کیا بھارتی مہاتما اپنی ودّیا شکتی سے تمھارے پتی کا من اور وچار نہیں بدل سکتا۔ ٹھہرو میں تانترک مہاراج کو پکارتی ہوں۔

سروجنی: نا، لوٹ ہی جانا چاہیے۔ سرجو سنو۔

دلاری: تانترک مہاراج جی— کوئی ہے؟— مہاراج جی (سروجنی سے) آرہے ہیں۔

بنی پرساد: کس نے پکارا۔

دلاری: تانترک مہاراج، داسی پرنام کرتی ہے۔

بنی پرساد: کلیان ہو۔ مائی کیا اچھا ہے؟

دلاری: پربھو یہ میری مالکن ہیں۔ ان کے سوامی ایک ویشیا کے پھندے میں پھنس کر دو برس سے ان کا اور اپنا جیون نشٹ کررہے ہیں۔ آپ کا مہاتم سن کر آج بڑی آشا کے ساتھ دیا مانگنے آئی ہیں۔ دیا کیجیے مہاراج۔ دکھیا پر دَیا کیجیے۔

بنی پرساد: اکیس روز برت رکھ کر روز ایک ہزار بار منتر کا جاپ کرنا ہوگا۔ اتنا کشٹ سہن ہوسکے گا؟

دلاری. پربھو، یہ تو سادھارن کشٹ ہے، اپنے پتی کے لیے استری پران تک دے دیتی ہے۔

بنی پرساد: تب میں بھی پتر پر منتر لکھ دیتا ہوں۔ بھدرے— آشرم میں چلو۔

دلاری: آؤ بہو جی۔ ارے تم تو کانپ رہی ہو— یہ کیوں؟

سروجنی: سرجو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کوئی بھیشن بھول کر رہی ہوں۔

دلاری: ساہس کرو۔ میں ساتھ ہوں۔ پھر کیوں ڈرتی ہو۔ (سروجنی ڈرتی ہوئی اندر جاتی ہے اور بنی اندر سے دروازہ بند کر دیتا ہے) بس، چڑیا پھنس گئی۔ اب بند پنجرے کی تیلیوں پر لاکھ سر پٹکے باہر نہیں نکل سکتی۔

(مادھو کا پرویش)

مادھو: یہ کون؟— سرجو داسی۔

دلاری: سروجنی، تجھے اپنے پتی ورت دھرم کا بڑا ابھیمان تھا۔ پکار، پتی کو پکار، دیور کو پکار، ایشور کو پکار دیکھیں آج تیری کون رکشا کرتا ہے۔

مادھو: یہ میں کیا سن رہا ہوں۔

دلاری: میں نے دھوکا دے کر تجھے روپ کے لٹیرے کے گھر میں پہنچا دیا ہے۔ دو برس پہلے باغ میں پتی کو کھو کر نکلی تھی، آج اس گھر سے دھرم کھو کر نکلے گی۔

مادھو: پشاچی ٹھہر۔ کہاں جاتی ہے؟ بول یہ کس کا گھر ہے؟

دلاری: میں— میں— نہیں جانتی۔

مادھو: کتیا جس گھر میں ایک دیوی کو دھوکا دے کر لائی۔ اُس گھر کے مالک کا نام نہیں جانتی۔ بتا نام— نہیں تو اسی گھر کی دیوار سے سر ٹکرا کر چور کر دوں گا۔

دلاری: اس کا نام ہے..... نا۔ میں نہیں جانتی۔

مادھو: بتا، نہیں تو جھونٹا کھینچ کر (دلاری کے سر سے سفید بالوں کی وگ اتر کر مادھو کے ہاتھ میں آجاتی ہے) یہ کیا!— یہ کون— سرجو داسی کے بھیس میں دُلاری کٹنی!!

دلاری: شما کرو— شما کرو۔

مادھو: دھرم کے کلیجے میں چھری مارنے والی— سماج کا سر جھکانے والی— پتی ورتا استریوں کا ستیو نشٹ کرنے والی نرک کی کتیا۔ منشیہ کیا تجھے دیاہین راکشس بھی شما نہیں کرسکتا۔

دلاری: دیا کرو— بھول ہوگئی— مجھے بینی بابو نے دو سو روپیے کا لوبھ دیا تھا۔

مادھو: بینی— کون بینی؟

دلاری: تمھارے بھائی جگل کے متر۔

مادھو: دِھکار ہے۔ دِھکار ہے اس کلجگ پر— ہا— آج کل کے پاپی منہ سے ایک پُرش کو اپنا متر کہتے ہیں اور پھر منشیہ سے پشو بن کر اسی متر کی بہو بیٹی پر بری نظر ڈالتے ہیں— دراچارنی کیا کروں۔ میرے پاس سمے نہیں ہے۔ سروجنی کی رکشا نہ کرنی ہوتی تو تجھے دنڈ دیے بنا کبھی نہ چھوڑتا— جا— آج سے اس نگر میں دکھائی نہ دینا۔

(دلاری کو گردن پکڑ کر دھکا دیتا ہے۔ دلاری دوڑتی ہوئی چلی جاتی ہے)

اندر کون ہے؟— کھولو— سنتے ہو— نہیں کھلتا— دیکھوں، کداچت کوئی راستہ مل جائے نہ ملا تب؟— دروازہ توڑنا ہوگا— ایشور میری سہایتا کرو۔

انک دوتیہ— درشیہ چترتھ

گھر کا بھیتری حصہ

(سروجنی اور بنی پرساد میں واد وِواد)

سروجنی: بس اور نہیں۔ بہت سنا، تمھارے پاس میرے لیے دیا نہیں۔ تو کیا اپنے لیے دھرم بھی نہیں ہے۔

بنی پرساد: سنسار کا ہر ایک منشیہ دھرم کی پوجا کرتا ہے۔ کِنتو کبھی کبھی ایسا سے بھی آتا ہے، جب سویم دھرم کو استری کے روپ کی پوجا کرنی پڑتی ہے۔

سروجنی: استری کے روپ کی پوجا دھرم نہیں کرتا، منشیہ کی لالسا کرتی ہے۔ دھرم استری کو سپرش کر کے جگت کی پنیہ مئی دیوی بناتا ہے۔ راکشسی نہیں بناتا۔ دھرم گنگا کے پوتر جل کی طرح استری کے روپ کو اجول کرتا ہے میلا نہیں کرتا۔ ہٹ جاؤ۔ مجھے جانے دو۔

بنی پرساد: ٹھہرو۔ میری آگیا بنا تم یہاں سے نہیں جاسکتیں۔

سروجنی: تمھاری آگیا؟ تم کون ہو جو مجھے روکتے ہو؟

بنی پرساد: ابھی تک نہیں پہچانا۔ اچھا۔ (بھیس اتار کر) پہچانو۔

سروجنی: یہ کیا، دو موہے سانپ کی طرح پُرش کے بھی دو روپ۔ بولو۔ بولو۔ تم تانترک نہیں، تب کون ہو؟

بنی پرساد: یہ بھی جاننا چاہتی ہوں؟— اچھا سنو— میرا نام بنی ہے۔

سروجنی: یہ نام— یہ نام تو میں نے اپنے سوامی کے منہ سے کئی بار سنا ہے۔ تمھیں تو

میرے پتی دیو اپنا متر بتاتے تھے۔

بنی پرساد: جب تک تمھارے روپ کی بھکتی نہیں سیکھی تھی، تب تک میں تمھارے پتی کا متر تھا۔ کنتو متر کی مترتا اور متر کی روپ وان استری کی کامنا دونوں ساتھ نہیں رہ سکتیں۔ اس ہردے میں اب اور کوئی نہیں، کیول ایک ہی ہے— اور وہ تم ہو۔

سروجنی: دیکھو، میں تمھارے متر کی استری ہوں اور متر کی استری بہن کے سمان ہوتی ہے، میں دھرم کے نام پر دہائی دیتی ہوں۔ بھائی، بہن کی رکشا کرو۔

بنی پرساد: بھوکا شیر پنجے میں پھنسی ہوئی گھائل ہرنی کی رکشانہیں کرتا۔ سروجنی برسوں سے تمھارے پریم کی آگ میرے ہردے میں سلگ رہی ہے اور اب یہ ہردے

سروجنی: ٹھہرو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ یدی تمھارے کرتے یا قمیص میں کوئی سانپ یا بچھو دکھائی دے اور الگ کرنے پر بھی کپڑے سے چمٹا رہے تب تم کیا کرو گے؟

بنی پرساد: کیا کروں گا؟ کرتے کو شریر سے اُتار کر پھینک دوں گا۔

سروجنی: تو پھر تم نے اس ہردے کو جس میں پاپ کا سانپ اور ادھرم کا بچھو لپٹا ہوا ہے، ابھی تک چھاتی کے اندر کیوں رکھ چھوڑا۔ پھینک دو۔ اس دھرم شترو ہردے کو چھاتی سے نکال کر پھینک دو۔ ہردے کے نہ ہونے سے شریر کا انت ہوتا ہے، کنتو دھرم کے نہ ہونے سے آتما کی مرتیو ہوتی ہے۔

بنی پرساد: میں اس مُکھ سے اُپدیش کا آرت ناد نہیں، پریم کی مدھر راگنی سننا چاہتا ہوں۔ سندری ان پتلے، کومل، رسیلے ہونٹوں سے ایک بار مجھے پریتم کہہ کے پکارو۔ ایک بار، کیول ایک بار۔ ان گوری گوری کلائیوں کو میری گردن میں ہیرے کے ہار کی طرح چمک اٹھنے دو۔ تم نہیں جانتیں کہ میں کتنا پریم

سروجنی: تم جھوٹے ہو۔

بنی پرساد: کیوں؟

سروجنی: سنو۔ جس پریم میں پتا کے پریم کا گورو، بھائی کے پریم کا تیج، پتی کے پریم کی پوترتا نہ ہو، ناری اس بھرشٹ پریم کے منھ پر تھوک دیتی ہے۔ ناری کے

ہردے کی دیا سارے سنسار کے لیے ہے، کِنتو ناری کے ہردے کا پریم کیول پتی کے لیے ہے۔

بنی پرساد: میں نے تجھے چاہا تو کوئی اَپرادھ نہیں کیا۔ استری جگت میں روپ لے کر اس لیے آئی ہے کہ اُسے پیار کیا جائے۔

سروجنی: منشیہ کا پیار کیول اُس کی دھرم پتنی کے لیے ہے۔

بنی پرساد: اور پرائی استری؟

سروجنی: پرائی استری کو بھی پیار کرسکتے ہیں، کِنتو اس طرح جیسے باپ بیٹی کو، بھائی بہن کو پیار کرتا ہے۔

بنی پرساد: سروجنی ادھر دیکھو۔ دروازہ بند ہے، دیواریں اونچی ہیں اور میں پریم میں اُنمت ہوں۔ انمت پریم سے یدھ نہ کرو، تم وجے نہیں پاسکتیں۔

(ہاتھ پکڑتا ہے)

سروجنی: خبردار۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو—

بنی پرساد: نہیں مانتی (چھری نکال کر) یہ دیکھ آج تجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔

سروجنی: ضرور بچا سکتا ہے۔

بنی پرساد: کون؟

سروجنی: اگر تم منشیہ ہو، تو تمھاری منشیتا۔

بنی پرساد: پریم منشیتا کا گلا گھونٹ چکا ہے۔

سروجنی: تب دیوتا بچائیں گے۔

بنی پرساد: تیری آواز دیوتاؤں تک نہیں پہنچ سکتی۔

سروجنی: تب میری پرتگیا بچائے گی۔

بنی پرساد: پرتگیا!— کون سی پرتگیا؟

سروجنی: وہی پرتگیا، جو پہاڑ کی طرح نشکمپ، آندھی کی طرح پربل، بھارت بھومی کی طرح پوتر اور دیش بھکتوں کے ہردے کی طرح نربھے ہوتی ہے۔سنو میری پرتگیا

سنو۔ میں اپنے وشواس کے سرن پر پتی کا نام جپتے ہوئے پران دے دوں گی۔ کنتو اپنا پتی ورت دھرم کبھی نہ دوں گی۔

بنی پرساد: بس آج نہ روپ بچ سکتا ہے۔ نہ دھرم بچ سکتا ہے۔

(زبردستی پیار کرنا چاہتا ہے)

سروجنی: بچاؤ۔ بچاؤ۔ ایشور تم کہاں ہو؟

(دروازہ توڑ کر مادھو کا پرویش)

مادھو: پاجی، کتے (دھکا دے کر) ستی سے دور کھڑا رہ۔ پاپی کیا تو نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ایشور اتنے دور ہیں کہ ایک ابلا کی پکار نہ سن سکیں گے؟

بنی پرساد: جوانی میں سہسا مرتیو کی طرح یہ کہاں سے آگیا؟

مادھو: پھینک دے، چھری پھینک دے۔ چھری کی شوبھا ان کرم ویروں کے ہاتھ میں ہے جو اس سے ستیہ کے پیروں کی بیڑیاں کاٹتے، دھرم کے لٹیروں کو سزا دیتے اور اتیاچار کے کلھاڑے کے سامنے چھاتی تان کر دُربلوں کی پران رکشا کرتے ہیں— تیرے جیسے ناری گھاتک کائر کے ہاتھ میں چھری نہیں، کانچ کی چوڑی شوبھا دیتی ہے۔

بنی پرساد: بس مادھو، زبان روک۔ کیا تو مجھے نہیں جانتا؟

مادھو: جانتا ہوں۔تو اتنا ادھم ہے کہ گلی کا کتا بھی تجھے اپنے سے زیادہ نیچ سمجھتا ہے۔

بنی پرساد: بس سامنے سے ہٹ جا۔ اس ہاتھ میں تیرے ہاتھ سے زیادہ بل ہے۔

مادھو: کائر پُرش۔ ہاتھ اور پاؤں ہردے کے کہنے پر کام کرتے ہیں۔ جس کے ہردے میں دھرم کا بل نہیں ہے، اُس کے ہاتھ میں بھی بل نہیں ہوسکتا۔

بنی پرساد: تب دیکھ۔ تیری زبان اور میری چھری میں کون تیز ہے

(دونوں لڑتے ہیں۔ مادھو بنی کو زمین پر گرا کر چھاتی پر چڑھ بیٹھتا ہے)

مادھو: بس، اٹھنا نہیں۔ اسی طرح پڑا رہ۔ جیسے کسی نے دھرتی کے ساتھ سی دیا ہے۔

(مادھو ایک ہاتھ سے چھری دکھاتا ہے۔ دوسرے ہاتھ سے سروجنی کو دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کرتا ہے اور بنی کانپتا ہوا ان کی طرف دیکھتا ہے)

انک دوتیہ — درشیہ پنچم

مادھو کا گھر

(سروجنی سوچتی ہوئی آتی ہے)

سروجنی: ماتا پتا چندرما جیسا مکھ دیکھ کر کہتے ہیں کہ میری کنیا بڑی سُروپا ہے۔ ساس اور بھاوجیں بہو کا گھونگھٹ سرکا کر پڑوسیوں سے کہتی ہیں کہ دیکھو بہن میری گرہ لکشمی کتنی سندری ہے۔ درپن کے سامنے کھڑی ہوئی استری بھی اِدھر اُدھر دیکھ کر کبھی کبھی مسکراتے ہونٹوں سے کہہ اٹھتی ہے کہ میں نشچے روپ وان ہوں— کِنتو ان میں سے یہ کوئی نہیں جانتا کہ استری کا روپ ہی استری کا سب سے بڑا شترو ہے۔ اسی روپ کے لیے جنک نندنی کو اشوک واٹیکا کی کیاریاں اپنے آنسوؤں سے سینچنی پڑیں۔ اسی روپ کے لیے دروپدی کو سیرندھری داسی بن کر بھی دھرم بچانا کٹھن ہوگیا۔ بھگوان تم نے استری کو روپ کیوں دیا؟ تم ہی بتاؤ یہ تمھارا آشیرواد ہے یا شراپ ہے۔

(مادھو گھبرایا ہوا آتا ہے)

مادھو: بھرے ہوئے پیالے کو چھلکنا ہی چاہیے تھا— منشیہ کی چھایا کی طرح پاپ کا پرینام بھی پاپ کے ساتھ ہی ساتھ چلتا ہے۔

سروجنی: یہ کیا؟ (ہاتھ اٹھا کر) دیامے دھیرج کی اور پریکشا نہ لینا (مادھو سے) مادھو بھائی، کیا ہوا؟

مادھو: وہی جس کے لیے رہ رہ کر سوچ میں پڑ جاتا تھا— جانتی ہو، تمھارے جیون پربھو، تمھارے دیوتا، کل دوپہر سے کہاں ہیں؟

سروجنی: ایشور ان کی رکشا کریں— بولو— کہاں ہیں؟

مادھو: دیوانی عدالت کی حوالات میں۔

سروجنی: کیا کہہ رہے ہو، تم پاگل ہوگئے یا مجھے پاگل بنانا چاہتے ہو؟

مادھو: تم پاگل ہوجاؤ گی تو پتی کے ہاتھ سے دکھ کون بھوگے گا؟

سروجنی: تو کیا میں ابھاگنی پتی کا امنگل ہی سننے کے لیے ابھی تک جی رہی تھی— ارے وہ تو گئو کی طرح کسی کو دکھ دینا جانتے ہی نہیں— پھر انھیں کس نردئی نے حوالات بھیجا؟

مادھو: جس کا روپیہ ادا نہ ہوسکا، اس مہاجن نے۔

سروجنی: اُس کے کتنے روپے ہیں؟

مادھو: ساڑھے تین ہزار۔

سروجنی: تو کیا تم اتنے روپیوں کا پربندھ نہیں کرسکتے؟ مادھو بھائی— جاؤ— جلدی کرو، انھیں کسی بھی طرح چھڑا لو۔ دیکھو میں تمھارے پاؤں پڑتی ہوں۔

(مادھو کے پاؤں پر گرتی ہے)

مادھو: بہن کیا کررہی ہو— کیا بھائی کو بھائی دُکھ نہیں ہوتا۔ کنتو کیا کروں گھر میں اس وقت دو ہی سو روپے ہیں اور کسی سے ترنت اُدھار ملنے کی بھی آشا نہیں۔

سروجنی: جب تک تم جیتے ہو، میں جیتی ہوں۔ بھائی اور استری کا کرتویہ جیتا ہے، تب تک وہ حوالات میں نہیں رہ سکتے۔ روپیہ نہیں ہے تو ٹھہرو، میں لاتی ہوں۔

(اندر جاتی ہے)

مادھو: جو گھر کے خرچ کے سوا ایک پیسہ بھی نہیں رکھتی، وہ تین ہزار روپے لینے گئی

ہے۔ کہیں سچ مچ یہ دکھ سے پاگل تو نہیں ہوگئی۔

(سروجنی ساڑی کے آنچل میں زیور لیے ہوئے آتی ہے)

سروجنی: مادھو۔ پتی کا ایک روم، ترلوک کے دھن سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ لو، اٹھاؤ انھیں بیچ کر میرے پتی کو چھڑا لو۔

مادھو: بہن، تمھارے جیون بتانے کا انتم سہارا یہی گہنے ہیں۔ کیا تم آج یہ سہارا بھی کھو دینا چاہتی ہو؟

سروجنی: گھر کی استری گہنا دیکھ کر نہیں، پتی کا مکھ دیکھ کر جیتی ہے۔ میرا اصلی گہنا حوالات میں پڑا ہے، تو ان گہنوں کو رکھ کر کیا کروں گی؟

مادھو: میں کسی سے اُدھار لینے کا پربندھ کروں گا۔ انھیں رکھ چھوڑو۔ کسی دن کام آئیں گے۔

سروجنی: جب پتی کا دیا ہوا دھن پتی کے کام نہ آیا تو اور کس کام آئے گا۔ مجھے اپنی مانگ کا سندور چاہیے۔ دیہہ کی شوبھا نہیں چاہیے۔

مادھو: بہن، دھنیہ ہو تم اور دھنیہ ہے تمھاری پتی سیوا۔

(مادھو زیور اٹھاتا ہے)

سروجنی: جاؤ بھائی جاؤ۔ کنتو ایک ونے ہے۔ انھیں یہ نہ معلوم ہو کہ بھائی یا استری نے میری سہایتا کی۔

مادھو: یہ کیوں؟

سروجنی: یہ جاننے سے انھیں لاج آئے گی اور لاج آنے سے ہردے کو دکھ ہوگا۔ میں کیول اُن کی مکتی چاہتی ہوں، ان کا دکھ نہیں چاہتی۔

مادھو: کتنا وشال ہردے۔ تم پتی بھکت استریوں میں ایک آدرش استری ہو۔ اچھا میں اپنا بھیس اور روپ ایسا بدلوں گا کہ وہ کسی طرح نہ پہچان سکیں گے۔

سروجنی: ایشور تمھارا منگل کریں۔ جلدی جاؤ۔ میں تمھارے پاس لوٹ کر آنے تک

دیوی کی مورتی کے سامنے ہاتھ جوڑ کر پتی رکشا کی پرارتھنا کروں گی۔ پربھو۔ تم دیامے ہو۔ دیا کرو۔

(پرستھان)

مادھو: یہ ہے بھارت کی استری۔ جس کام لتا کو پچاس ہزار کے زیور دیے، میں نے سنا کہ اس نے ہاتھ جوڑ کر بھیک مانگنے پر بھی ایک تانبے کا چھلّہ نہ دیا۔ کنتو دیکھو۔ دکھ کا سماچار سنتے ہی پتی کی تیاگی، ستائی ہوئی للنا نے سر سے پاؤں تک کے زیور پتی کے منگل کے لیے اتار کر دے دیے۔ سچ ہے بھارت کی پتی ورتا ناری ایک پوتر دیپک ہے جو پتی کے ہاتھ سے جل کر بھی پتی کے گھر میں اجالا کرتی ہے۔

(جاتا ہے)

اَنک دوتیہ— درشیہ ششم

جُنگل کا گھر

(کام لتا کا گاتے ہوئے پرویش)

اے ری دئی، کیسے چھپاؤں جوانی
گورے گورے گالوں پہ سب للچائیں
کالی کالی لٹ کو کہیں ناگن زہریلی
کارے نینا میں جادو بتائیں
کوئی آنکھ لڑائے، کوئی بولے کہ ہائے رے، برچھی کلیجے میں مار گئی
کارے کروں میں تو ہار گئی
روکت، ٹوکت، گھیرت، چھیڑت، موری لاج گنوائیں

کام لتا: دوسروں کو سزا دے کر مجسٹریٹ جیل خانے بھیجتا ہے اور میں اپنے پیروں سے چل کر دو برس کے لیے اس جیل خانے میں آئی تھی۔ بھید اتنا ہی تھا کہ دوسرے قیدی سرکاری جیل میں جَو کی روٹی اور اُبالی دال کھاتے ہیں اور میں جنگل کے جیل میں دونوں وقت رس گلا اور مال پوے اڑایا کرتی تھی۔ ان کے پیروں میں لوہے کے کڑے ہوتے ہیں اور میرے پیروں میں سونے کے کڑے رہتے تھے۔ آج اس لمبی قید کی مدت پوری ہوگئی۔ زیوروں کے بکس اور کپڑوں کے صندوق پہنچ چکے۔ اب تھوڑی دیر میں گاڑی منگا کر میں بھی اپنے گھر پہنچ جاؤں گی۔ میں نے خط لکھ دیا تھا کہ جنگل کل سے حوالات میں

ہے، اس لیے تم بے دھڑک آسکتے ہو۔ پھر بنی کیوں نہیں آیا؟ کیا نہ آئے گا— یہ کون؟ وہی تو— پریم کے جھوٹے آنسوؤں اور جھوٹے شبدو میری سہایتا کو تیار ہوجاؤ۔

(بنی پرساد کا پرویش)

بنی پرساد: بائی جی۔ بائی سدا رنگ کے ہاتھ خط بھیج کر— دو برس کے بھولے ہوئے کو آج کیوں یاد کیا؟

کام لتا: بنی، مجھے سب دوش دو۔ کنتو بھول جانے کا دوش نہ دو۔ تم نے جس دن مجھ سے اپنی لڑکی مانگی تھی، یدی اسی دن مجھے بگڑے ہوئے تیوروں سے ہمیشہ کیے لیے دھتکار کے نہ چلے گئے ہوتے تو میں کیول جلانے کے لیے جنگل کا ہاتھ کبھی نہ پکڑتی۔ پھر بھی میں اپنی بیوقوفی پر ہر روز پچھتاتی اور تمھیں اور تمھارے بیتے ہوئے سکھ کے دنوں کو یاد کیا کرتی تھی۔

بنی پرساد: کام لتا۔ میں تمھارے روپ کے سرودر میں اب ڈوبے ہوئے پتھر کی طرح نہیں، تیرتی ہوئی کائی کی طرح رہنا چاہتا ہوں۔ روپے، زیور، فرمائش سب کچھ دے سکتا ہوں کنتو پہلے کی طرح من نہیں دے سکتا۔

کام لتا: کیوں؟

بنی پرساد: کیونکہ اس سونے کو کسوٹی پر پرکھ چکا ہوں۔

کام لتا: اچھا تم مجھ سے پریم نہ کرو، کنتو میری رکشا تو کرو گے؟

بنی پرساد: نشچے۔ دھن سے بھی اور بل سے بھی۔

کام لتا: تو سنو۔ میں جنگل کو بنانے اور سدھارنے کا یتن کرکے تھک گئی۔ آج اتینت دکھی اور نراش ہوکر اس گھر کو چھوڑ رہی ہوں۔ کنتو بھے ہے کہ جنگل غصے اور نشے میں میرے کوٹھے پر آکر مارنے مرنے کو تیار ہوجائے گا۔

بنی پرساد: تو؟

کام لتا: اس لیے میں نے تمھیں بلایا ہے کہ اُس کا کرودھ شانت ہونے تک مجھے

اپنے گھر میں رہنے کی جگہ دو۔ کیا تم اتنی سہاتا نہ کرو گے؟

بنی پرساد: اچھی بات ہے۔ میں ایک گھنٹے میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔

کام لتا: بنی۔ ٹھہرو۔

بنی پرساد: کیوں؟

کام لتا: ناری کے کول انگ کی طرح ناری کی بدھی بھی دُربل ہوتی ہے۔ مجھ سے بھول ہوگئی۔ پریتم مجھے شما کردو۔

(کام لتا بنی کی گردن میں اپنی بانہیں ڈالتی ہے۔ جنگل کا پرویش)

جنگل کشور: ہا۔ ایک ویشیا کے لیے دھن بھی گیا اور عزت بھی گئی۔ (چونک کر) یہ کیا۔ کام لتا اور بنی۔ دن کے اجالے میں پاپ ننگا ہوکر ناچ رہا ہے۔

بنی پرساد: کام لتا۔ دیکھتا ہوں کہ جس گلے کو میں نے چھڑالیا تھا، تم اپنی کول کلائیوں کی زنجیر میں پھر اُسے باندھ لوگی۔

کام لتا: (دونوں ہاتھ تھام کر) آہ، تمھارے یہ شبد پریم چمبن سے بھی ادھک میٹھے ہیں۔

جنگل: مورکھ وشواس سن۔ چھل دیا بھی چار سے کیا کہہ رہا ہے۔

بنی پرساد: کام لتا۔ تم مجھے......

کام لتا: نا۔ کام لتا نہ کہو۔ جیسے پہلے پکارتے تھے ویسے ہی پکارو۔

بنی پرساد: پریتمے۔

کام لتا: پران ایشور۔

(پھر گلے میں بانہیں ڈال دیتی ہے)

جنگل کشور: دیکھ اندھے جنگل دیکھ۔ یہی ہے جس نے ویشیا کے گھر سے نکلتے سے ستی بننے کی پرتگیا کی تھی۔ ایشور راکشسی بھی اتنی سندر ہوتی ہے؟

بنی پرساد: رمنی۔ تم لوگ بھڑکیلا گہنا ہو۔ جانتے ہیں کہ کھوٹ ملا ہوا ہے۔ پھر بھی خوبصورت دیکھ کر خرید لیتے ہیں۔ میں گاڑی لے کر ابھی لوٹتا ہوں۔

(بنی کا پرستھان)

کام لتا: ہوں۔ کہتا تھا کہ پریم نہیں کروں گا۔ کِنتو پریتم کہہ کر گلے میں بانہیں ڈالتے ہی دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی طرح پگھل گیا۔ ارے کامی پُرشو۔ تم کتنے مورکھ ہو۔ سنو۔ سنو۔ ویشیا کے روپ میں اُتو لتا ہے مدھرتا نہیں۔ کام ہے پریم نہیں۔ بھوگ ہے ترپتی نہیں۔ سرو ناش ہے سرشٹی نہیں۔ اب اس پاپ کے بھنور میں ناچتی ہوئی کشتی پر نہ بیٹھو۔ پہلے دَھن ڈوبے گا، پھر لاج ڈوبے گی اور انت میں تم بھی ڈوب جاؤ گے۔

جگل کشور: (سامنے جاکر) وشواس گھاتنی، پشاچنی۔ ہاتھوں سے دوسروں کے گھروں میں آگ لگاتی اور منھ سے نہ جلو نہ جلو پکارتی ہے۔

کام لتا: (دل میں) یہ چھوٹ گیا۔ کس نے چھڑایا؟

جگل کشور: پاپنی۔ میں نے اپنا جیون اور دھرم تجھے قیمت میں دے کر تیرا روپ مول لیا تھا۔ بنا بیچے ہوئے روپ اور پریم کو تجھے دوسروں کے ہاتھ بیچنے کا کیا ادھیکار تھا؟ آہ، آج میں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چاہے سونے کے تھال میں دیوتاؤں کا پرشاد پروس دو— (کِنتو ویشیا کا پیٹ، سڑک کی کُتیا کی طرح جھوٹا کھائے بنا کبھی نہیں بھر سکتا۔

کام لتا: جگل بابو۔ یدی ویشیا ایک کی بن کر رہتی تو تم جیسے لمپٹ پُرش کبھی اس کا مان نہ کرتے۔

جگل کشور: اس کا پرمان؟

کام لتا: پرمان چاہتے ہو تو گھر کی گنو سمان پتی ورتا استریوں کی دشا دیکھو۔ وہ ایک کے لیے جنم لیتیں، ایک کے لیے جیتیں اور ایک ہی کا نام جپتے جپتے مرجاتی ہیں— کِنتو تم لوگ برسوں ان کا منھ تک نہیں دیکھتے اور ویشیا جو کبھی ایک کی نہیں ہوتی، رات دن اُس کے پاؤں چاٹتے ہو۔

جگل کشور: میں تیری اِچھا کے وِرُدھ تجھے زبردستی کھینچ کر نہیں لایا۔ جب اس گھر میں

ایک کی بن کر نہیں رہنا تھا، تب روتی اور ہنستی ہوئی آنکھوں سے وشواس دلانے والے آنسو ٹپکا کر کیوں کہتی تھی کہ میں تمھاری ہوں۔ کیوں کہتی تھی کہ میں پریم کرتی ہوں؟

کام لتا: نشچے میں پریم کرتی تھی۔

جگل کشور: مجھے۔

کام لتا: نہیں— تمھارے روپے کو۔

جگل کشور: تب تو آج تک مجھ سے جھوٹ بول رہی تھی۔

کام لتا: ہاں— کیونکہ تم لوگ ویشیا کے منھ سے جھوٹ ہی سن کر خوش ہوتے ہو۔

جگل کشور: ارتھات؟

کام لتا: ارتھات یہ کہ جب ویشیا تم پر یا تمھارے بیوی بچوں پر دیا کر کے صاف صاف کہہ دیتی ہے کہ میں تمھیں پیار نہیں کرتی، تب تم اس سچ کو کیول بناوٹ اور چھیڑ سمجھتے ہو اور جب وہ ٹھگنے اور لوٹنے کے لیے گلے میں بانہیں ڈال کر کہتی ہے کہ تم ہی میرے پران اور تم ہی میرے ہر دیشور ہو، تب تم اس کورے جھوٹ کو سچ جان کر پھول کی طرح کھل اٹھتے ہو۔ روپ بیچنا ہمیں پیٹ سکھاتا ہے اور جھوٹ بولنا تم سکھاتے ہو۔

جگل کشور: خوبصورت ناگن، صاف صاف کیوں نہیں کہتی کہ ویشیا ایک پاپ کی دکان ہے جس میں پریم کے نام سے چھل اور کپٹ بکتا ہے۔

کام لتا: نشچے۔ ہم ویشیاؤں نے محلّہ محلّہ چھل اور کپٹ کی دکان کھول رکھی ہے۔ کِنتو اس دکان کے خوبصورت کھلونوں کو کون خریدتا ہے؟ تم لوگ خریدتے ہو۔ یہ چھل کپٹ کی دکان کس کے روپیوں سے چل رہی ہے؟ تمھارے روپیوں سے چل رہی ہے۔ یدی تم لوگ دھن کا لوبھ دکھا کر پرائی استریوں کا دھرم مول لینا چھوڑ دو تو اس پاپ کے بازار کی ساری دکانیں آج ہی بند ہوسکتی ہیں۔

جگل کشور: ڈوبے ہوئے جہاز کا بھی کوئی نہ کوئی تختہ پانی پر تیرتا ہوا رہ جاتا ہے، کِنتو میرا گھر، سُکھ، دھن، مان، آشا جو کچھ تھا، سب ڈوب گیا۔ کس لیے۔ تیرے

لیے اور انت میں تو نے ہی دھوکا دیا۔

کام لتا: یدی دھوکا دینا پاپ ہے تو ایشور کداچت میرا پاپ شما بھی کردے، کنتو تمھارا پاپ کبھی شما نہ کرے گا کیونکہ میں نے تمھیں دھوکا دیا ہے اور تم نے اتھاہ وشواس رکھنے والی پریم مئی، پنیہ مئی، منگل مئی گھر کی استری کو دھوکا دیا ہے۔

جنگل کشور: نشچے دھوکا دیا۔ کنتو پھر پوچھتا ہوں، کس لیے؟ اس مایا مورتی کے لیے، اس دھوپ چھاؤں کے لیے۔ یدی میں جانتا کہ ویشیا کے ہونٹ کبھی سچ نہیں بولتے، تو جس دن تو نے پہلی مرتبہ کہا تھا کہ میں تم سے پریم کرتی ہوں اُسی دن یا پریم کو جگت کی سب سے بڑھ کر گھرِنت وستو سمجھتا یا دھوکے باز کہہ کر تیرے منھ پر تھوک دیتا۔

کام لتا: جب تم اپنے ہی شہر میں سینکڑوں کو رنڈی کے پھندے میں پھنس کر پیسے پیسے کے لیے بھیک مانگتے دیکھ چکے تھے۔ جب تم ایک نہیں ہزاروں کے مکھ سے ویشیا کے چھل کپٹ کی کہانی سن چکے تھے، تب جیب کا روپیہ خرچ کرکے رنڈی کے کوٹھے پر اندھے اور بیوقوف بننے کے لیے کیوں آئے تھے؟ تم میرے پریم پر تھوکتے ہو اور میں تمھاری سمجھ پر تھوکتی ہوں۔

جنگل کشور: بس، یہ رہا دروازہ۔ اپنے پران بچا کر چلی جا، نہیں تو ان ہاتھوں سے تیرے گلے کی نسیں تیرے لیے پھانسی کی رسّی بن جائے گی۔ نیچ، سوارتھی، خانگی......

کام لتا: خبردار۔ زبان سنبھال کر بات کرو۔ میں کوئی گھر کی استری نہیں ہوں جو گالیاں کھاؤں گی اور چپ رہ کر منھ دیکھا کروں گی۔

جنگل کشور: میں پھر کہتا ہوں کہ لات اور ٹھوکر کھا کر نہ نکلنا ہو تو چلی جا۔ ایک شریف کا غصہ......

کام لتا: چل چل۔ میں نے تیرے جیسے بہت شریف دیکھے ہیں تو کیا لات مارے گا، میں نے اپنے کوٹھے سے تیرے جیسے شریفوں کو نوکروں کے ہاتھ سے جوتے پٹوا کر نیچے اُتروا دیا ہے۔

جنگل کشور: کیا کہا؟— بیسوا، حرام زادی۔

کام لتا: حرام زادہ تو— حرام زادہ تیرا......

جنگل کشور: بس سب کچھ ہو چکا، کیول رنڈی کے منھ سے گالیاں کھانا ہی رہ گیا تھا۔ خانگی تیرے لیے حوالات ہوئی تھی اور تیرے ہی لیے پھانسی ہوگی۔

(دوڑ کر کام لتا کا گلا دباتا ہے۔ بنی پرساد آ کر روکتا ہے)

بنی پرساد: یہ کیا؟ (جنگل کو ہٹا کر) الگ ہٹ، کیا پاگل ہو گیا ہے؟

جنگل کشور: تو پھر آیا، کُتّے اس نے وشواس کو پیروں سے روندا اور تو نے مترتا کے کلیجے میں چھری بھونکی ہے۔ چلا جا۔ نہیں تو آج اس گھر کی دھرتی پر تم دونوں کے خون کی ندی ایک ساتھ بہتی ہوئی———— دکھائی دے گی۔

بنی پرساد: ایک عورت کو بہادری دکھا کر اتنی ہمت بڑھ گئی کہ اب مجھے بھی دھمکانے لگا؟ میں تیری بکواس کو کُتّے کا بھونکنا سمجھتا ہوں۔

جنگل کشور: دغاباز، کمینے۔

(گھونسا تان کر مارنے دوڑتا ہے)

کام لتا: خبردار۔

(جنگل کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے)

بنی پرساد: (پستول دکھا کر) بڑھنا نہیں۔ تیری موت میرے ہاتھ میں ہے۔

جنگل کشور: سرپنی، چھوڑ دے، اس جیون کا آج ہی پرلے ہے۔

(جنگل ہاتھ چھڑا کر بنی کی طرف دوڑتا ہے، کام لتا پھر روکتی۔ اکسمات بنی کی پستول چل جاتی ہے اور جنگل کے بدلے کام لتا نشانہ بنتی ہے)

کام لتا: (گر پڑتی ہے) آہ۔

جنگل کشور: خون!

بنی پرساد: ارے ہاتھ، یہ کیا دھوکا دیا؟

کام لتا: اس روپ نے دھرم بھی لیا اور پران...... بھی...... ہا......

(مرجاتی ہے)

بنی پرساد: مرگئی۔ اب؟ پولس کو دھوکا دے کر اپنی رکشا کرنی چاہیے۔

(بھاگتا ہے)

جگل کشور: کلٹا۔ اسی تُچھ جیون کے لیے اتنے پاپ کیے تھے۔ آنکھ کھول سکتی ہے تو دیکھ۔ روپ کا دیپک بجھ گیا۔ اب نرک کا اندھیرا ہے اور پاپی آتما ہے۔

(مادھو کا روپ بدلے ہوئے پرویش)

مادھو: اوہ وہی ہوا۔ (جگل سے) یہ کیا کیا؟ جیل کے دروازے پر آپ کے مکھ سے اُتیجنا بھرے شبد سن کر میں کرودھ کے پرینام سے ڈرا اور نرنے کیا کہ گھر چل کر آپ کو شانت کرنا چاہیے۔ کِنتو— ہا— شیگھر گامی دُربھاگیہ مجھ سے پہلے پہنچ گیا۔

جگل کشور: مجھے جیل سے چھڑانے والے پروپکاری پرش، آشچر یہ نہ کر۔ اس گھر میں بہت دنوں سے دُربھاگیہ ہی راجیہ کررہا ہے۔ دُربھاگیہ ہی کے کارن میں نے ستی کے پریم کو نیرس سمجھ کر ویشیا کے پریم کی لالسا کی تھی۔ دُربھاگیہ ہی کے کارن اِس کے ہاتھ سے میرے سکھوں کی مرتیو ہوئی اور بنی کے ہاتھ سے آج اس کے چھل بھرے جیون کا انت ہوا۔

مادھو: خون بنی نے کیا— تب اس کے ساتھ آپ کے بچنے کی آشا نہیں گئی۔ یہ کون؟ چھپ جایئے۔ پولس آپہنچی۔

جگل کشور: میں کیوں چھپوں؟ پولس اور نیائے سے نردوش کے لیے کوئی بھے نہیں ہے۔

مادھو: پہلے رنڈی سے سمبندھ، پھر جھگڑا، اس کے بعد خون۔ یہ سب باتیں آپ کے

وِرُدّھ ہیں، اس لیے پرمان ایکترت ہونے تک نیائے کے سامنے نہ جائیے۔
آپہنچے۔ جلدی— یہاں۔

(کھینچ کر الماری کے پیچھے چھپا دیتا ہے۔ پولس افسر اور سپاہیوں کا پرویش)

افسر: ہاں، میں جگل کو اچھی طرح پہچانتا ہوں— یہ رہی لاش— اسامی کہاں ہے— تم کون ہو؟

مادھو: ایک لین دار۔ روپیوں کے تقاضے کے لیے آیا تھا۔ کِنتو یہاں جگل کی جگہ لاش پڑی دیکھی۔

افسر: تب نشچے، وہ خون کرکے گھر میں چھپ گیا ہے۔

مادھو: سمبھو ہے۔ اندر دیکھیے۔

افسر: آؤ۔

(افسر سپاہی اندر جاتے ہیں)

مادھو: انوبھو دھوکا کھا گیا۔ (دروازہ بند کردیتا ہے اور جگل کو باہر نکالتا ہے) آیئے ایشور نے بھاگنے اور چھپنے کا اوسر دے دیا۔

(بنی کا پرویش)

بنی: ہیں۔ جگل اور ابھی تک سوتنتر۔ میری بھیجی ہوئی پولس کہاں گئی؟

جگل کشور: نرک کے کیڑے۔

(بنی کو گلے سے پکڑتا ہے)

مادھو: یہ بدلہ لینے کا سے نہیں۔ نکل چلیے۔

بنی: (روک کر) مرتیو اسے راستہ نہیں دے سکتی۔

(پولس واپس آکر سلاخ دار دروازے سے باہر نکلنا چاہتی ہے)

افسر: دروازہ کس نے بند— اُدھر دیکھو— وہ رہا خونی۔

مادھو: آپ نکل جایئے۔ میں سانپ کے زہری دانت توڑتا جاتا ہوں۔

(زمین پر پڑی پستول اٹھاتا ہے)

افسر: روکو— باندھو— خونی بھاگا جارہا ہے۔

بنی: کہاں جائے گا؟

مادھو: ہلنا مت۔نہیں تو یہ شریر ریت کی دیوار کی طرح دھرتی پر ڈھیر ہوجائے گا۔

(جنگل نکل جاتا ہے۔ پولس دروازہ توڑ کر باہر نکلنے کا یتن کرتی۔
بنی پستول کی طرف دیکھ کر کانپتا اور مادھو پستول دکھاتا ہو
ا دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھتا ہے)

—ڈراپ—

انک ترتیہ — درشیہ پرتھم

کامنی کا گھر

(کامنی صوفے پر بیٹھی پستک دیکھ رہی ہے ایک منٹ بعد
پستک بند کردیتی ہے)

کامنی: کلکتہ کیا خوبصورت شہر ہے۔ مانو بنگ بھومی کے ماتھے پر ہیرے کا جھومر جگمگ کررہا ہے۔ یہی شہر ہے جس میں دونوں کناروں کی روشنی سے جھل جھل کرتی گنگا کی دھارا ہمالیہ کا سندیسہ پہنچانے کے لیے بہتی ہوئی چلی جارہی ہے۔ یہی شہر ہے جس کا وایو منڈل چودہ لاکھ آدمی کی سانسوں سے کانپتا رہتا ہے۔ یہی شہر ہے جہاں محنت سے پیدا کرنے کا خیال اور فضول خرچی، سادگی اور فیشن، امیری اور غریبی، پُنیہ اور پاپ پڑوسی بن کر رہتے ہیں— اس دولت کی منڈی میں، میں بھی بکنے کے لیے لائی گئی ہوں— سانجھ ہوگئی، جیبوں میں روپے بھر کر بولی بولنے والے آرہے ہوں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس گھر میں میرے روپ اور جوانی کا نیلام شروع ہوجائے گا۔

(صوفے پر بیٹھ کر دوبارہ پستک دیکھتی، پھر بند کردیتی ہے اور ایک ٹھنڈی سانس بھر کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہے۔ باہر سے نیل کنٹھ اور سدا رنگ باتیں کرتے ہوئے آتے ہیں)

سدارنگ: ہاں جی، مثل تو یہی مشہور ہے کہ رنڈی کا مال یا کھائے دھاڑی یا کھائے گھوڑا

گاڑی، لیکن راج کنور کا مال وہ بزار کا لونڈا گاڑی اور دھاڑی دونوں کو ڑخا کر اکیلا ہی کھا گیا۔

نیل کنٹھ: اور اس مال کھانے کا انعام یہ ملا کہ اُس نے ساری جائداد اپنے نام رجسٹری کرالینے کے بعد بائی جی کو جوتے مار کر گھر سے باہر کردیا اور انت میں بائی جی اس دکھ سے بیمار ہوکر ہائے ہائے کرتی ہوئی اسپتال میں مرگئیں۔

سدارنگ: نیل کنٹھ جی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ ٹٹ پونجیے ہمیشہ رنڈی کا مال کھایا کرتے ہیں۔ دیکھو رئیس انھیں کہتے ہیں۔ بتّو مل کھتری مرتے وقت بھی چودھ اِئن کی لونڈیا کے نام تین لاکھ لکھ گئے۔ تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے۔ اندو بالا چوربگان کے موڑ پر پان بیچا کرتی تھی۔ پچکوڑی بابو نے اتنا دیا کہ لالوں لال ہوگئی۔ چمارن والی بیلا پانچ برس پہلے سڑک پر جھاڑو سے لید اٹھایا کرتی تھی۔ آج چھتّی نواب کے روپیوں سے اس کی کوٹھی کے طویلے میں چار چار ویلر ہنہنا رہے ہیں۔

نیل کنٹھ: مگر سدا رنگ جی، کلکتہ سے پورے ایک درجن برس غائب رہنے کے بعد اب کی تم بھی ڈھونڈھ کر اپنے ساتھ ایسا نگینہ لائے ہو کہ کسی جوہری کی نظر میں جچ گیا تو چاندی کی اینٹوں سے گھر بنا لوگے۔

سدارنگ: اسی دن کے لیے تو اس چھوکری پر بارہ برس محنت کی ہے۔ کنتو ہمارا تمھارا دربھاگیہ کہ وہ رنڈی کے دھندھے ہی کو دھتکارتی ہے۔ سمجھاؤ تو ایسی تیز اور کڑوی باتیں کرتی ہے، مانو رنڈی کے گھر کے بدلے مرچوں کے کھیت میں پیدا ہوئی ہے۔

نیل کنٹھ: اجی دو چار دن کی اور بھڑک ہے۔ جب شہر کے سیٹھ ساہوکاروں میں سے کوئی سر میں تیل لگائے گا، کوئی رومال سے پنکھا جھلے گا، کوئی چلتے وقت لیڈی بوٹ کا فیتہ باندھے گا، کوئی سیر کرانے کے لیے گھر کی گاڑی اور موٹر لے کر آئے گا۔ تب بائی جی آپ ہی سمجھ جائیں گی کہ سدا رنگ جی نے رنڈی بنا کر اس جنم میں میرا اُدھار کیا۔

سدا رنگ: تمھیں دیکھو نا۔ بہاری لال جوہری کا جنوائی اب تک بائی جی کی امیدواری میں مجھے ہزاروں روپے چٹا چکا ہے۔ کل اس بھلے مانس کے لڑکے نے، آو راجا، کہہ کر کلائی پکڑ لی تو اتنے زور سے کہنی ماری کہ بچارے کی کھوپڑی میری سارنگی سے ٹکرا کر کھرج کے سروں میں گانے لگی۔

نیل کنٹھ: چپ چپ۔ وہ آرہی ہے۔ منھ پر تھاپ دو۔

(دونوں جاتے ہیں)

انک ترتیہ — درشیہ دوتیہ

مادھو کا گھر

سروجنی: ایک دن اور بھی چندرما اسی طرح چمک رہا تھا۔ سکھ اور پریم کا نشہ پیے ہوئے دو پرماتمائیں جن کے مکھ پر سنہری کرنوں اور ہیروں میں چاندی کا پرواہ بہہ رہا تھا، گھر کی چھت پر کھڑی ہوئی تھی۔ پاس پاس۔ اتنا پاس کہ کبھی کبھی ایک کی سانس دوسرے کی سانس کو چوم لیتی تھی۔ ان میں سے ایک سوبھاگیہ کی پرتیما تھی اور دوسری بھکتی کی پرتما۔ ایک کا نام تھا پران ناتھ، دوسری کا نام تھا ہردیشوری۔ ہردیشور کے مکھ پر بھونروں کی طرح اڑتے ہوئے کالے کیشوں کو ہاتھ سے ہٹا کر پران ناتھ نے کہا۔ پرتیمے۔ کون ادھک سندر ہے؟ تم یا چندرما؟ ہردیشور نے ہنس کر لاج ملے ہوئے ابھیمان کے ساتھ اُتر دیا۔ میں کارن کہ چندرما سوریہ سے تیج پاکر کیول رات کو چمکتا ہے۔ کنتو میں۔ رات اور دن ہر وقت تمھارے ہردے کے آکاش میں پریم پرکاش کرتی رہتی ہوں...... اور یہ کہہ کر ہردیشوری نے پران ناتھ کی اور دیکھا تو ان کے ہنستے ہوئے مکھ پر ایک نئی مسکراہٹ دکھائی دی۔ وہ مسکراہٹ جس میں پراتہ کال کی پربھا، بسنت کی شوبھا، جیون کی مٹھاس، سنسار کا سنگیت، سب کچھ ملا ہوا تھا — ارے پگلی تو کن سکھوں کو یاد کررہی ہے۔ وہ ہنسی، وہ دن، وہ پریم، وہ سندر جگت تیرا ہوتا تو کیا پرماتما تجھ سے چھین لیتے؟

(مادھو کا پرویش)

مادھو: بھابی۔

سروجنی: کہو مادھو۔

مادھو: ہمارے پڑوس میں جو غریب برہمن رہتا ہے، آج اُس کی استری تم سے ملنے آئی تھی؟

سروجنی: ہاں۔

مادھو: کندن لال کے اتیاچار کا رونا لے کر آئی ہوگی۔ کیوں؟

سروجنی: ہاں بیچاری برہمنی۔ رو رو کر کہنے لگی کہ میرے پتی نے پیسہ پیسہ جوڑ کر دو ہزار کنیا کا بیاہ کرنے کے لیے کندن لال کے پاس جمع کیے تھے، اب وہ نردئی کہتا ہے کہ تیرا ایک پیسہ بھی میرے پاس نہیں ہے، ایک برہمنی کا رونا دیکھ کر میرا ہندو ہردے کانپ اُٹھا۔ مادھو۔ کیا کندن لال کے لیے سنسار ہی سب کچھ ہے۔ دھرم اور پرلوک کچھ نہیں ہے۔

مادھو: اُس کا غریب پتی چار دن سے روز آکر میرے پاس دہائی دے رہا ہے۔ اس لیے میں نے چٹھی لکھ کر اس وقت کندن لال کو بلایا ہے۔ وہ منشیہ تو نہیں ہے، پھر بھی دیکھتا ہوں، شاید اُس کی چھاتی میں منشیہ کا ہردے ہو۔

سروجنی: روپیہ محنت سے پیدا ہوتا ہے۔ محنت ہاتھ پاؤں سے ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں اُتساہ، بل، اور جوانی رہنے تک کام دیتے ہیں۔ کندن لال سے کہنا کہ محنت کرکے روپیہ کمانے کے لیے اس بوڑھے برہمن کو پھر سے شکتی اور جوانی نہیں مل سکتی۔ اس لیے دیا کرو۔ یہ سمجھ کر کہ وہ دیا کے یوگیہ ہے۔ یہ نہیں تو یہ سمجھ کر کہ تم ہندو ہو اور وہ برہمن ہے۔

مادھو: برہمن، ہندو، دیا، ایشور۔ وہ ان شبدوں کو بھول گیا ہے۔ اسے دو ہی شبد یاد ہیں۔ بیاج اور روپیہ۔

سروجنی: سورج چاند اجالا دیتے ہیں، پہاڑ سونا دیتے ہیں، دریا موتی دیتے ہیں، پھول سگندھ دیتے ہیں، ورکش پھل دیتے ہیں، دھرتی انّ دیتی ہے۔سنسار کی ہر ایک وستو اپنی پونجی سے دوسرے کو لابھ پہنچا رہی ہے۔ کنتو سارے جگت میں ایک

منشیہ ہی ایسا لوبھی اور سوارتھی ہے جو اپنے دھن سے دوسروں کی سیوا اور سہایتا کرنے کے بدلے ان کا دھن بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ ہا— دھن تھا، جیون کی سیوا کے لیے۔ لیکن آج کل لوگوں نے دھن کی سیوا کو ہی جیون سمجھ لیا ہے۔

مادھو: چھیدی ڈاکٹر کے یہاں سے دوا لایا تھا؟

سروجنی: ہاں۔

مادھو: پی تھی؟

سروجنی: کیا کروں گی پی کے؟ شریر کی بیماری تو کسی نہ کسی طرح اچھی ہی ہوجائے گی، کنتو ہردے کا روگ، وہ روگ، جس کی دوا کسی وید اور ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے، کیسے اچھا ہوسکتا ہے؟

مادھو: اس کی دوا دھیرج ہے۔

سروجنی: دھیرج اور آشا کے سہارے بارہ برس سے جی رہی ہوں۔ کنتو پچھلے دنوں کی یاد نہ چین سے جینے دیتی ہے اور نہ اپنے ہردے کے سوامی کو ایک بار دیکھ لینے کی آشا مجھے مرنے دیتی ہے۔ ناتھ کہاں ہو؟ کیا میں اس جیون میں تمھارا ہنستا ہوا چہرہ اب کبھی نہ دیکھوں گی؟

(آنکھوں میں آنسو بھرے چلی جاتی ہے)

مادھو: پتی ورتا دیویاں نہ ہوتیں تو اتنی شوبھا اور سوندریہ ہونے پر بھی جگت شونیہ دکھائی دیتا۔ کندن لال کو سمجھانے کے لیے بلایا تو ہے، لیکن کیا پتھر میں جونک لگے گی؟ چکنے گھڑے پر پانی ٹھہرے گا؟ آشا نہیں ہے، پھر بھی۔ (چھیدی آتا ہے) ارے تو لوٹ کیوں آیا۔

چھیدی: تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک لونڈے نے پیچھے سے آکر مجھے چانٹا مارا۔ میں نے اُچک کر اس کی ناک پکڑ لی۔ دیکھا تو اس پاجی کی ناک کے بدلے کندن لال کی ناک میرے ہاتھ میں۔

مادھو: تو کیا وہ راستے ہی میں مل گیا؟

چھیدی: ہاں جی۔
مادھو: جا بلا لا۔ سیدھی طرح مانا تو ٹھیک، نہیں تو پاجی کے ساتھ پاجی بننا پڑے گا۔

(چھیدی کے ساتھ کندن لال کا پرویش)

چھیدی: یہی ہمارے مالک ہیں، جھک کر سلام کرو۔
مادھو: آؤ کندن لال جی۔
کندن لال: ہاں جی آگیا۔ کیا کچھ روپیوں کی ضرورت ہے۔ میں چٹھی ملتے ہی سمجھ گیا تھا۔ آج کل بازار میں روپیوں کا بڑا ٹوٹا ہے— ہاں تو مکان پر چاہیے یا زیور پر۔ رہا بیاج، سوتم اپنے آدمی ہو۔ سب سے پانچ روپیہ سینکڑا لیتا ہوں، تم پیسہ کم پانچ دے دینا۔ ایک پیسہ کے لیے
مادھو: مجھے یہ کہنا ہے
کندن: اب کہنے کو کیا رہ گیا۔ کیا پیسہ کم پانچ بھی نہ دو گے؟ اچھا غریب کندن لال ہی کا گلا دبانا ہے تو اَدھیلا اور گھٹا دو۔ کسی طرح خوش رہو۔ میں تو پریم کا بھوکا ہوں۔ بیاج کا بھوکا نہیں ہوں۔
مادھو: اپنی ہی کہے جاتے ہو— میری بھی سنو— میں نے روپیہ اُدھار لینے کے لیے تمھیں نہیں بلایا ہے۔
کندن: تو؟
مادھو: اپنی کنیا کے بیاہ کے لیے گوپی ناتھ برہمن نے تمھارے پاس دو ہزار روپے جمع کیے تھے۔ مانگنے پر تم نے کہا کہ تو نے میرے پاس کبھی ایک پائی بھی نہیں رکھی تھی۔ لاچار ہوکر اُس نے وکیل کی معرفت نوٹس بھیجا تو اس کے نوٹس کا بھی تم نے یہی جواب دیا۔
کندن: تو ایک گلے پڑو جھوٹے کو اور کیا جواب دیتا۔ روپے جمع کیے تھے تو میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی رسید کیوں نہیں دکھاتا؟
مادھو: رسید اُس بوڑھے برہمن سے کھوگئی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ کھوئی ہوئی رسید

نہ ملنے کا نتیجہ ہوجانے ہی سے تم لیے ہوئے روپیوں سے انکار کررہے ہو۔

کندن: پھر وہی روپیہ۔ میری جیب میں نہیں، تجوری میں نہیں، دھیان میں نہیں، نوٹ بک میں نہیں، بہی کھاتے میں نہیں، تب روپے کہاں ہیں؟ کب دیے، کیسے دیے، کس کے سامنے دیے۔

مادھو: کندن لال تھوڑے سے روپیوں کا منھ نہ دیکھو۔ مٹیہ گھر سے لکڑی کی ارتھی پر نکلتے وقت تجوری اور بینک کا روپیہ چھاتی پر رکھ کر ساتھ نہیں لے جاتا۔ میں اس کے بھلے کے ساتھ تمھارا بھلا بھی چاہتا ہوں۔ دیکھو یہ بریچ آف ٹرسٹ کا کیس ہے۔ یدی کھوئی ہوئی رسید مل گئی تو اس بڑھاپے میں ہتھکڑی لگ جائے گی۔

کندن: میرے پاس روپیہ، میرے پاس وکیل، میرے ساتھ عدالت بھر کی دوستی اور مجھے ہتھکڑی لگ جائے گی۔ تم گھر میں بلا کر میرا اپمان کرتے ہو۔ تم نے مجھے کیا سمجھا ہے؟

چھیدی: (سائڈ میں) اُلو کا پٹھا۔

کندن: میں کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں، تم نے مجھے کیا سمجھا ہے؟ میں اس شہر کا ایک عزت دار مہاجن ہوں۔

چھیدی: (سائڈ میں) مگر صورت چمار جیسی معلوم ہوتی ہے۔

کندن: وہ نوٹس دے چکا ہے۔ جاؤ اب تم اُس کے حمایتی بن کر عدالت میں دعوے کرو۔ میں تمھیں بھی دیکھ لوں گا۔ تم نے مجھے کیا سمجھا ہے؟

مادھو: میرے منھ سے اپنی تعریف سننا چاہتے ہو؟ اچھا تو میں کیا سمجھتا ہوں سنو۔ تم گوبر کا ڈھیر ہو۔ دھرتی کا کوڑا ہو، بھلے مانسوں کی جوتی کی خاک ہو، سونے چاندی کے ٹکڑوں کے پیچھے دوڑنے والے کتے ہو، بھپکیاں دینے والے بندر ہو۔ دوسروں کا خون پینے میں بھیڑیے ہو، نوچنے کھسوٹنے میں ریچھ ہو۔

چھیدی: ارے جب تو اسے علی پور کے چڑیا گھر میں بھیج دینا چاہیے۔

مادھو: اور سنو۔ دھوکے باز ہو، چور ہو، ٹھگ ہو، بدمعاش ہو، نیچ ہو، پاجی ہو .....

کندن: ارے بس کر۔ اتنی گالیاں تو میرے باپ نے بھی مجھے کبھی نہ دی تھی۔

چھیدی: تو آج انھیں کو اپنا باپ سمجھ لو۔

مادھو: اور سنو گے کیا سمجھتا ہوں۔

چھیدی: (مادھو سے) سرکار گالیاں دینا ہے تو مجھے کہیے۔ میں اس سے اچھی گالیاں دے سکتا ہوں۔ آپ خالی ٹھونکنے کا کام کیجیے۔

کندن: دیکھ تو نے مجھے ایک سانس میں ایک درجن گالیاں دی ہیں۔ میری سخت بے عزتی ہوئی ہیں۔ میں اپنی بے عزتی کا تجھ پر دعویٰ کروں گا۔

مادھو: بے عزتی۔ بے عزتی تو تب ہوتی کہ میں تجھے تھرڈ کلاس گالی دیتا۔ میں نے چن چن کے سب فرسٹ کلاس گالیاں دی ہیں۔

کندن: اچھا وکیل بیرسٹروں کو دینے کے لیے فیس تیار رکھنا۔ تجھے کل ہی فوجداری کا سمن ملے گا۔ کنگال دو کوڑی کے آدمی...

چھیدی: کیوں بے بن بلاؤ۔ تو میرے مالک کو گالیاں دیتا ہے؟ توند پھاڑ دوں گا۔

(پیٹ میں گھونسہ مارتا ہے)

کندن: باپ رے۔

چھیدی: ابھی تو باپ رے پکار رہا ہے۔ ایک گھونسہ اور پڑے گا تو ماں رے پکارے گا۔

مادھو: جو ہوسکتا ہے کرلینا۔ نکل جا میرے گھر سے۔

چھیدی: مالک کا حکم مل گیا۔ اب میں تجھے گردن میں ہاتھ دے کر نکال دوں گا۔ چل دروازے کی طرف۔

(دھکا دے کر گرادیتا ہے اور ٹنگوی پکڑکر دروازے کی طرف گھسیٹتا ہے)

کندن: ارے اوتتیا مرچ چھوڑ کہاں لیے جارہا ہے؟

چھیدی: مسان گھاٹ۔

(گھسیٹتا ہوا لے جاتا ہے)

مادھو: کیاسنسار ہے، منشیہ کو جتنا ملتا ہے، اتنی ہی اُس کی لاو لاو بڑھتی جاتی ہے۔

اَنک ترتیہ — ورشیہ ترتیہ

سدا رنگ کا گھر

(کامنی سوچتی ہوئی آتی ہے)

کامنی: لگاوٹ سے دیکھو، بناوٹ سے ہنسو۔ ناز سے اٹھو، لچک کے چلو، تیل اور پاؤڈر سے دن رات جوانی پر پالش کرتے رہو— اور ساتھ ہی خوشامد کرو، پھبتیاں سنو، جھوٹ بولو، دھوکا دو، بکاؤ مال کی طرح سج سجا کر کھڑکی میں بیٹھو اور پان سگریٹ کی تھالی کی طرح ایک ایک گاہک کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرو۔ یہی تو رنڈی کا جیون ہے۔ آہا۔ کیسا سندر جیون! دِھکار ہے اس جیون پر۔

(سدا رنگ اور نیل کنٹھ آتے ہیں)

سدا رنگ: (نیل کنٹھ سے) اس خوبصورت گدھی کا 'ملھار' سنا۔ (کامنی سے) بٹیا کامنی۔ ایک ہی راگ کتنی مرتبہ الاپوں۔ ہر وقت یہی خیال گاتی رہیں، تو لوگوں سے اپنی پوری قیمت کیسے وصول کرو گی۔ جانتی ہو تم کیا چیز ہو؟

کامنی: جانتی ہوں، میں پاپ کے کھیل میں ہاتھوں ہاتھ پھرنے والا تاش کا پتہ ہوں۔ روپیوں کی ریس میں نائیکاؤں کو جتانے والی ٹپ ہوں۔ سپردائیوں کے لیے قسمت کے تھیٹر کا فری پاس ہوں اور لوگوں کی جیب اور گھروں میں آگ لگانے کے لیے تمھارے ہاتھ میں جلتی ہوئی دیا سلائی ہوں۔

نیل کنٹھ: اور یہ بھی تو کہو کہ ولایتی فرنیچر کے سجے ہوئے کمرے میں پیار اور مان کے

بریکٹ پر رکھا ہوا سودیشی کھلونا ہو۔

کامنی: پیار اور مان؟ (ہنستی ہے) ہا ہا ہا۔ گروجی۔ کیا چرس کا دم لگا کر پرنالے میں لیٹے لیٹے سورگ کا سوپن دیکھ رہے ہو۔ جگت کا سچا مان کیول گرہست استریوں کے لیے ہے۔ میلا صاف کرنے والی بھنگن کو بھی اگر تم ویشیا کہہ دو تو وہ بھی ایک طرف کی مونچھ پکڑ کر بیس جھاڑو سے کم نہ مارے گی۔

سدارنگ: ریشم کی ساڑی اور سونے کی پازیب، لٹ پٹی چال کے ساتھ چھم چھم کرتے ہوئے چلنا۔ گھڑ دوڑ، فینسی فیر اور تھیٹر میں ہزاروں آنکھوں کو اپنی طرف کھینچنا۔ بڑے بڑے رئیسوں سے پیروں پر ناک گھسوانا۔ بائی جی۔ یہ مزا اور یہ مان ویشیاؤں ہی کی قسمت میں ہے، گرہست استریوں کے بھاگیہ میں نہیں ہے۔

نیل کنٹھ: گرہست استریاں ململ کی ساڑی میں دن نکالتی ہیں اور تم مخمل اور ساٹن پہنتی ہو۔

کامنی: کِنتو اُن کی ساڑی ململ کے سامنے ساٹن کی چمک لاج سے پھیکی پڑ جاتی ہے۔

نیل کنٹھ: وہ سر میں ناریل اور تلی کا تیل لگاتی ہیں اور تم قنوج کی چمیلی اور پیرس کا ہیر لوشن ملتی ہو۔

کامنی: کِنتو اس تلی کے تیل سے دنیا میں دھرم کی خوشبو پھیلتی ہے اور ہمارے لوشن سے پاپ کی دُرگندھ بڑھتی ہے۔

نیل کنٹھ: سدارنگ جی۔ تمھیں کس گدھے نے رائے دی تھی کہ گانے بجانے کے ساتھ ساتھ انھیں لکھنا پڑھنا بھی سکھاؤ۔ کیا تم نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا سیکھ کر آدمی کی عقل چوپٹ ہوجاتی ہے۔

سدارنگ: دیکھو میری بٹیا۔ پھر سمجھاتا ہوں کہ اپنے دھندے کو برا نہ سمجھو— ارے ویشیا تو اس دیش میں ہزاروں آدمی کا کلیان کرتی ہے۔

نیل کنٹھ: سنو— یہ سمجھ کی بات کاغذ کی پستک میں نہیں ملے گی۔

سدارنگ: ویشیا کا گھر انوبھو سکھانے کا کالج ہے جو یہاں سے بی۔ اے پاس کرکے نکلتے ہیں، وہی دنیا کو سمجھ دار بننے کی شکشا دے سکتے ہیں۔

نیل کنٹھ: سچ ہے۔ آدمی بننے کا سرٹیفکٹ ویشیا ہی کے گھر سے ملتا ہے۔

سدارنگ: ویشیا نہ ہوتی تو مکان والوں کو پچاس روپے کے کمرے کا ایک سو پچاس روپیہ کرایہ کبھی وصول نہ ہوتا۔ ویشیا نہ ہوتی تو ارگن اور پیانو بنانے والے ولایتی کاریگر، سارنگی اور طبلہ بنانے والے دیسی کاریگروں کی روزی چھین لیتے۔ ویشیا نہ ہوتی تو تھیٹر کے انگریزی گانوں کے سامنے بھارت کی سنگیت وِدّیا کا ناش ہوگیا ہوتا۔

کامنی: اور ایک بات بھول گئے۔

سدا رنگ: کیا؟

کامنی: ویشیا نہ ہوتی تو دھاڑی اور سپردائی، طبلہ، سارنگی بجانے کے بدلے ہائے روٹی ہائے روٹی کہہ کر پیٹ بجایا کرتے۔ دانتوں میں ہونٹ کیوں دبا لیا؟ کیا سچ کی سن کر شرم آگئی۔

نیل کنٹھ: شرم!! ارے شرم ہوتی تو یہ دھندا ہی نہ کرتے ہم لوگ شرم کو اپنے پاس کیا اپنے محلے میں بھی نہیں آنے دیتے۔

سدا رنگ: (بگڑ کر) سنو کامنی بائی۔ جب تم دو برس کی تھیں تب کال کے مارے ہوئے تمھارے ماں باپ سو روپیہ پر میرے ہاتھ تمھیں بیچ گئے تھے۔سو وہ دیے، پانچ ہزار سے اوپر تمھیں عورت سے پری بنانے میں خرچ کیے اور کلکتہ آنے کے بعد دو ہزار گہنے، کپڑے اور پانچ چھ سو مکان کی سجاوٹ پر لٹا دیے۔ سب مل کر لگ بھگ تین ہزار کا آنکڑا ہوتا ہے— یہ رقم یا ہنس بول کے دوسروں سے پیدا کرو اور نہیں تو کسی بینک میں تمھارے باپ دادا کا روپیہ جمع ہو تو اس کے نام کا چیک کاٹ دو۔

نیل کنٹھ: (سدا رنگ سے) نخرے کے پھوڑے کو اس آپریشن کی ضرورت تھی (کامنی سے) کامنی بائی، تم ٹھہریں رنڈی۔ رنڈی کو کوئی بھلا آدمی اپنی بہو بنا نہیں سکتا۔ گرہست گھر میں نوکری مل نہیں سکتی۔ ان سکھ میں پلے ہاتھ پاؤں سے ٹوکری ڈھوئی نہیں جاسکتی اور پیٹ روٹی کے بدلے گھاس کھا کر بھرا نہیں جاسکتا۔ پھر یہ دھندا نہ کرو گی تو اور کیا کرو گی؟

کامنی: (کچھ دیر تک سوچنے کے بعد ٹھنڈی سانس لے کر) سچ کہتے ہو۔ یہ گھر اور نرک— دو ہی ٹھکانے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی دیا نے سوارتھ کی قینچی سے جب چڑیا کے پنکھ ہی کاٹ دیے، تب وہ اڑکر بھی پنجرے کی چھت سے آگے کہاں جاسکتی ہے— اچھا سدا رنگ جی۔ جھوٹ اور دھوکے کی دھرتی پر دوسروں کی ہڈیوں کے چونے اور لہو کے گارے سے اپنے سکھ کا محل تیار کرو۔ میں اب جیون کے انت تک اس محل میں پشاچی ناچ ناچا کروں گی۔

سدارنگ: اتنے دنوں میں آج سمجھ کی بات کہی۔ میں آشیرواد دیتا ہوں کہ جتنے میری مونچھ میں بال ہیں اتنے ہی تمھاری عمر کے دن ہوں۔

نیل کنٹھ: اور میں آشیرواد دیتا ہوں کہ جیون بھر تمھارا بیاہ نہ ہو اور سہاگ بنا رہے۔

سدارنگ: گلا کٹوانے والے پہنچا ہی چاہتے ہیں آؤ صابن اور پاؤڈر سے روپ کی چھری کو دھار دے لو۔

(سدا رنگ اور نیل کنٹھ کا پرستھان)

کامنی: دنیا میں سب کہتے ہیں کہ پاپ برا ہے۔ کنتو یہ کوئی نہیں سوچتا کہ دنیا میں پاپ کیوں ہے؟ آج میرے پاس دومٹھی انّ کا سہارا ہوتا تو کیا میں روپ کا دیپک لے کر پاپ کے اندھیرے میں روٹی ڈھونڈھنے نکلتی— اے دنیا کے لوگو، کسی استری کو نرلجتا کے بازار میں بھٹکتے دیکھ کر اس کے ہردے کا دکھ جانے بنا کرودھ نہ کرو۔ استری کے سروناش کا سب سے بڑا کارن بھوک اور غریبی ہے۔ جب تک اس دیش میں بھوک اور غریبی رہے گی تب تک پاپ بھی رہے گا۔

(سوچتی ہوئی جاتی ہے)

انک ترتیہ— درشیہ چترتھ

رانچی میں پہاڑ کے نیچے ایک چھوٹی سی بستی

(بستی کے تاڑی خانے میں کسان اور دوسرے لوگ
بیٹھے گھڑا بجا کر گا رہے ہیں)

پہلا: ذرا بادل کی طرف دیکھنا۔ ایسا جان پڑتا ہے کہ تاڑی کی مٹکی الٹ گئی ہے اور اس کا سفید سفید جھاگ بہاجارہا ہے۔

(جنگل پھٹے کپڑے پہنے سر جھکائے آتا ہے)

جنگل کشور: اس اوستھا میں پندرہ برس بیت گئے۔ یدی کیول سانس لینے کا نام جینا ہے تو میں اپنے لیے نشچے ابھی تک جی رہا ہوں۔ کنتو گھر والوں کے لیے، سماج کے لیے، سنسار کے لیے، سب کے لیے مرچکا۔ یہ جیون نہیں جیون میں مرتیو ہے۔

(ایک کونے میں بیٹھ جاتا ہے)

پہلا: (جنگل سے) ارے رام چرن۔

جنگل کشور: مورکھ منشیہ جیون کا سکھ ڈھونڈھتا ہے۔ لیکن کس میں؟— پاپ میں۔ ارے اندھے، پاپ میں سکھ ہوتا تو ایشور اپنے ہاتھ سے اپنے بنائے ہوئے سورگ میں آگ لگا دیتے۔

پہلا: اُلو، ہر وقت کھویا ہوا رہتا ہے— ارے رام چرن۔

جگل کشور: (چونک کر) کیوں مہاراج؟ آپ نے پکارا؟

پہلا: اور کیا یہاں تیرا باپ بیٹھا ہے جو پکار رہا ہے۔

جگل کشور: مہاراج شما کیجیے— میں نے آپ کی آواز نہیں سنی۔

پہلا: جب تک خوب موٹی گالی دے کر نہ پکارو، تو آواز سنتا ہی کب ہے۔ بڑے لاٹ کے بچے کیوں نہیں سنا؟

جگل کشور: میں کچھ سوچ رہا تھا۔

پہلا: ابے اُلو، سوچیں راجا مہاراجا جنھیں راج چلانے کی چنتا ہے۔ سوچیں سیٹھ ساہوکار جنھیں روپیوں سے بھری ہوئی تجوری پر ڈاکا پڑنے کا ڈر ہے۔ ہمارا کام ہے مزدوری کرنا، شام کو چار گنڈے کی تاڑی پینا اور رات کو بستر پر دونوں ٹانگیں لمبی کرکے بھور ہونے تک ناک سے نفیری بجانا۔ بس ہم غریبوں کو سوچنے کی کیا ضرورت ہے۔

دوسرا: (پہلے سے) جی چاہتا ہے نہ تاڑی میں بھگو کر گیلے ہاتھ سے تمھارے منھ پر ایک تھپڑ مار دوں۔

پہلا: کس لیے باوا؟

دوسرا: اس لیے کہ تمھارا باپ گدھا تھا اور تم بھی آدمی کے گھر میں گدھے پیدا ہوئے۔ اتنا بھونک گئے لیکن یہ نہ پوچھا کہ کیا سوچ رہا تھا؟

پہلا: ہوئی تو بھول— رام چرنا۔

جگل کشور: (ہاتھ جوڑ کر) ہاں مہاراج۔

پہلا: کیا سوچ رہا تھا؟

جگل کشور: وہ دیکھیے پہاڑی کے پیچھے سورج ڈوب رہا ہے۔ دوپہر کو کیسا چمک رہا تھا اور اس وقت اپنا سارا تیج لٹا کر کیسا پھیکا پڑ گیا ہے۔ اس کی اور دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ— مہاراج کیا سوچ رہا تھا، یاد نہیں رہا۔

پہلا: دیکھ اس سوچنے کو لے جاکر گاؤں کے باہر چھوڑ آ، نہیں تو ایک دن تو ضرور پاگل ہوجائے گا۔

جنگل کشور: پاگل ہوجانے کے بعد دنیا کی ساری چنتائیں اور دُکھ مٹ جاتے ہیں۔

تیسرا: (پہلے سے) باتیں سننے کے ساتھ ڈھالتے بھی جاؤ۔ تم تو گاڑھے نشے کو پتلا بنا دیتے ہو۔

دوسرا: تو آج کل کس کے کھیت میں کام کرتا ہے؟

جنگل کشور: دو مہینے سے ہر رات کو جاڑا دے کر بخار آتا ہے، پھر بھی دن ہوتے ہی گرتا پڑتا کام ڈھونڈھنے جاتا ہوں۔ لیکن جو بیمار آدمی ایک گھنٹہ محنت کرکے دو گھنٹہ کھیت کی مینڈ پر سر رکھ کے بے سدھ پڑا رہے، اُسے کام کیسے مل سکتا ہے؟

تیسرا: پھر کھاتا پیتا کہاں سے ہے؟

جنگل کشور: آپ لوگوں کی سیوا کرکے دو چار پیسے مل جاتے ہیں۔ انھیں سے پیٹ کے نرک میں ایندھن ڈال لیتا ہوں۔

تیسرا: اور جب کئی کئی دن یہاں بھی نہیں ملتا؟

جنگل کشور: ایشور نے منشیہ کا ابھیمان توڑنے کے لیے پیٹ بنایا ہے۔ تب پیٹ کے لیے۔

تیسرا: چپ کیوں ہوا؟

جنگل کشور: دو روٹیوں کی بھینک مانگنی پڑتی ہے۔

چوتھا: ارے یہ تو رو دیا۔ چرنا، تیری آنکھوں میں آنسو کیوں آگئے؟

جنگل کشور: (منھ پھیر کر جلدی سے آنسو پونچھتا ہے) نہیں تو..... اس دو مہینے کی بیماری میں میری آنکھیں بھی کمزور ہوگئی ہیں، اس لیے— ان میں کبھی کبھی پانی آجاتا ہے۔

چوتھا: تیرا اُترا ہوا مکھ بھی کہتا ہے کہ تو آج بھوکا ہے۔ لے یہ اکنی— کچھ کھالینا۔

جنگل کشور: دیالو، آپ کی جے ہو۔

دوسرا: اچھا چرنا ادھر آ۔

جنگل کشور: (پاس جاکر) آگیا۔

دوسرا: ایسی ہی ایک اکنی اور ملے گی— ذرا پاؤں دبا۔

جنگل کشور: بہت اچھا مہاراج (بیٹھ کر پاؤں دباتا ہے)

دوسرا: (تیسرے سے) بھروا (جنگل سے) ارے ذرا زور لگا۔ ہاتھ میں دم ہے یا نہیں؟

پہلا: آج تو نشہ بھی نہیں گھٹا۔ سالے بیچتے وقت خالص کہتے ہیں اور پانی ملی دیتے ہیں۔

دوسرا: (جنگل سے بگڑ کر) یوں ہی پاؤں دباتے ہیں؟ مفت کی مل جاتی ہے تب محنت کیوں ہوگی۔ حرام خور، الگ ہٹ۔

(لات مار کر ڈھکیل دیتا ہے)

چوتھا: چھی چھی۔ غریب بیمار کو لات ماردی۔ کمزور کے سامنے بہادر بنتا ہے۔ آ، اُٹھ، کھڑا ہوجا۔ دیکھوں تو کتنا بڑا بہادر ہے۔

دوسرا: ہاں!— یہ بات ہے! تو اس کی طرف سے لڑنا چاہتا ہے؟

چوتھا: ارے ہم کیوں نہیں لڑیں گے۔ دُربل، نسہائے، غریب کی طرف سے خود ایشور لڑنے کو تیار ہوجاتے ہیں۔

دوسرا: اس کی طرف سے بولے گا تو یہ بھکاری تجھے کون سا دھن دے گا؟

چوتھا: ایک غریب کی سہایتا کرنے میں منشیہ کے ہردے کو جو سنتوش ملتا ہے، وہی سب سے بڑا دھن ہے۔

دوسرا: اچھا۔ تو آجا......

(دونوں لڑتے ہیں)

پہلا: ٹھہرو— یہ کیا؟— غیر کے لیے آپس میں کٹ مرنا چاہتے ہو۔ (ساتھیوں سے) مزا ہی مٹی ہوگیا۔ انھیں لے چلو۔ (دوسرے سے) آؤ جی۔

دوسرا: (جنگل سے) نمک حرام، کتے تیرے ہی لیے جھگڑا ہوا۔ یہاں سے چلا جا، اب تو اس گاؤں میں نہیں رہ سکتا۔

چوتھا: (دوسرے سے) چلے جاؤ۔ ایشور کی دھرتی تمھاری نہیں ہے (چوتھے کے سوا سب چلے جاتے ہیں) کیسا نیچ منشیہ ہے (پاس جاکر) رام چرن۔

جنگل کشور: مہاراج۔

چوتھا: تمھیں چوٹ لگی۔

جگل کشور: مہاراج دو چوٹیں لگیں۔ ایک لات سے، ایک بات سے۔ لات کی چوٹ دیہہ پر لگی اور بات کی چوٹ ہردے پر لگی۔ دیہہ کی چوٹ کا دکھ دو ایک دن میں کم ہوجاتا ہے اور ہردے کی چوٹ کا دکھ بہت دنوں رہتا ہے۔ لیکن مجھے دکھ سہنے کا ابھیاس ہوگیا ہے۔ اس لیے یہ دونوں دُکھ بھی سہن کرلوں گا۔

چوتھا: ڈرنا نہیں۔ آج سے میں تمھارا سہایک ہوں۔ (پرستھان)

جگل کشور: جب تک تندرستی ہو، پیسہ ہو، عزت ہو، بل ہو، سوتنترتا ہو، جگت کی سہانو بھوتی اور اپنے پرایوں کا پیار ہو، تب ہی جینے کا سُکھ ہے، لیکن دنیا میں کیا دکھائی دیتا ہے؟ دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے۔ بچپن اور جوانی کے ساتھ آنکھ، کان، دانت، تیج، شکتی، سب اُسے اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ دھرتی اُسے اپنے کندھے کا بوجھ سمجھ کر لاچاری سے اٹھائے پھرتی ہے۔ پھر بھی وہ مرنا نہیں چاہتا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک ابھاگ منشیہ بھوکوں مرتا ہے، دکھ اٹھاتا ہے، اپمان سہتا ہے، بیوی، بچوں کو اپنے سامنے کھانے اور دوا کے بنا دم توڑتا دیکھتا ہے۔ پھر بھی اسے مرنے کی اچھا نہیں ہوتی— آہ، سنسار کے سارے سکھ کھوکر کیول جیون بچا رکھنے میں کون سا مزا ہے— بھگوان، نراشا اور دُکھ میں بھی آتم ہتیا پاپ ہے تو ایک پاپ اور سہی۔ اب میں جینا نہیں چاہتا لیکن اتنی دیا کرو کہ مرنے سے پہلے ایک بار دکھیا سروجنی کو دیکھ لوں اور ایک بار اُس دیوی کے چرنوں میں گر کر اپنے اَپرادھ کی شما مانگ لوں— اس جیون میں تم سے یہی انتم پراتھنا ہے۔

(جاتا ہے)

اَنک ترتیہ — درشیہ پنچم

سدا رنگ کا گھر

(مجرا ہو رہا ہے۔ کامنی گا رہی ہے)

بانکی چھب دکھلائے سندریا، جھومت آئے
جوبنوا کا بھار نہ سنبھلے، لچک لچک بل کھائے
بالا جوبن، چھب متوالی
بات رسیلی، گات نرالی
لٹ کالی ناگن جیسی لہرائے
پیاری انکھیاں مد کی پیالی
گالوں میں پھولوں کی لالی
گوری کے چمبن کو من للچائے

(تماش بین اُٹھ کر جاتے ہیں)

تماش بین 1: واہ واہ، تم تو راگ راگنی کی دھندلی تصویر میں تان پلٹوں سے رنگ بھر دیتی ہو۔

تماش بین 2: جبھی تو اس کلکتے میں ہوڑے سے ٹالی گنج اور مٹیا برج سے دم دم تک جدھر دیکھو انھیں کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ سدا رنگ جی، تم تو بڑے ہی بھاگوان لڑکی کے باپ ہو۔

سدا رنگ: سرکار میں پتا نہیں ان کا گرو ہوں۔

تماش بین3: تو کیا یہ بے باپ کی پیدا ہوئی ہیں۔
کامنی: رنڈی اس جگت میں پتی کہہ کر سب کا آنچل پکڑ سکتی ہے، لیکن پتا کہہ کر کسی کا ہاتھ نہیں تھام سکتی۔ آپ لوگ میرا پالن پوشن کرتے ہیں، اس لیے میں تو آپ ہی لوگوں کو اپنا ماں باپ سمجھتی ہوں۔
سدا رنگ: (نیل کنٹھ سے) دیکھا۔ ہنسی ہنسی میں کانٹا چبھا گئی۔
تماش بین 4: اچھا مہارانی جی، اپنی پرجا کو بھولیے گا نہیں۔

(سب اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں)

نیل کنٹھ: سرکار اب کس دن آیئے گا؟
تماش بین 1: جس دن جیب سے باہر نکلنے کے لیے روپیوں کے پیر میں کھجلی ہوگی۔
کامنی: تب تو سدا رنگ جی پرارتھنا کریں گے کہ آپ کے روپیوں کو کل ہی سے یہ بیماری شروع ہوجائے۔
تماش بین2: بائی جی، جیسی تمھاری صورت سلونی ہے، ویسی ہی تمھاری باتیں بھی چٹپٹی ہیں، تمھیں اپنا نام کامنی کے بدلے کچالو بائی رکھنا چاہیے۔
تماش بین3: روپ لٹاؤ— روپیہ لوٹو— رام رام۔

(سب جاتے ہیں)

سدا رنگ: (بگڑ کر) کیوں جی، تم ہماری دکان چلنے دوگی یا نہیں؟
کامنی: تمھارے ہاتھ میں قینچی بن کر گاہکوں کی جیب کاٹنے میں تمھاری مدد کرتی ہوں، گدھوں کو آدمی سمجھ کر مان دیتی ہوں، کٹھ پتلی کی طرح تمھاری آنکھ کے اشارے پر ناچتی ہوں۔ (غصے سے) اب اور کیا چاہتے ہو؟
سدا رنگ: (نرم ہوکر) میں کہتا ہوں کہ رنڈی بنی ہو تو پوری بنو۔ ہنسی ہنسی میں ایسی باتیں نہ کہہ دیا کرو جس سے پاگل آدمی بھی سیانا بن جائے۔
کامنی: تو کیا تمھارا یہ مطلب ہے کہ میں کسی وقت بھول کر بھی سچ نہ بولوں۔

نیل کنٹھ: عجب کھوپڑی کی عورت ہو۔ ارے سچ بولنے کے لیے ہزاروں لوگ پڑے ہیں۔ میں، یہ، تم تین آدمی سچ نہ بولیں گے تو کیا دنیا کا کام رک جائے گا؟

سدارنگ: چپ چپ۔ سیڑھی پر پیروں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ کوئی اور اسامی آرہی ہے۔

نیل کنٹھ: آپہنچا۔ (سیڑھی کی طرف دیکھ کر) سرکار آیئے نا۔ رک کیوں گئے اور کوئی نہیں ہے۔

سدا رنگ: (چونک کر) یہ تو بنی۔ کیا کرنا چاہیے۔ اندھہ ہوگا جی۔ اس گھر میں تو روز ہی ایسے کھیل ہوا کرتے ہیں۔ (بنی کا پرویش) بابو صاحب، بندگی۔

بنی پرساد: کون؟ سدا رنگ؟ کیا یہ تمھارا ہی ڈیرا ہے؟

سدا رنگ: ہاں بابو جی— یہاں آنے کے چوتھے دن بو بازار میں آپ کے درشن ہوئے تھے۔ اس دن کے بعد آج دیکھا ہے۔ میں کبھی کبھی من میں سوچتا تھا کہ کلکتہ آئے ہوئے دو مہینے ہوگئے اور ابھی تک بنی بابو کی کرپا درشٹی اس گھر کی طرف نہیں ہوئی۔

بنی پرساد: جس دن تم سے ملاقات ہوئی تھی اُس دن میں ہوا بدلنے کے لیے دار جلنگ چلا گیا۔ پرسوں ہی لوٹا ہوں۔ آج شام کو ادھر سے نکلا تو کھڑکی میں بائی جی کے درشن ہوئے (چپکے سے) سدا رنگ خوب مال لائے ہو۔

نیل کنٹھ: ایسے مال کے لیے گاہک بھی آپ ہی جیسا ہونا چاہیے تھا۔ برا جیے۔

بنی پرساد: (بیٹھ کر) بائی جی۔ تمھارا نام کیا ہے؟

کامنی: نگر ناری، رام جنی، کنچنی، چاتر، پتریا، طوائف، بائی جی، یہ سب ہمارے نام ہیں، جس نام سے آپ کا دل خوش ہو، اُسی نام سے پکاریے۔

بنی پرساد: جیسے ناٹک کے اشتہار پر لکھا ہوتا ہے 'چترا بکاولی۔ عرف تاج الملوک' ویسے ہی ان ناموں کے ساتھ تمھارا بھی تو کوئی پھڑکتا ہوا عرف ہوگا۔

کامنی: سدیشی وچار کے لوگ مجھے کامنی بائی اور انگریزی فیشن کے لوگ مس کامنی کہتے ہیں۔

بنی پرساد: اچھا تو کامنی بائی۔ طبلے سارنگی کا کھیت سوکھا پڑا ہے۔ اپنے گلے سے کہو کہ

امرت برسا کر ہرا کر دے۔ (نیل کنٹھ کو دو نوٹ دے کر) ایک وسکی اور آدھا درجن سوڈا لاؤ۔

نیل کنٹھ: اور جو باقی بچے؟

بنی: وہ اپنے اُدھار کھاتے میں جمع کرلو۔

نیل کنٹھ: (دل میں) بھگوان۔ کرپا کرکے روز ایسے ہی الو کے پٹھے بھیجا کرو۔ (جاتا ہے)

سدارنگ: سرکار۔ دو چار پیگ تو گھر میں بھی ہے۔ بوتل آنے تک انھیں سے دل بہلایئے۔

بنی پرساد: تو نکالو نہ۔ واہ واہ۔ تم تو اپنے گھر میں دنیا بھر کا سکھ رکھتے ہو۔ روپ بھی، گانا بھی اور شراب بھی۔

سدارنگ: (کرسی کی طرف اشارہ کرکے) سرکار آیئے۔

بنی پرساد: بائی جی، گلاس تمھیں بھرنا ہوگا۔ گورے گورے ہاتھوں سے ڈھالوگی تو ان متوالی آنکھوں کا نشہ اور گلاس کا نشہ مل کر دو نشہ ہوجائے گا۔

(کرسی پر جاکر بیٹھ جاتا ہے)

سدارنگ: (کامنی سے) جیب میں کئی ہزار کے نوٹ ہیں۔ ایسا پلا کر دھت کرنا کہ نشے کی جھونک میں کوٹ اتار کر دے دے۔ سمجھیں۔ چوکنا نہیں۔

(اندر جاتا ہے)

کامنی: آہا۔ رنڈی کا گھر بھی کیسی وچتر جگہ ہے جیسے لڑائی کے میدان میں ایک سپاہی کے گرتے ہی دوسرا سپاہی آکر اس کی جگہ کھڑا ہوجاتا ہے، ویسے ہی اس روپ اور روپے کی یدھ بھومی میں ایک کے پیچھے دوسرا اپنا گلا کٹوانے کے لیے آپہنچا ہے— اچھی بات ہے۔ اندھو، بیوقوفو۔ آؤ اور مرو۔ یہی تمھارے بھاگیہ میں ہے۔

(سدا رنگ اندر سے بوتل اور گلاس لاکر ٹیبل پر سجاتا ہے)

بنی پرساد: (دل میں) اب اس لالچی ٹٹو کو گھاس دکھانا چاہیے۔ سدا رنگ تم نے ایک

مرتبہ مجھے پانچ سو کا نوٹ اُدھار دیا تھا۔ یاد ہے؟

سدا رنگ: نہیں بابو جی۔ لیکن آپ کہتے ہیں تو دیا ہوگا۔ کہاں دیا تھا؟

بینی پرساد: اُس لوک میں۔

سدا رنگ: یاد آگیا۔ اچھا تو دے دیجیے۔ میری تو عادت ہوگئی ہے کہ روپیہ دے کر بھول جاتا ہوں۔

بینی پرساد: (نوٹ دے کر) یہ لو۔ ہم لوگ تو تمھارے سدا کے قرض دار ہیں۔

(سدا رنگ دوبارہ روپیہ رکھنے جاتا ہے)

بینی پرساد: چمپئی رنگ کی وِسکی اور چمپئی رنگ کی سندری۔ سامنے بھی بسنت اور گلاس میں بھی بسنت— رمنی پیو۔

کامنی: میں نے آپ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے بوتل اور گلاس کو ہاتھ سے چھوا ہے، کنتو ہونٹوں سے کبھی نہیں چھوا، اس لیے شما کیجیے۔ گلاس کا سکھ میرے بھاگیہ میں نہیں ہے۔

بینی پرساد: اِدھر دیکھو— یہ معلوم ہوتا ہے کہ گلاس میں پگھلا ہوا سونا جھل جھل کر رہا ہے— جانتی ہو یہ کیا چیز ہے؟

کامنی: بے سمجھ کے لیے امرت اور سمجھ دار کے لیے زہر— گلاس کا اُجالا اور آتما کا اندھیرا— شروع میں نشہ اور انت میں پاگل پن۔

بینی پرساد: جب تم پیتی ہی نہیں تو لوگوں کو خوش کس طرح کرتی ہوگی؟ کیا تمھیں سدا رنگ نے یہ نہیں سمجھایا کہ گھر میں روپ، پریم، سکھ ہوتے ہوئے بھی ہم لوگ گھر کی استری کو چھوڑ کر رنڈی کے ڈیرے پر کیوں آتے ہیں؟

کامنی: جانتی ہوں۔ آپ لوگ ناز نخرے، لپٹ جھپٹ، ہاہو، پینے، جھومنے کا مزا چاہتے ہیں اور یہ سب مزے رنڈی ہی کے گھر میں مل سکتے ہیں۔ گرہستی کے پوتر مندر میں نہیں مل سکتے۔ گھر کی استری پریم کرسکتی ہے لیکن ہماری طرح نرلج نہیں بن سکتی— سر جھکا کر باتیں سن سکتی ہے، لیکن بھویں ٹیڑھی کرکے تم یا تو

نہیں کہہ سکتی۔ پتی کے پاؤں دبا سکتی ہے لیکن رنڈی کی طرح پتی کو لات نہیں مار سکتی۔ پھر آپ لوگ گھر کی استری سے کیسے خوش رہ سکتے ہیں؟

بنی پرساد: (تعجب سے) کیا— یہ ایک ویشیا بول رہی ہے؟

کامنی: بابو صاحب۔ آپ بھی اپنی جیب کے پیسوں کا مزا لینے اور اس روپ سے کھیلنے کے لیے میرے گھر میں آئے ہیں۔ کھیلیے۔ مزے میں ڈوبا ہوا پاپ کا کھیل رنڈی ہی کے گھر میں کھیلا جاسکتا ہے۔

بنی پرساد: میں نے کوٹھے پر بیٹھنے والیوں کے منھ سے ایسی ولاپ ملی ہوئی ہنسی کی باتیں کبھی نہیں سنیں۔ تمھارے وچاروں سے پرکٹ ہوتا ہے کہ تم رنڈی ہوکر بھی رنڈی کے دھندے کو سکھ کا دھندا نہیں سمجھتیں۔

کامنی: رنڈی اور سکھ۔ بابو صاحب۔ رنڈی کے اوپری ٹھاٹھ پر دھوکا نہ کھائیے— رنڈی کا دل چیر کر دیکھیے تو آپ کو دکھائی دے گا کہ اس کے ہردے میں سکھ کی ترنگوں کی جگہ نراشا کی آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسوؤں کا پرواہ بہہ رہا ہے اور اس پرواہ میں بنا جلادی ہوئی غریب کی لاش کی طرح پرلوک کی ارتھی تیر رہی ہے— اُس کی چھاتی لوہار کی دھونکنی کی طرح ہر وقت دُکھ کے گرم سانسوں سے بھری رہتی ہے۔ ان کے ہونٹ ہنستے لیکن دل رویا کرتا ہے۔

بنی پرساد: کامنی......

کامنی: استری کا سکھ دھرم میں ہے۔ ستیہ میں ہے، لاج میں ہے، ماتا، پُتری اور پتنی کی پدوی میں ہے، ویشیا شبد میں نہیں ہے۔ سونے کے زیور، ریشم کے کپڑے، طبلے سارنگی کی آواز اور کامی پُرشوں کے ٹھٹھوں سے گونجتے ہوئے گھر کے سوا رنڈی کے لیے اس سنسار میں اور کیا رکھا ہے— سہانو بھوتی نہیں، مان نہیں، سماج نہیں، دھرم نہیں، مکتی نہیں، سورگ نہیں— اوہ، دِھکار ہے، اُس نرلج پاپی پر جس سے ویشیا کا جنم ہوتا ہے۔

بنی پرساد: (کرسی سے اٹھ کر) سندری۔ تیل پانی کی طرح جب تمھارے پیشے اور تمھارے وچار میں میل نہیں ہوسکتا، تب تم اس دھندے اور اس گھر کو کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟

کامنی: کہاں جاؤں؟ کس سے شرن مانگوں؟ بھکاری کو نیچ، نرلج کہنا اور بھیک دینے کے بدلے گالی اور جھڑکی دے کر چلے جانا سب جانتے ہیں، کنتو دیا کرنا کون جانتا ہے؟ بھارت کا ورتمان سماج جج بننا چاہتا ہے۔ لیکن نیائے کرنا نہیں چاہتا۔ ایک پاپی، کامی، لمپٹ پُرش دھن سے، بل سے، چھل سے، ایک ابھاگنی استری کی لاج اور دھرم لوٹ لیتا ہے لیکن اس ڈاکو کو لات مار کر نکال دینے کے بدلے سماج میں بیٹھنے کے لیے کرسی دی جاتی ہے اور جس استری کا لوک پرلوک سب کچھ لٹ گیا، اُسے سماج اپنے دروازے پر بیٹھ کر رونے کی بھی آگیا نہیں دیتا۔ اس سماج کا یہی نیم ہے کہ چور سوتنتر ہوکر اینڈتے پھریں اور جن کی چوری ہوئی وہ دنڈ بھوگیں۔

بینی پرساد: تمھارے پاس کویل کا گلا، اپسرا کا روپ، دارشنکوں کی بُدھی، ساہتیہ کاروں کی بھاشا، کویوں کا بھاو سب کچھ ہے۔ آج کل جب مٹی تک بک جاتی ہے تو کیا سونا گاہک بنا پڑا رہ سکتا ہے۔

کامنی: تو؟

بینی پرساد: تمھاری اچھا ہو تو میرے گھر میں تم میری استری بن کر رہ سکتی ہو (پاس جاکر) پر یہ ہردیشور بولو— میری استری بنو گی؟

کامنی: استری!!!

بینی پرساد: ہاں، استری۔ وچن لینے سے وشواس ہوسکتا ہے تو لاؤ— اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دو (کلائی پکڑ کر) اس گوری کلائی کے سفید پیپر پر چمبن کے اکشروں میں لکھ دیتا ہوں کہ میں آج سے تمھارا پتی ہوں۔ یہ پتی کا پہلا چمبن۔

(جھک کر کلائی چومنا چاہتا اور چونک پڑتا ہے)

یہ کیا— بی اور پی— وہی اکشر— تم— تم— کون ہو؟

کامنی: اور کون ہوں؟ روپ کی دکان میں کام کے ہاتھوں سے بنی ہوئی نرلجتا کی مورتی۔ پاپ کے پرنام کی گھرنت پرتیما۔

بینی پرساد: اُف، ایشور کا نیائے کتنا کٹھور ہے۔ میں نے وچار بھی نہیں کیا تھا کہ ایک دن میرا ہی پاپ میرے سر پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑے گا— مگر نہیں۔ کداچت یہ میرا بھرم ہو۔ ابھاگنی سچ بول تو کس کی لڑکی ہے؟

کامنی: کئی بار پوچھا۔ لیکن ہر بار سدا رنگ نے یہی اُتر دیا کہ میں نے کال کے سمے، تمھارے غریب باپ سے تمھیں سو روپے میں مول لیا تھا۔ یہ بات جھوٹی ہو تو آشچریہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جن کا پیٹ ہی جھوٹ کے ٹکڑوں سے پلتا ہے، وہ سچ کیسے بول سکتے ہیں؟

بینی پرساد: یہ کیا۔ یہ کیا۔ گھرنا اور دھکار کی آوازیں کہاں سے آنے لگیں؟ ہردے پاگل بن کر باہر نکل پڑنے کے لیے چھاتی کے کواڑ توڑے ڈالتا ہے۔ دھرتی پر نرک ناچتا ہوا دکھائی دے رہا ہے— ابھاگے پاپی—

(گر پڑتا ہے)

کامنی: یہ کیا؟— مانو بہتی ہوئی ندی ایک چھن میں سوکھ گئی— اٹھیے۔

بینی پرساد: کام لتا— کام لتا۔ تو ایک ویشیا تھی۔ پھر بھی تو نے اپنے پاپی ہونٹوں سے جو بھوشیہ وانی کی تھی— وہ آج پوری ہوگئی— نرک سے آ— اور دیکھ تیری کوکھ سے جنم لینے والی کنیا رنڈی کے روپ میں اپنے باپ کے سامنے کھڑی ہے— اور اس کا پاپی باپ اُسے دیکھ کر لاج کے آنسوؤں میں ڈوبا جارہا ہے۔

کامنی: کیا۔ کیا، آپ میرے پتا ہیں؟ سر کیوں جھکا لیا؟ اوہ جان گئی۔

بینی پرساد: شرم گلا گھونٹے دے رہی ہے۔ کامنی نہ پوچھ۔ کس منھ سے ہاں کہوں؟

کامنی: کل وان پتا جی۔ اُسی منھ سے ہاں کہیے جس منھ سے ابھی اپنی کنیا کو استری کہہ رہے تھے۔ اسی منھ سے ہاں کہیے، جس منھ سے بیٹی کی لاج خریدنے آئے تھے۔ پہلے دَھن کا ناش اور پھر عزت کا ناش۔ ویشیا گامیوں کو اپنے بوئے ہوئے بیج سے انت میں یہی دو پھل ملا کرتے ہیں۔

بینی پرساد: آہ، میں نے پاپ کے راستے پر چلنے سے پہلے ان پیروں کو پتھر سے کیوں

نہیں کچل ڈالا۔ پرائی استری کے روپ کو دیکھنے سے پہلے ان آنکھوں میں آگ کے اندر تپائی ہوئی سلائی کیوں نہ پھیر دی۔ جس دنیا میں تھوڑی دیر پہلے ہنسی، روپ، گانا، نشہ اور سکھ دکھائی دیتا تھا، اب دھکار اور شرم کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

کامنی: شرم، شرم، گھر کی پریم مئی دیوی کا دل توڑتے ہوئے شرم نہ آئی۔ جیب کے روپیوں سے جیون کے مندر میں آگ لگاتے شرم نہ آئی۔ بھکتی تک کے آگے ہاتھ پھیلانے والی ویشیا سے جھوٹے پریم کی بھیک مانگتے شرم نہ آئی۔ اب شرم آتی ہے۔ یدی پہلے سے شرم ہوتی تو آج اس اُجلے منھ پر دکھ اور دھکار کی کالک کبھی نہ دکھائی دیتی۔

بنی پرساد: سچ کہتی ہے۔ پیسے، جوانی اور ویشیا کے روپ کے نشے سے پاگل ہوکر کامی پُرش کیول آج کا سکھ دیکھ سکتے ہیں، کل کا پریتام نہیں سوچتے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ جس گھر میں باپ جاتا ہے، وہاں بیٹا بھی جاسکتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ جسے دھوکے میں ویشیا کی کنّیا سمجھتے ہیں وہ حال کھل جانے پر بہن اور بیٹی بھی پرمانت ہوسکتی ہے— ابھاگنی۔ پیدا ہونے کے ساتھ ہی تیرا گلا گھونٹ کر میں نے تجھے کیوں نہ مار ڈالا، پھانسی ہوجاتی۔ لیکن کام وَش ہوکر اپنی کنیا کے گال کا چمبن لینے، باپ ہوکر بیٹی کو ہردیشور اور رمنی کہنے کے دکھ سے پھانسی کا دُکھ زیادہ نہ ہوتا۔

(سدا رنگ کا پرویش)

سدا رنگ: کامنی—

(بنی پاگلوں کی طرح دوڑ کر اس کی کلائی پکڑتا ہے)

بنی پرساد: نیچ۔ ادھم۔ راج کنور کی مرتیو کے آٹھ دن بعد تو نے مجھے ڈھاکے تار دیا تھا کہ تمھاری لڑکی نمونیا سے مرگئی۔ کلکتہ آنے کے بعد بھی مجھے یہی وشواس

دلایا۔ لیکن اِدھر دیکھ۔ آج وہی مری ہوئی لڑکی۔ بول بول تو نے کس جنم کی دشمنی کا مجھ سے بھیشن بدلہ لیا— بیچ بولتا کیوں نہیں؟

سدا رنگ: لوبھ اور سوارتھ نے ہماری پرکرتی بدل دی ہے۔ اسی سے ہم لوگ پرائی کنیا کیا، اپنی بہن، بیٹیوں تک کی عزت اپنے سکھ کے لیے دوسروں کے ہاتھ بیچ ڈالتے ہیں۔ یہ ہمارا نہیں، ہماری پرکرتی کا دوش ہے— شما کیجیے۔

بنی پرساد: شما۔ شما۔ ایک بالکا کا جیون، ایک گرہست گھر کا گورو، ایک کل کی مریادا، ایک پُرش کی سکھ شانتی کا ناش کر کے شما مانگتا ہے۔ شما کیول اُس کے لیے ہے جس سے دھوکے اور بھول میں کوئی اَپرادھ ہوجاتا ہے۔ جان بوجھ کر اَپرادھ کرنے والے کے لیے شما نہیں دنڈ ہے۔ اور تیرا دنڈ مرتیو ہے۔ (جیب سے پستول نکال کر) کتے مر (گولی مار دیتا ہے) اس پاپی جگت میں ویشیا اور ویابھی چار کی کمی نہیں ہے۔ تو بھی مر (کامنی کو بھی مار ڈالتا ہے) سب شیش ہوگئے۔ پاپ کا ناٹک ہنسی سے شروع ہوا اور آنسوؤں پر سماپت ہوگیا۔ ایک پاپ کے دروازے پر مری۔ ایک نرک کی گود میں مرا۔ ایک پھانسی کے تختے پر مرے گا۔ ویشیا اور ویشیا گامیوں کا انت میں یہی پرینام ہوتا ہے۔

(پاگلوں کی طرح دروازے کی طرف بھاگتا ہے)

انک ترتیہ — درشیہ ششم

راستہ

(ایک اور سے جنگل اور دوسری اور سے کندن کا پردیش)

جنگل کشور: دغاباز پاپ۔ منشیہ کے سامنے پہلے سکھ بن کر آتا ہے، پھر ہائے ہائے کے بھیس میں دکھائی دیتا ہے اور انت میں مرتیو اور نرک کا روپ دھارن کرلیتا ہے — روگی کی دوا، دکھ کی شانتی، نراشرے کا سہارا، چنتاشیا پر سکھ کی میٹھی نیند، مرتیو ہی ہے۔ آمرتیو۔ آ۔ تو منشیہ کو ڈھونڈھتی ہے۔ آج ایک ابھاگا منشیہ تجھے ڈھونڈھتا ہے۔ (چل کر رک جاتا ہے) اُف بھوک سے چلانہیں جاتا — ہا — جس ہاتھ سے ایک دن کتنے آدمی پلتے تھے آج وہی ہاتھ اپنے ہی شہر میں ایک روٹی کے ٹکڑے کے لیے دوسروں کے آگے پھیلانا ہوگا۔ اس جنم کی کرنی کا پھل اسی جنم میں مل رہا ہے۔ ایشور اُدھار نہیں رکھتے۔

کندن: (اپنے آپ بڑبڑاتا ہے) سارا جگت کہتا ہے کہ سکھ دھرم میں ہے۔ کنتو

جنگل کشور: (آگے بڑھ کر) شریمان۔

کندن: کون؟

جنگل کشور: تین دن کا بھوکا۔

کندن: کیا چاہتا ہے؟

جنگل کشور: دیا۔

کندن: دیا؟

جگل کشور: تھوڑا اَنّ یا دو چار پیسے۔

کندن: تو بیمار، بوڑھا، اپاہج نہیں ہے، ہاتھ پاؤں کے ہوتے ہوئے بھیک مانگتا ہے۔ جا محنت مزدوری کر۔

جگل کشور: تو کیا کچھ بھی سہایتا نہ کیجیے گا؟

کندن: غریبی اور دکھ میں آدمی کی سہایتا اُس کی جیب کے روپے کرتے ہیں اور کوئی نہیں کرتا۔

جگل کشور: سچ کہتے ہو۔ مجھے بھی پیسہ کھونے کے بعد معلوم ہوا کہ سنسار بڑا ہی سوارتھی ہے۔ منشیہ کے لیے دو ہی اپنے سوارتھ کا بلیدان کرسکتے ہیں۔ بچپن میں ماتا اور جوانی میں پتی بھکت استری اور دو ہی سچے سہایک ہیں۔ اس لوک میں پیسہ اور اُس لوک میں دھرم۔

کندن: تو کرم سے بھکاری ہوگیا ہے، جنم کا بھکاری نہیں معلوم ہوتا۔ نشچے تیرے پاس بھی کبھی پیسہ تھا۔

جگل کشور: نہیں مہاشے۔ غریب بھی کبھی کبھی سوپن میں اپنے کو امیر دیکھ لیتا ہے— میں نے بھی— ایسا ہی سوپن دیکھا تھا۔

کندن: یہ سوپن کی بات تھی؟

جگل کشور: آپ کو آشچر یہ کیوں ہوتا ہے۔ سارا سنسار ہی کھلی آنکھوں سے سوپن دیکھ رہا ہے۔ دکھ، سکھ، امیری، غریبی، آشا، نراشا، مان، اپمان، یہ سب سوپن کی وستو ہیں۔ جب تک آنکھ کھلی ہے، دکھائی دے رہے ہیں۔ جب آنکھ بند ہوجائے گی، کچھ دکھائی نہ دے گا۔

کندن: تو کہاں رہتا ہے؟

جگل کشور: جہاں ست یگ میں پُنیہ رہتا تھا اور اس کلیگ میں پاپ رہتا ہے۔

کندن: ارتھات؟

جگل کشور: اسی دھرتی پر— اچھا جاتا ہوں۔ غریبی ایک بھیانک بیماری ہے۔ دین دکھیوں کی چھایا سے اسی طرح بچتے رہنا۔

(جاتا ہے)

کندن: یہ کون تھا؟ جیسے کہیں دیکھا ہو۔ ٹھہرو۔ سوچوں تو۔ پہچان لیا۔ وہی ہے۔ نیچے یہ جنگل تھا۔ دکھ نے اس کی صورت، اور بیماری بڑھاپے نے میری صورت بدل دی ہے، اس لیے ہم دونوں ایک دوسرے کو نہ پہچان سکے لیکن اتنا ساہس، کیا یہ نہیں جانتا کہ پولس نے اس کی گرفتاری کے لیے پانچ ہزار کا اشتہار دیا ہوا ہے۔ (سوچتا ہے) پانچ ہزار، لوں یا چھوڑ دوں؟ لوبھ کھینچتا اور دھرم روکتا ہے۔ نا۔ کیول دیالو کہلانے کے لیے اتنا دھن نہیں چھوڑا جاسکتا۔ میں ضرور پولس کو خبر دوں گا۔ دھرم میرے راستے سے ہٹ جا۔

(کندن بھی چلا جاتا ہے)

انک ترتیہ — درشیہ سپتم

درگا دیوی کا مندر — مندر کے پیچھے گنگا کا درشیہ

(سروجنی دو سکھیوں کے ساتھ مندر کی چوکھٹ پر کھڑی ہوئی ہے۔
سادھوی استریاں بھجن گاتی ہوئی مندر کے سامنے سے جاتی ہیں)

کیوں تو ہے جیون کا ابھیمان ہے
ہے مورکھ جیون سوپن سمان ہے
دو ہی دن کا یہ سکھ سمان ہے
یہ سنسار مسافر خانہ، کیوں تو نے اس کو اپنا جانا؟
میرا انتم گھر شمشان ہے
گیان رتن کو مت کر مندا، جیون ہے اک گورکھ دھندا
موہ لوبھ کا توڑ دے پھندا۔
کر لے کچھ اس دیہہ میں جب تک پران ہے
جگ ہے چلتی پھرتی چھایا۔ دکھ سکھ کا ہے کھیل بنایا
سب کو ٹھگتی ٹھگنی مایا
جو اس کے چھل کو سمجھے وہی سجان ہے

سکھی 1: کیسا مدھر بھجن — کتنی گمبھیر، اُچ، بھاو پورن کویتا۔

سروجنی: بھاشا، اُپما، النکار کی سہایتا سے شبدوں کا نرجیو ڈھانچا بنا دینے، کام اور روپ، ورشا اور بسنت، ملن اور ویوگ کا چتر کھینچنے، چھند اور پراس کی جھنکار سے ہردے

کی پشو ورتیوں کے جاگرت کر دینے کا نام کویتا نہیں ہے— جسے سن کر بجتی ہوئی وینا کے کانپتے ہوئے تاروں کے سمان روم روم پریم اور سیوا کی پکار سے گونج اٹھے، وہی کویتا ہے— اور جو ہردے کو اُتساہت، دویک کو پوتر، چرتر کو اُجول، دھرم، کرتویہ اور منشیہ جیون کو کرم کے سانچے میں ڈھال کر ایک کردے وہی کوی ہے۔

سکھی 2: سروجنی بہن، تمھاری باتیں سننے سے دھرم کا پیار بڑھ جاتا ہے، کل بھی پوجا کرنے آؤ گی نا؟

سروجنی: میں تو ہر روز دونوں سے دیوی کے چرنوں میں پرنام کرنے آتی ہوں۔

سکھی 1: تمھارا اُداس مرجھایا ہوا مکھ دیکھ کر نردئی سے نردئی منشیہ کی ہنسی بھی آنسو بن جاتی ہے۔ دیوی تمھیں سکھی کریں۔

سروجنی: بہن یدی تم چاہتی ہو کہ میرے اندھیرے سنسار میں پھر سے سوریہ اُدے ہو۔ پرکرتی کے ہونٹوں پر پھر ہنسی دکھائی دے— پھول پتے پھر گانے لگیں— دھرتی پر سنگیت اور سگندھ کا پھر ڈھیر لگ جائے تو میرے لیے نہیں، میرے پتی کے سکھ کے لیے پرارتھنا کرو— میں بھی رات دن انھیں کے سکھ کی پرارتھنا کرتی رہتی ہوں۔

سکھی 2: اور اپنا سکھ نہیں چاہتیں؟

سروجنی: جب سوریہ نارائن گرہن سے چھوٹ کر پہلے کی طرح پورے تیج سے چمک اٹھتے ہیں، تب ساتھ ہی دھندلی مَلِن دھرتی بھی جگمگا اٹھتی ہے۔ پتی کا سکھ بھی استری کا سکھ ہے۔ جس سے ناری ہاتھ جوڑ کر بھگوان سے پتی کا سکھ مانگتی ہے تو مانو وہ اپنے سکھ کے لیے پرارتھنا کرتی ہے۔

(تینوں مندر میں جاتی ہیں۔ جنگل کا بھوک سے لڑکھڑاتے ہوئے پرویش)

جنگل کشور: آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہے۔ مانو بھوک کی آگ سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔ کس سے مانگوں؟

(سروجنی پوجا کرکے سکھیوں کے ساتھ گھر کی طرف جاتی ہے۔ جنگل بنا پہچانے بھیک کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے)

جنگل کشور: دیویو— اُف۔

(پاؤں لڑکھڑاتے ہیں اور دھرتی پر بائیں ہاتھ کا سہارا لےکر سر جھکائے بیٹھ جاتا ہے)

سکھی 1: ارے بیچارہ گر پڑا۔
سکھی 2: کچھ مانگنا چاہتا ہے۔
سروجنی: ہائے ہائے، بہت دکھی جان پڑتا ہے۔
سکھی 1: سنسار میں سبھی دکھی ہیں۔ آؤ بہن۔
سروجنی: نا۔ کسی رستہ چلتے کو سانپ ڈس لے تو کیا اُسے تڑپتا چھوڑ کر چلا جانا منشیہ کا دھرم ہے؟ اور پھر ہم تم تو ناری ہیں۔ ناری کا جنم ہی پریم، دیا اور سیوا کے لیے ہوا ہے (جنگل سے) تم کون ہو؟
جنگل کشور: (سر جھکائے ہوئے) دُکھی، ابھاگا، کنگال، تیز .ن کا بھوکا۔ ہوسکے تو دیا کرو۔
سروجنی: میں یہاں پوجا کرنے آئی تھی۔ گھر ہوتا تو تمھاری یتھیشٹ سیوا کرکے اپنے بھاگیہ کو دھنیہ کہتی۔ یہ لو۔

(پیسے دیتی ہے)

جنگل کشور: (سروجنی کی طرف دیکھ کر) دیوی تمھارا منگل ہو۔
سروجنی: (چونک کر) یہ کون؟ تم کون ہو؟ بولو۔ بولو۔ کیا میں دُکھ کے کالے بادلوں میں اپنے سوبھاگیہ کے چندرما کو دیکھ رہی ہوں۔
جنگل کشور: وہی روپ، وہی آواز— سروجنی......
سروجنی: (پہچان کر) دیوتا— ہردیشور۔

(جنگل کے چرنوں پر گر پڑتی ہے)

جنگل کشور: آہ، ابھی تک وہی پریم، وہی بھکتی— دکھیا ابھاگنی۔

(اٹھاتا ہے)

سروجنی: (پاگلوں کی طرح) اوہ، میں کہاں ہوں۔ دھرتی پر یا سورگ میں؟ یہ برسات کی دھوپ ہے یا اُدے ہوتے ہوئے پربھات کا اُجالا ہے— ایشور اس جاگرت کے سکھ سے درشیہ کو پھر سوپن نہ بنا دینا— سوامی— ناتھ۔

(جنگل کے کندھے پر سر رکھ کر خوشی کے آنسو بہانے لگتی ہے)

جنگل کشور: سروجنی۔ میں نے اب سمجھا کہ پرماتما نے بھارت کی پتی ورتا استریوں کا ہردے دیولوک کی پوترتا اور گنگا جل کے پُنیہ سے بنایا ہے۔ ایک دن تم ہاتھ جوڑ کے مجھ سے پتی کے کرتویہ اور دیا کی بھکشا مانگ رہی تھیں۔ آج لاج اور دھکار میں ڈوبا ہوا تمھارا پاپی پتی ہاتھ جوڑ کر تم سے اپنے اُپرادھ کی شما مانگتا ہے— دیوی مجھے شما کی بھیک دو۔

(جنگل سروجنی کے پیروں پر گرنا چاہتا ہے۔ سروجنی گھبرا کر روکتی ہے)

سروجنی: نہیں، ناتھ، مجھے پاپی نہ بناؤ— میری مانگ بارہ برس سے اُجڑی پڑی ہے۔ لاؤ اپنے چرنوں کا رج دو۔ میں اپنے مانگ میں سہاگ کا سندور لگاؤں گی— پربھو— سوامی۔

(جنگل کے پیروں پر سر جھکاتی ہے۔ پولس کے ساتھ کندن کا پرویش)

کندن: وہ دیکھو— یہ رہا ابھاگا خونی— اسی کا نام جنگل ہے۔

افسر: (سپاہی سے) گرفتار کرلو۔

(سپاہی جنگل کو پکڑتے ہیں)

سروجنی: (گھبرا کر) یہ کیا— یہ کیا؟ (روک کر) ٹھہرو۔ کیا میرا پھوٹا ہوا بھاگیہ ان

آنکھوں کے آنسو سوکھنے نہیں دے گا۔ انھیں کیوں پکڑتے ہو؟

افسر: بارہ برس ہوئے، یہ کام لتا نامی رنڈی کا خون کرکے بھاگ گیا تھا۔

کندن: اور اس لیے پولس نے اشتہار دیا تھا کہ اس کے گرفتار کرنے والے کو پانچ ہزار انعام دیا جائے گا۔

سروجنی: اور اس پانچ ہزار کے لیے تم دیا دھرم والے بھارت میں جنم لے کر ایک ابھاگے کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کے خوش ہونا چاہتے ہو۔ کیا منشیہ کے پران سے پانچ ہزار چاندی کے ٹکڑے زیادہ قیمتی ہے؟ ان پاپ کے روپیوں سے تم پُنیہ، یش، مکتی، سورگ کون سی چیز خرید سکتے ہو؟ (افسر سے) دیا کرو۔ دیا کرو۔

افسر: ہم دیا نہیں کرسکتے، کیونکہ نیائے کے نوکر ہیں۔

سروجنی: نہیں، یہ نہ کہو، ایسا کون نردئی ہے جس نے اپنے سارے جیون میں ایک بار بھی کسی بھکاری کو بھیک نہ دی ہو— ناتھ، تم بھی دیا مانگو۔

جگل کشور: میں نے اپنے کل کی عزت پر دیا نہیں کی۔ اپنے روپیے اور سکھ پر دیا نہیں کی، تیری آنکھ کے آنسوؤں پر دیا نہیں کی۔ اب کس منھ سے دیا مانگوں۔ منشیہ اور ایشور مجھ پر کوئی دیا نہیں کرسکتا۔

افسر: ہتھکڑی لگاؤ۔

سروجنی: ٹھہرو— سنسار میں ایشور کے بعد ان سے زیادہ مجھے اور کوئی پیارا نہیں۔ میں انھیں کی سوگندھ کھاکے کہتی ہوں کہ یہ نردوش ہیں۔

افسر: یہ نردوش نہیں، خونی ہے۔

(پاگلوں کی طرح بینی کا پرویش)

بینی پرساد: خونی۔ کس نے خونی کہا۔ تم نے؟ میں پولس کمشنر کی کوٹھی پر اپنے کو گرفتار کرانے ہی جارہا تھا۔ اچھا تم یہیں گرفتار کرلو— لاؤ ہتھکڑی۔

افسر: یہ کیا کہہ رہا ہے؟

جنگل کشور: (پہچان کر) کون؟ بنی۔

بنی پرساد: یہ کیا؟ میں کسے دیکھ رہا ہوں؟ تم! تم!!

جنگل کشور: ہاں جو تم سمجھے ہو، میں وہی ہوں۔ جس دن سے تم سے میری دوستی ہوئی — جس دن تم نے مجھے گھر کی ستی کو دھوکا دینا سکھایا۔ جس دن تم مجھے پہلی مرتبہ ہاتھ کھینچ کر ویشیا کے کوٹھے پر لے گئے۔ اُس دن میرے پاپی جیون کا پہلا سویرا ہوا تھا اور یہ دَشا میرے پاپی جیون کی آخری رات ہے۔ وہ پاپ کا اُدے تھا اور یہ پاپ کا انت ہے۔

افسر: دیر ہورہی ہے (جنگل کی طرف اشارہ کرکے) لگاؤ ہتھکڑی۔

بنی پرساد: ہتھکڑی۔ اسے کیوں؟

افسر: اس نے کام لتا رنڈی کا خون کیا ہے۔

بنی پرساد: جھوٹ ہے۔ اس نے خون نہیں کیا۔

افسر: پھر اور کون خونی ہے؟

بنی پرساد: جس نے دھرم اور دوستی کا خون کیا ہے — کام لتا کا خونی -- میں ہوں۔

افسر: تم؟

جنگل کشور: بنی یہ کیا؟

بنی پرساد: یہ میرے اَن گنت پاپوں کا تُچھ پرائشچت ہے۔

افسر: (بنی سے) خون تم نے کیا ہے؟

بنی پرساد: ایک نہیں تین خون — دو آج — اور ایک بارہ برس پہلے۔

افسر: یہ سویم خونی ہونا سویکار کرتا ہے۔ اسے بھی گرفتار کرلو۔

(بنی کو ہتھکڑی پہناتے ہیں)

کندن: ارے اسے بھی تو باندھو — کیا دوسری ہتھکڑی نہیں ہے؟

افسر: اسے بھی لے چلنا ہوگا — لیکن (بنی کی طرف اشارہ کرکے) اس نے عدالت میں یہی بیان دیا تو یہ (جنگل کی طرف اشارہ کرکے) چھوٹ جائے گا۔

کندن: چھوٹے گا تب چھوٹے گا۔ ابھی تو باندھو۔ ہتھکڑی نہ ہو تو لو، میرے دوپٹے سے کس لو۔

بنی پرساد: چپ، کیا بک رہا ہے؟

کندن: تم نہ بولو — تم تو پاگل ہو — خود بھی ڈوبے اور میرے بھی پانچ ہزار ڈبائے۔

سروجنی: ہتیارے، تجھے ایک منشیہ کی جان کی پروا نہیں ہے لیکن پانچ ہزار کی پروا ہے۔

کندن: ارے اس دنیا میں پانچ ہزار منشیہ تو روز پیدا ہوتے ہیں لیکن پانچ ہزار روپے ایک دن میں پیدا نہیں ہوتے۔

افسر: ارے تو بڑا لوبھی ہے — دھکار ہے تیرے لوبھ پر۔

کندن: یہ لو — میں نے تو اسامی کو دھروا کر یہ چاہا تھا کہ تمھارا عہدہ بڑھ جائے — اور تم روپیہ دلانے کے بدلے مجھے دھکار دینے لگے۔ اسی سمجھ پر پولس کی نوکری کرتے ہو؟

افسر: چپ رہو۔ میرا اپمان کرتے ہو؟ (سپاہی سے) کیوں جی اس کے گھر میں کوکین بکتی ہے نا؟

کندن: باپ رے، یہ تو مجھی سے پانچ ہزار لے مرنا چاہتا ہے۔ مہاشے کندن لال جوتا ہاتھ میں لو اور بھاگو۔

(جانا چاہتا ہے۔ سامنے سے دو سپاہیوں کے ساتھ مادھو کا پرویش)

مادھو: ٹھہرو۔ (سپاہیوں سے) یہی ہے کندن لال۔ لگاؤ ہتھکڑی پاجی کو۔

کندن: (سپاہیوں سے) ارے یہ کیا کررہے ہو۔ پہچانو۔ آدمی تو نہیں بھول گئے — بھائیو، میں نے کیا پاپ کیا ہے؟

مادھو: (کندن سے) دھرماتما جی، تمھارا یہی پاپ ہے کہ تم سارا جیون پُنیہ کرتے رہے۔ (سپاہی کے ہاتھ سے لے کر) اس کاغذ کو پہچانتے ہو؟

کندن: یہ کیا ہے؟

مادھو: اس کا بہت چھوٹا، ننھا، پیارا، میٹھا، رس اور سُر میں ڈوبا ہوا نام ہے۔ عدالت

کا وارنٹ۔

کندن: (لمبی سانس لے کر آشچریہ سے) ہائیں۔

مادھو: ہاں۔ اُس برہمن کی کھوئی ہوئی رسید مل گئی اور اسی رسید کو دیکھ کر مجسٹریٹ نے حکم دیا ہے کہ مہاشے کندن لال اپنے مکھ کے تیج سے حوالات کی کوٹھری میں اُجالا پھیلائیں۔

کندن: ہائے ہائے۔ ڈ۔ ڈوب گئی لٹیا۔ اُف میرا دم گھبرانے لگا— مجھے چھوڑ دو— نہیں چھوڑتے تو اچھا مجھے بیٹھ جانے دو—

(بے سدھ ہوکر زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ مادھو مڑکر دوسری طرف دیکھتا اور چونکتا ہے)

مادھو: پولس! بنی!! ہتھکڑی!!! اور دوسری طرف ایک ابھاگنی (جگل کو دیکھ کر) اور— اور— پھر

جگل کشور: پیارے مادھو۔

مادھو اوہ پہچان لیا— بھائی۔

(دوڑ کر گلے ملتا ہے)

بنی پرساد: جگل، بہن سروجنی اور مادھو۔ میں نے کام لتا کی پران ہتیا کرکے جن ہونٹوں سے ایک نردوش پر خون کا آروپ لگایا تھا، آج انھیں ہونٹوں سے اُس پاپ کا پرائشچت کرنے کے لیے اپنا خونی ہونا سویکار کرلیا۔ پھانسی کے تختے سے موت کے اتھاہ اندھیرے میں گرنے کے بعد دنیا مجھے بھول جائے گی۔ دیا کرکے تم بھی میرے پچھلے اَپرادھ کو بھول جانا۔

کندن: (اُٹھ کر) ہاں۔ مادھو مہاشے۔ دوسروں کا اَپرادھ بھول جانا ہی سب سے بڑا پُنیہ ہے۔ دیکھو لین دین میں بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔ میں اُس برہمن کے روپیے بیاج سہت دینے کو تیار ہوں۔ میرا اَپرادھ بھی بھول جاؤ۔

مادھو: تم آج تک بیاج کے روپیوں کے لیے سینکڑوں کو جیل بھیج چکے ہو۔ ذرا تم

بھی تو جاکر دیکھو کہ جیل کے اندر کیسی دنیا بستی ہے۔

بنی پرساد: جگل۔ آندھی میں اُڑ گئے ہوئے بادل کے محل کی طرح اب میرا سکھی جیون مجھے واپس نہیں مل سکتا۔ لیکن تم پچھتاوے کے آنسوؤں سے پرائشچت کے پودے کو سینچ کر اس سے پھر سکھ کا پھل پراپت کرسکتے ہو۔ سنو۔ میں نے ہی تمھیں یہ سکھایا تھا کہ روپ اور کام کے وش ہوکر مشیہ کی طرح اپنی جوانی، روپیے اور گھر کے سکھ کا ستیاناس کرسکتا ہے — اور آج میں ہی یہ شکشا دیتا ہوں کہ کامی پُرشوں کی دوستی سے دور رہنا۔ جوانی کے نشے میں دھرم اور کرتویہ کو ٹھوکر نہ مارنا۔ اس چھل کپٹ سے بھرے ہوئے سنسار میں اپنے گھر کی استری ہی کو جیون کا سچا ساتھی سمجھنا اور لوک پرلوک ٹھگ لینے والی ویشیا کے کوٹھے پر کبھی پاؤں نہ رکھنا — کندن لال، تم بھی سنو۔ ایشور پاپی کو پرائشچت کا سمے دینے کے لیے تھوڑے دنوں تک ہاتھ سمیٹے رہتے ہیں — لیکن نیائے کا ہتھیار اپنے ہاتھ سے نہیں پھینک دیتے۔ ایک دن ان کا کرودھ پاپ کے اندھیرے پر بجلی کی طرح ضرور چمکتا ہے۔ اُسی بجلی سے آج تمھارا ابھیمان اور تمھارا لوبھ — جل کر راکھ کا ڈھیر ہوگیا ہے — اور اُس ڈھیر کے اوپر سروناش اور نرک گرج رہے ہیں۔

—ڈراپ—

(سماپت)